ایک ایسے نوجوان کی عجیب داستان،

جو اپنی یاد داشت کھو بیٹھا تھا!

گم کردہ

یعقوب جمیل

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور-۲

ابتدائیہ

پاٹ اوٹ

ملک دشمن سرگرمیوں میں مصروف ایک خطرناک تنظیم جس کا سربراہ جا پورے ملک میں اپنی حکمرانی قائم کرنا چاہتا تھا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ بے گناہ لوگوں کا خون پانی کی طرح بہا رہا تھا۔ کسی نے بھی اسے دیکھا نہیں تھا مگر پھر بھی لوگ اس کے اندھے عقیدوں کے جال میں پھنستے جا رہے تھے۔ حکومت بھی اس کے آگے بے بس نظر آ رہی تھی، تاتیا کا نام خوف کی طرح لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا اور تب کرنل اللہ رکھا نے تاتیا کو بے نقاب کرنے کے لیے اور اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو نیست و نابود کرنے کے لیے ایک نوجوان کو بڑے عجیب ڈھنگ سے تیار کر کے اس کے مقابلے پر لا کھڑا کیا اور جب وہ نوجوان اپنے مشن کی تکمیل کے لیے نکلا تو دشمن کی گولیوں کا نشانہ بن کر اپنی یادداشت کھو بیٹھا اور یہیں سے یہ سنسنی خیز کہانی شروع ہوتی ہے۔

آپ کا یعقوب جمیل

رات بہت زیادہ اندھیری نہیں تھی۔ ٹوٹا ہوا آدھا چاند بار بار بادلوں کی اوٹ سے جھانک رہا تھا۔ ہوا میں خنکی تھی لیکن وہ بڑی تیزی سے اپنی موٹر سائیکل پر اڑا جا رہا تھا۔

اندھیروں اور سناٹوں میں سفر کرنا اسے بہت پسند تھا اور رات کے وقت تو یوں بھی سڑکیں تقریباً ویران ہو جاتی ہیں۔ پونا اور بمبئی کے درمیان پھیلی ہوئی یہ سڑک بھی بالکل سنسان پڑی تھی۔ اب تک اسے صرف دو ٹرک ہی اپنے سامنے سے آتے دکھائی دیئے تھے۔ جو دھواں اڑاتے ہوئے بمبئی کی جانب بڑھتے چلے گئے تھے۔

وہ سرد ہواؤں کے تھپیڑے اپنے سینے پر سہتا ہوا کھنڈالہ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ دریا کا گھاٹ شروع ہوتے ہی اس نے اپنی موٹر سائیکل کا رخ موڑ دیا۔ اب وہ پختہ سڑک سے اتر کر کچی اور ناہموار سڑک پر آ گیا تھا۔

کچی سڑک پر کچھ آگے جا کر وہ رک گیا لیکن موٹر سائیکل سے نیچے نہیں اترا۔ ریتلی زمین پر اپنا پیر ٹیک کر اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالنے لگا۔

اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا اور گرم گرم دھواں اپنے حلق سے نیچے اتار کر دوبارہ موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔

ہوا اب اور زیادہ تیز چلنے لگی تھی اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آسمان کی طرف اڑتا چلا جا رہا ہو۔ زمین اس کے نیچے تیزی سے سرکتی جا رہی تھی۔ یکایک رات کے سناٹے میں "ٹھائیں" کی آواز گونجی اور ایک گولی کہیں سے آ کر اس کے بائیں کندھے میں پیوست ہو گئی۔ گولی لگتے ہی ہینڈل پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی اور آخر دائیں بائیں جھومتی ہوئی موٹر سائیکل جھاڑیوں کے اندر گھس کر ایک

گڑھے میں جا پڑی۔ سڑک کے کنارے پھیلی ہوئی گھنی جھاڑیوں کے اندر کا یہ گڑھا بہت زیادہ گہرا نہیں تھا۔ گڑھے میں گرنے کی وجہ سے اسے کچھ چوٹ تو لگی لیکن کندھے میں پیوست گولی تو اب آگ کی طرح جلنے لگی تھی۔ اس تکلیف کے باعث اس نے گڑھے میں گرنے کی چوٹ محسوس ہی نہیں کی اور ہمت کر کے وہ کسی طرح اس گڑھے سے باہر نکل آیا۔ ڈگمگاتے قدموں سے وہ جیسے ہی نکل کر دوبارہ کچی سڑک پر آیا' ایک دوسرا دھماکا ہوا اور یہ دوسری گولی اس کی بائیں ران میں گھس گئی۔

وہ لڑکھڑایا اور ابھی سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ تیسری گولی اس کے سر کے پچھلے حصے کو سہلاتی ہوئی نکل گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک ساتھ ہزاروں تارے چمکنے لگے اور اس کے لیے یہ رات مزید اندھیری ہوتی چلی گئی۔ اس کا سر بری طرح گھومنے لگا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا پورا جسم ایک پرندے کی طرح آسمان کی طرف پرواز کرنے لگا ہو مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ گیلی اور سرخ مٹی پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔ پھر چند ہی لمحوں میں وہ سڑک کے کنارے ایک جانب ڈھیر ہو گیا۔

○

شرمین کو امید نہیں تھی کہ اسے اتنی دیر ہو جائے گی۔ وہ ایک دیہاتی عورت کو دیکھنے گاؤں سے دور چلی گئی تھی۔ معاملہ زچگی کا تھا لہٰذا اسے تین چار گھنٹے لگ گئے۔ بہرحال وہ خوش تھی کہ زچہ اور بچہ دونوں خیریت سے تھے۔

اس وقت اس نے خاکی رنگ کا ایک سفری سوٹ پہن رکھا تھا اور اپنی کمر پر اس نے چمڑے کی ایک بیلٹ باندھ رکھی تھی اور اس بیلٹ سے بندھا ہوا اس کا ریوالور جھول رہا تھا۔ اسے اس جگہ کسی چور یا ڈاکو کا خطرہ نہیں تھا لیکن پھر بھی احتیاطاً" وہ ریوالور اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ شرمین ایک خوب صورت دوشیزہ ہونے کے ساتھ ساتھ میڈیکل کی طالبہ بھی تھی۔ وہ میڈیکل کا آخری سال مکمل نہیں کر پائی تھی مگر اس بات کا اسے افسوس نہیں تھا۔ اس کے ڈیڈی ڈاکٹر شاپور جی بمبئی چھوڑ کر اب اس گاؤں میں سکونت اختیار کر چکے تھے اور ان کے ساتھ شرمین بھی شہر چھوڑ کر یہاں رہنے لگی تھی۔

ڈاکٹر شاپور جی اب بوڑھے ہو چکے تھے اور اپنی زندگی کے بقیہ دن وہ گاؤں والوں کی خدمت کرتے ہوئے گزار دینا چاہتے تھے اور شرمین ان کی معاونت کرتی تھی۔

رات خاصی گزر چکی تھی۔ اس کی جیپ جھاڑیوں کے درمیان سے راستہ بناتی ہوئی کچی سڑک پر آ گئی تھی۔ اچانک جیپ کی ہیڈ لائٹس میں اس نے سڑک کے کنارے کسی کو پڑے ہوئے دیکھا۔ اس نے جیپ کچھ فاصلے پر کھڑی کر دی۔ پہلے تو اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن آس پاس اسے کوئی دکھائی نہیں دیا پھر وہ اپنی جیپ سے اتری اور سامنے پڑے ہوئے شخص کی طرف بڑھنے لگی۔

قریب جا کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ خون میں لت پت ایک نوجوان بے ہوش پڑا تھا۔ اس کی کھوپڑی کا پچھلا حصہ پھٹ گیا تھا جس سے خون نکل کر سرخ رنگ کی مٹی میں جذب ہو رہا تھا۔ نوجوان کا بایاں کندھا اور بایاں پاؤں بھی خون میں تر ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی کانپتی انگلیوں سے اس نوجوان کی نبض ٹٹولی۔ وہ ابھی زندہ تھا۔ شرمین بڑی پھرتی سے اپنی جیپ کی طرف لپکی اور اپنا بیگ اٹھا کر واپس آ گئی۔ اس نے بڑی احتیاط سے اس نوجوان کے سر کے زخم پر دوا لگا کر پٹی باندھ دی۔ اس سے زیادہ وہ اس سنسان سڑک پر اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر اس نوجوان کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔ بڑی مشکل سے وہ اس بے ہوش نوجوان کو اٹھانے میں کامیاب ہوئی۔ جیپ کے پچھلے حصے میں اسے لٹا کر اب وہ تیزی سے اپنے کاٹیج کی طرف جا رہی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اپنے کاٹیج کے قریب آ کر اس نے جیپ روک دی اور بھاگتی ہوئی اندر گئی۔ بوڑھا ڈاکٹر شاپور جی اپنے بستر پر پڑا سو رہا تھا۔

"ڈیڈی--- ڈیڈی---" وہ ڈاکٹر شاپور جی کو جگاتے ہوئے بولی۔ "پلیز ڈیڈی' ایک ایمر جینسی کیس ہے۔"

"ایمر جینسی؟ اس وقت؟" بوڑھے ڈاکٹر نے آنکھیں ملتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر وہ فوراً ہی بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں باپ بیٹی اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ بوڑھے ڈاکٹر کے پاس سرجری کی زیادہ سہولت نہیں تھی اور نہ ہی اس کاٹیج میں کوئی آپریشن تھیٹر تھا۔ نوجوان کو ایک لمبی میز پر لٹا دیا گیا تھا۔ اس کے سرہانے ایک لالٹین جھول رہی تھی۔ لالٹین کی دھیمی روشنی میں بوڑھا ڈاکٹر شاپور جی اس نوجوان کے زخموں کو دیکھتا اور پھر اس میں دھنسی ہوئی گولی نکال لیتا اور شرمین ان زخموں پر دوا لگا کر پٹی باندھ دیتی۔ کندھے اور بائیں ران پر لگی ہوئی دونوں گولیوں کو وہ نکال چکا تھا۔ شرمین نے دونوں جگہ پٹیاں بھی باندھ دی تھیں لیکن سر کا زخم کچھ زیادہ ہی خطرناک تھا۔ گولی سر کے پچھلے حصے کو چور کر کے نکل گئی تھی جس کی وجہ سے کھوپڑی کا یہ حصہ بہت متاثر ہوا تھا اور ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اس زخم کے اندر سے نکالنا بے حد دشوار ہو رہا تھا۔ ذرا سی غفلت بھی ان نازک رگوں کے لیے خطرناک ہو سکتی تھی جو ڈاکٹر شاپور جی کے خیال کے مطابق ابھی تک اپنی جگہ صحیح سلامت تھیں۔

"کیا لگ رہا ہے ڈیڈی؟" شرمین نے دھیرے سے پوچھا۔

"نوجوان ہے تو خوش قسمت۔" بوڑھا ڈاکٹر بھی دھیرے سے بولا اور پھر اس کے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں دیکھو' اگر گولی ذرا سا بھی آگے لگی ہوتی تو اس کا دم وہیں نکل چکا ہوتا۔" یہ کہہ کر اس نے ہڈی کا چھوٹا ٹکڑا نکال لیا۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر اس کے سر پر بھی پٹی باندھ دی۔

نوجوان تقریباً سات دنوں تک بے سدھ اور بے ہوشی کی کیفیت میں پڑا رہا۔ آٹھویں روز اس کی آنکھیں کھلیں تو وہ کافی دیر تک چپ چاپ لیٹا ہوا چھت کی طرف گھورتا رہا۔ اس کی خالی خالی نگاہوں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے اس ماحول سے اس دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو' جیسے اپنی زندگی سے اسے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو اور جیسے اسے اپنے وجود کا بھی احساس نہ ہو۔ اس کی خالی خالی آنکھیں یہی سب کچھ کہہ رہی تھیں۔ اچانک اس کی نگاہوں کے سامنے ایک چہرے کے خدوخال ابھرے۔ اس نے اپنی نگاہوں کو گھما کر دیکھا۔ کچھ دیر تک اس چہرے کو گھورنے کے بعد وہ بڑی کمزور

اور دھیمی آواز میں بولا۔ "تم۔۔۔ تم۔۔۔ کون ہو؟"

"میں تمہارا ڈاکٹر ہوں۔" بوڑھا ڈاکٹر شاپور جی مسکرا کر بولا۔ "تم اس وقت میرے کاٹیج میں ہو۔"

"ڈاکٹر۔۔۔؟" نوجوان کے ہونٹ پھڑپھڑائے۔

"ہاں' میرا نام شاپور جی ہے اور یہ میری بیٹی شرمین ہے۔" بوڑھے نے اپنے قریب کھڑی ہوئی شرمین کی طرف اشارہ کیا۔ نوجوان کچھ دیر تک ان دونوں کو گھورتا رہا جیسے انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"میں نے اپنا تعارف کرا دیا۔" بوڑھا ڈاکٹر بولا۔ "اب تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

لیکن نوجوان نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ وہ چپ چاپ لیٹا چھت کی طرف گھور رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا میں کچھ بھی نہیں جانتا۔" نوجوان بڑبڑاتا ہوا بولا اور اس کی یہ بات سن کر بوڑھا ڈاکٹر شاپور نزدیک پڑی ہوئی کرسی پر دھم سے بیٹھ گیا۔ پچھلے آٹھ دنوں سے وہ اندر ہی اندر جس خوف میں مبتلا تھا' وہ اب اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اس نے جو اندازہ لگایا تھا وہ درست ثابت ہوا۔ نوجوان اپنی یادداشت کھو چکا تھا۔ اس کے دماغ سے اس کے ماضی کی ایک ایک یاد محو ہو گئی تھی۔ وہ پھر گہری نیند سو گیا تھا لیکن اس رات ان کے بوڑھے ڈاکٹر کو نیند نہیں آئی۔ اس کے اندر کہیں کچھ ہو رہا تھا۔ کوئی چیز اس کے سینے میں چبھ رہی تھی۔ اس نے دیسی وہسکی کی بوتل نکالی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے شیشے کا سفید گلاس پیلے رنگ کی دیسی وہسکی سے بھر گیا۔ اس نے اس میں پانی نہیں ملایا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے خالص وہسکی کا پہلا گھونٹ حلق سے نیچے اتارا۔ اسے آج پھر نشے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ اس نے دوسرا گھونٹ لیا۔ اس کے سینے میں جیسے آگ کی بھٹی سلگ اٹھی۔ کم از کم اسے ایسا ہی لگا تھا۔ ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر اس نے کھڑکی سے باہر نظر ڈالی۔ صبح کا ہلکا ہلکا اجالا پھیلنے لگا تھا۔

اور پھر پیتے پیتے دوپہر ہو گئی۔ دوپہر کے بعد شرمین شاپنگ کر کے واپس آ گئی۔ وہ خریداری کے لیے صبح ہی صبح کھنڈالہ روانہ ہو گئی تھی۔ کاٹیج کے باہر جیپ کھڑی کر

کے اس نے خریدی ہوئی چیزوں کا تھیلا اٹھایا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کاٹیج کے اندر آ گئی۔

پچھلے چند مہینوں سے وہ اپنے ڈیڈی کو شراب سے دور رکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن آج پھر اسے نشے کی حالت میں دیکھ کر وہ اداس ہو گئی۔ بوڑھا ڈاکٹر نشے میں دھت اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کمر سامنے کی میز پر جھکی ہوئی تھی۔ میز پر پڑی ہوئی دو خالی بوتلیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ شیشے کا خالی گلاس اب بھی بوڑھے ڈاکٹر کے ہاتھ میں تھا جسے اس نے اپنی انگلیوں کے درمیان سختی سے جکڑ رکھا تھا۔

شرمین کچھ دیر تک تو دروازے ہی پر چپ چاپ کھڑی رہی پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا تھیلا اس نے قریب کے صوفے پر رکھ دیا۔ یکایک اس کا چہرہ حد درجہ اداس ہو گیا۔ اسے اپنی ماں یاد آ گئی۔ اپنی بیوی کی زندگی میں بوڑھے ڈاکٹر نے کبھی شراب تمباکو تک کا استعمال نہیں کیا تھا۔ یہ بات یقین کرنے والی نہیں تھی لیکن یہ حقیقت تھی کہ اپنی بیوی کی موت کے بعد ہی بوڑھے ڈاکٹر نے پہلی مرتبہ شراب کو ہونٹوں سے لگایا تھا۔

بوڑھے ڈاکٹر کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔ چند لمحوں بعد ڈاکٹر کے جسم میں جنبش ہوئی اور پھر اس کے چہرے کے ساتھ اس کی کرسی بھی گھوم گئی۔ شرمین نے دیکھا کہ اس کے ڈیڈی کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ شرمین چپ چاپ ان آنکھوں میں دیکھتی رہی مگر کچھ بولی نہیں، تاہم بوڑھا ڈاکٹر اپنی نگاہیں جھکا کر کہہ رہا تھا۔ "آج کچھ بھی نہیں کہو گی۔ لوگ مجھے پاگل ڈاکٹر کہتے ہیں، کیا یہ جھوٹ ہے؟"

"اوہ ڈیڈی، یہ جھوٹ ہے۔ آپ کو کوئی بھی پاگل نہیں سمجھتا۔" شرمین قریب پڑے ہوئے لمبے صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"تو۔۔۔ تو۔۔۔ میں پاگل نہیں ہوں۔" بوڑھا ڈاکٹر پھر بولا۔

"اگر ایسا ہوتا تو کیا اس نوجوان کو آپ موت کے منہ سے نکال کر واپس لا سکتے تھے؟"

"لیکن کیا اس کی زندگی اور موت میں کوئی فرق ہے؟"

"ڈیڈی۔" شرمین کچھ سوچ کر بولی۔ "اس کی یادداشت کھو گئی ہے۔ اس میں

آپ کا قصور تو نہیں ہے۔ آپ نے تو ہر ممکن کوشش کر کے اس کی جان بچائی ہے اور یہی اس کا ثبوت ہے ورنہ ضروری سہولتیں میسر نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام آسان نہیں تھا۔"

بوڑھے ڈاکٹر نے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "کیا تم واقعی یہ مانتی ہو؟"

"ہاں۔" شرمین نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اگر شراب پینے کے لیے آپ کو کسی بہانے کی ضرورت ہے تو میں آپ کو اور بھی بہانے بتا سکتی ہوں۔"

یہ سن کر بوڑھا ڈاکٹر اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن جواب میں شرمین کچھ نہیں بولی بلکہ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

○

کئی دن گزر گئے نوجوان اب اپنے بستر پر بیٹھ سکتا تھا لیکن چل پھر نہیں سکتا تھا۔ اس کے کندھے اور ران کی پٹیاں اب کھل چکی تھیں لیکن اس کے سر پر ابھی تک پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے سر میں اب بھی تکلیف ہوتی تھی۔ کھوپڑی کے اندر اب بھی کسی چیز کی چبھن کا احساس ہوتا تھا اور اس چبھن کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر درد کی لکیریں سی پھیل جاتیں۔

"میں ایک بار پھر کہتا ہوں۔" بوڑھا ڈاکٹر اس کے چہرے پر بکھری ہوئی لکیریں دیکھ کر بولا۔ "اپنے ماضی کو یاد کرنے کی جتنی بھی کوشش کرو گے تم اور بھی زیادہ الجھ کر رہ جاؤ گے۔"

نوجوان اپنے بستر پر تکیے کے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔ کاٹیج کے باہر پچھلے حصے میں بہتے ہوئے جھرنے کی آواز یہاں صاف سنائی دے رہی تھی۔

"تو میں کیا کروں؟" نوجوان بوڑھے ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں۔" بوڑھا ڈاکٹر چائے کا آخری گھونٹ لے کر خالی پیالی کو اپنی کرسی کے نیچے رکھتا ہوا بولا۔ "میں تم سے جو کچھ بھی کہوں پ[illegible]ے غو[illegible]ے سن لو اور پھر اپنے دماغ پر زور دیے بغیر آسانی سے اس کا جواب دینا۔"

نوجوان نے پوری توجہ سے بوڑھے ڈاکٹر کی بات سننے کی کوشش کی اور ایک بار پھر اس کے چہرے کی لکیریں بدلنے لگیں لیکن اس بار اس کے چہرے پر ضبط اور سختی کے آثار نہیں تھے۔ اب بوڑھا ڈاکٹر بھی اس کے لیے انجان نہیں تھا جس دن سے اس نے یہاں اپنی آنکھ کھولی تھی اس دن سے وہ بوڑھے ڈاکٹر شاپور جی اور اس کی لڑکی سے واقف ہو چکا تھا۔

"سمجھے---؟" بوڑھا ڈاکٹر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "میرے پاس کچھ الجھی ہوئی کڑیاں ہیں۔ ان کڑیوں سے میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مثال کے طور پر تم نیند میں بڑبڑاتے ہو اور کبھی کبھی تمہارے ہونٹوں پر پوربی زبان کے الفاظ سنائی دیتے ہیں۔"

"پوربی زبان---؟" نوجوان نے پوچھا۔

"ہاں' ہندی کے ساتھ ساتھ پوربی زبان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ تم ہندوستان کے پوربی علاقے کے رہنے والے ہو۔ کچھ یاد آ رہا ہے؟"

"نہیں۔" نوجوان نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔" بوڑھا ڈاکٹر پھر بولا۔ "اگر تم اتنی ہی آسانی سے دماغ پر زور دیے بغیر جواب دو گے تو تمہیں تکلیف نہیں ہو گی۔ اب ایک دوسری کڑی یہ ہے کہ جب تم زخمی ہو کر یہاں آئے تھے اس وقت تمہارے چہرے پر نقلی مونچھیں لگی ہوئی تھیں---"

"کیا؟" نوجوان کا منہ حیرت سے کھل گیا لیکن جواب دینے کی بجائے بوڑھے ڈاکٹر نے نقلی مونچھیں اس کے سامنے رکھ دیں اور بولا۔ "تم دیکھ سکتے ہو۔"

نوجوان نے غور سے ان مونچھوں کو دیکھا اور پھر سر اٹھا کر ڈاکٹر سے پوچھا۔ "یہ مونچھیں کیا بتا رہی ہیں؟"

"یہی کہ یا تو تم کسی اسٹیج کے اداکار ہو سکتے ہو یا پھر---"

"یا پھر---؟" نوجوان نے بوڑھے ڈاکٹر کو رکتے دیکھ کر پوچھا۔

"یا پھر--- پرائیویٹ جاسوس یا خفیہ پولیس کے آدمی یا---" بوڑھا پھر رک گیا۔

"یا پھر چور' ڈاکو یا کوئی قاتل--- یہی کہنا چاہتے ہیں نا؟" نوجوان بولا۔

"شاید۔" بوڑھا ڈاکٹر بولا۔ "میری ادھوری بات تم نے مکمل کر دی ہے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" نوجوان نے پوچھا۔

"میں صرف تمہارا ماضی جاننا چاہتا ہوں۔" کہتے کہتے ڈاکٹر شاپور جی اپنے ماضی میں کھو گیا اور بولا۔ "ہر شخص کی زندگی میں ایک حصہ' اس کے ماضی کا ہوتا ہے شہر کے لوگ مجھے ایک پاگل ڈاکٹر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔"

"کیا واقعی!" نوجوان بولا۔

"ہاں مگر تم ابھی تک اس کی وجہ بھی نہیں جانتے۔" بوڑھا ڈاکٹر بولا۔

"میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔" نوجوان بولا۔

لیکن اس کے باوجود بوڑھے نے کہنا شروع کیا۔

"ایک دن ایک مریض اسپتال میں آیا۔ اس کے گردے کے قریب ایک ناسور ہو گیا تھا۔ میں نے آپریشن کر کے اس کا گردہ نکال دیا۔" بوڑھے نے کچھ دیر ٹھہر کر نوجوان کی طرف دیکھا مگر اس کے چہرے پر کسی قسم کے بھی تاثرات نہیں تھے۔ اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "پھر مجھے اسپتال کی ملازمت سے استعفیٰ دینا پڑا اور اسی مہینے میں شہر کی زندگی کو چھوڑ کر اس ویرانے میں آ گیا۔ یہاں آ کر میں نے اپنا یہ گھر بسایا' یہاں مجھے بڑا سکون ہے۔ یہ گاؤں والے مجھے ایک ڈاکٹر سمجھتے ہیں' پاگل نہیں۔"

"یہ تو آپ کی اپنی بات ہوئی۔" نوجوان نے کہا۔

"ہاں--- لیکن اسی طرح تمہارا بھی ایک ماضی ہے' جسے وقتی طور پر یا ہمیشہ کے لئے تم بھول گئے ہو--- ڈاکٹروں کی زبان میں اسے ایمونسیا کہا جاتا ہے۔"

نوجوان نے غور سے اس کی بات سنی اور پھر پوچھا۔

"میرے اس ایمونسیا کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"فی الحال کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔" بوڑھا ڈاکٹر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ اگر تمہاری یادداشت آئی تو رفتہ رفتہ ہی آئے گی۔"

شرمین کچھ دیر قبل وہاں آ کر بیٹھ گئی تھی اور دونوں کی بات چیت دھیان سے سن رہی تھی۔ ڈاکٹر شاپور جی کی بات ختم ہوتے ہی وہ مسکرا کر بولی۔ "مگر ڈیڈی' ابھی

تک آپ کو اپنے مریض کا نام نہیں معلوم ہوا۔"

"ہاں۔" بوڑھا ڈاکٹر ہنس کر بولا۔ "اب تم ہی اس کا کوئی نام رکھ دو۔"

"شرمین نے نوجوان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "تمہیں کون سا نام پسند ہے رستم' رمیش یا رحیم؟"

"میرا خیال ہے کہ رستم نام' اس کی جوانی اور جسم کی مطابقت سے بالکل ٹھیک ہے۔" بوڑھے ڈاکٹر نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور شرمین نے اس نوجوان کا نام رستم رکھ دیا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ مسکرا کر بولی۔

"لیکن میں تو اسے اپنا بھائی سمجھوں گی اور بھیا کہہ کر ہی بلاؤں گی۔"

شرمین کی یہ بات سنتے ہی نوجوان نے ایک جھٹکے سے اس کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایک ٹرین سیٹی بجاتی ہوئی گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ اس کے سینے پر آ کر ٹھہر گئی اور "رام نام سیتا ہے" کی آوازیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

○

بوڑھے ڈاکٹر شاپور جی کا یہ کاٹیج بہت بڑا نہیں تھا۔ لیکن وہ بہت پرانا بھی نہیں تھا۔ کاٹیج کے پچھلے حصے پر ایک اونچی سی پہاڑی تھی جس پر سے ٹھنڈے پانی کا ایک جھرنا بہہ کر دوسری طرف اتر جاتا تھا۔ کاٹیج کے اگلے حصے میں ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ اس میدان اور کاٹیج کو اونچے اونچے درختوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ درختوں کا یہ سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس جگہ زیادہ آبادی نہیں تھی۔ بہت کم لوگ اس جنگل نما گاؤں میں آباد تھے لیکن اس سے چند ہی میل کے فاصلے پر اچھی خاصی آبادی تھی۔

جہاں ڈاکٹر شاپور جی کا کاٹیج تھا اس جگہ کا کوئی نام نہیں تھا لیکن ڈاکٹر کے آ جانے کے بعد لوگ اسے ڈاکٹر کے گاؤں کے نام سے پکارنے لگے تھے۔ ان لوگوں کے لیے ڈاکٹر شاپور جی ایک فرشتہ بن کر آیا تھا' اس لیے وہ لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کی عورتیں بھی شرمین کا بڑا احترام کرتی تھیں۔ عورتوں کی بیماری اور زچگی کی تمام تر ذمے داریاں شرمین نے سنبھال رکھی تھیں۔ اس کے علاوہ خود کو

مصروف رکھنے کے لیے شرمین نے گائے اور مرغیاں وغیرہ پال رکھی تھیں۔ اس کے پاس چند بطخیں بھی تھیں جن کی دیکھ بھال میں اس کا اچھا خاصا وقت گزر جاتا تھا۔ گھر کے دوسرے کاموں کے لیے ایک دیہاتی عورت مقرر تھی جو صبح آکر سارا کام کر دیتی اور شام کو واپس چلی جاتی۔

ایک صبح جب نوجوان رستم' کاٹیج سے باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ شرمین اپنے ہاتھ میں ریوالور لیے میدان میں کھڑی ہوئی تھی۔ صبح کی چمکتی ہوئی دھوپ میں اس کی آنکھیں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ ایک جنگلی بلی پچھلے چند دنوں سے اس کی مرغیوں اور بطخوں کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ موقع پا کر وہ دبے پاؤں آتی اور ایک مرغی یا بطخ کو دانتوں میں دبا کر غائب ہو جاتی۔ اب تک وہ شرمین کی دو مرغیوں اور ایک جنگلی بطخ کو ہڑپ کر چکی تھی مگر اس کے باوجود وہ شرمین کو دکھائی نہیں دی تھی۔ پھر آج صبح مرغیوں کے دڑبے کے قریب شرمین نے کچھ آہٹ محسوس کی اور اس کے قدم اچانک رک گئے۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ جنگلی بلی اسی جگہ کہیں اسے دیکھ کر چھپ گئی ہو گی لیکن وہ کہاں چھپی ہوئی تھی؟ یہ اسے نہیں معلوم تھا۔ نوجوان رستم کو یہ بات معلوم تھی کہ شرمین کی دو مرغیاں اور ایک بطخ کو کوئی جنگلی جانور اٹھا لے گیا ہے۔ یہ بات ایک دن شرمین نے ہی اسے بتائی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ شرمین کے قریب آ گیا اور بولا۔ "کب تک اس کی راہ دیکھو گی؟"

"لیکن وہ اسی جگہ کہیں ہے۔" شرمین نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "اور وہ ضرور باہر نکلے گی۔"

"لیکن وہ اس طرح نہیں نکلے گی۔" رستم نے کہا۔

"پھر؟" شرمین نے پوچھا۔

لیکن جواب میں رستم نے اس کے ہاتھ سے ریوالور لے کر ایک فائر کر دیا جس کا نتیجہ فوراً ہی سامنے آ گیا۔ دڑبے کے قریب جھاڑیوں میں چھپی ہوئی جنگلی بلی دھماکے کی آواز سن کر اپنی جگہ سے اچھل پڑی اور پھر جیسے ہی اس نے بھاگنے کے لیے چھلانگ لگائی' ایک اور گولی چلی اور وہ ہوا میں اچھل کر زمین پر آ گری۔ شرمین

اس کا نشانہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی اور بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہیں ریوالور چلانا آتا ہے اور تم اچھے نشانہ باز ہو۔"

"یہ بات تو میں بھی نہیں جانتا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے ریوالور شرمین کو واپس کر دیا۔ ریوالور کی نال سے اب بھی دھواں نکل رہا تھا۔ اپنے ماضی کی ایک کڑی تو اس کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ ریوالور ہاتھ میں لیتے وقت اس کے ہاتھ ذرا بھی نہیں کانپے تھے۔ اس نے ریوالور کو بالکل اچھی طرح استعمال کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے ماضی سے پستول یا ریوالور کا ضرور کوئی نہ کوئی تعلق تھا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا' اب زیادہ دنوں تک یہاں رہنے کا کوئی مقصد نہیں ہے' اسے ڈاکٹر سے صاف صاف کہہ دینا چاہیے۔

رات کے کھانے کے بعد وہ ایک چھوٹی سی میز کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ڈاکٹر مجھے یہاں آئے ہوئے تقریباً چھ مہینے ہو چکے ہیں۔ اب میں بالکل تندرست ہوں۔ یہ آپ دیکھ ہی سکتے ہیں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو۔۔۔"

"ہاں ہاں چلے جاؤ۔" بوڑھا ڈاکٹر اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ کر بولا۔ یہ سن کر شرمین نے بڑی حیرت سے اپنے ڈیڈی کو دیکھا اور پھر وہ رستم کو دیکھنے لگی۔ میز کے گرد وہ رستم کے بالکل سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

"لیکن میں کہاں جاؤں؟" رستم نے پوچھا۔

"بمبئی۔" بوڑھا ڈاکٹر فوراً ہی بولا۔

"بمبئی؟" رستم چونک پڑا "لیکن میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔"

بوڑھا ڈاکٹر ٹوتھ پک سے اپنے دانتوں کو کریدتا ہوا جلدی سے بولا۔ "دیکھو! اگر تم یہ امید رکھتے ہو کہ میں تمہارے سفر کے اخراجات برداشت کروں گا تو یہ تمہاری بھول ہے' اس خیال کو دل سے نکال دو۔"

"لیکن۔۔۔" رستم نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ باہر سے کسی کی تیز آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر صاحب! دروازہ کھولیے ایمرجینسی کیس ہے۔"

"ایمرجینسی کا لفظ سنتے سنتے میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔" بوڑھا ڈاکٹر بڑبڑاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ "مگر ان لوگوں کی ایمرجینسی ختم نہیں ہوئی۔" پھر آگے جا کر اس نے دروازہ کھول کر پوچھا۔ "کیا ہے؟" لیکن باہر دیکھتے ہی بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ایک نئی ریلوے لائن بچھائی جا رہی تھی اور گھاٹ پر ایک پل بھی تعمیر کیا جا رہا تھا۔ کئی مہینوں سے وہاں کام ہو رہا تھا اور یہ نیا آنے والا مریض بھی وہیں کا کوئی مزدور تھا۔ یہ اندازہ بوڑھے نے اس کنٹریکٹر کو دیکھ کر لگایا تھا جو اس سے پہلے بھی اسی طرح کے دو مزدوروں کا علاج کرا چکا تھا۔

لیکن آج کا یہ مزدور کنٹریکٹر کا خاص آدمی تھا۔ اس کے پاؤں میں فریکچر ہو گیا تھا۔ کنٹریکٹر اسے ساتھ لے کر اپنی جیپ میں اس کے پاس آیا تھا۔ مریض کو اندر لا کر بوڑھے ڈاکٹر نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیا ہوا اسے؟"

کنٹریکٹر نے مختصراً سارا واقعہ سنا دیا۔ زیر تعمیر پل پر چڑھتے وقت اچانک اس مزدور کا پاؤں پھسل گیا تھا اور وہ لڑھکتا ہوا نیچے آ پڑا تھا جس کے باعث اس کے پاؤں میں شدید چوٹ آئی تھی۔

بوڑھا ڈاکٹر اس مریض کو لمبی میز پر لٹا کر اس کے پاؤں کی ہڈی کو ہاتھ سے ٹٹولنے لگا۔ ایک جگہ اس کا ہاتھ لگتے ہی مزدور چیخ اٹھا۔ پھر ڈاکٹر اپنا ہاتھ ہٹا کر کنٹریکٹر سے بولا۔ "فریکچر ہی ہے' شہر کے اسپتال میں لے جاؤ۔"

یہ سن کر کنٹریکٹر کو حیرت سی ہوئی' وہ بولا۔ "لیکن ڈاکٹر فریکچر کا یہ کیس کوئی پہلا کیس تو نہیں ہے' اس سے پہلے بھی تو۔۔۔"

"بس۔" بوڑھا اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے ہوئے ذرا سخت لہجے میں بولا۔ "میں نے کہا نا کہ یہ کیس میرا نہیں ہے۔"

شرمین اور رستم ابھی تک اس چھوٹی سی میز کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان کی نگاہیں ان لوگوں پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

کنٹریکٹر' بوڑھے ڈاکٹر شاپور جی کی منت سماجت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "پلیز ڈاکٹر شہر جاتے جاتے مجھے صبح ہو جائے گی اور یہاں کا سارا کام رک جائے گا' پلیز۔۔۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" بوڑھا ڈاکٹر بولا۔ "میں ایک شرط پر علاج کروں گا۔"

"بولیے۔" کنٹریکٹر نے کہا۔

بوڑھے ڈاکٹر نے رستم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرے اس مریض کو تمہیں ایک مہینے کے لیے کام پر رکھنا ہو گا۔"

ڈاکٹر کی یہ بات سن کر کنٹریکٹر کی سمجھ میں ڈاکٹر کا سارا ڈراما آ گیا۔ آج تک اس نے جاہل دیہاتیوں اور اپنے رشتے داروں کو ہی کام پر لگایا ہوا تھا تاکہ اس کے کالے کارناموں کا کسی کو پتا نہ لگے اور وہ اپنی تجوریاں بھرتا رہے لیکن پھر بھی اس نے ڈاکٹر کی یہ شرط منظور کر لی۔ اپنی شرط منظور کرانے کے بعد بوڑھے ڈاکٹر نے اس مزدور کے پاؤں میں دوا لگا کر پٹی باندھ دی پھر رستم بھی اس مزدور مریض اور کنٹریکٹر کے ساتھ ہی اس کی جیپ میں چلا گیا۔ رستم کے جانے کے بعد شرمین بڑی دیر تک خاموش رہی لیکن رات کو سونے سے قبل اس نے بوڑھے ڈاکٹر سے کہا۔ "اگر رستم کو آپ نے بمبئی جانے کا کرایہ دے دیا ہوتا تو کیا آپ کی تجوری خالی ہو جاتی؟"

"نہیں۔" بوڑھا بولا۔

"تو پھر آپ نے اسے مزدوری کرنے کے لیے کیوں بھیج دیا؟"

بوڑھے ڈاکٹر کے پاس اس کی وجوہات تھیں۔ پچھلے چند مہینوں سے رستم مریضوں کی سی زندگی گزار رہا تھا۔ دنیا اور دنیا کے ہنگاموں سے وہ مہینوں الگ تھلگ رہا تھا اور اب جبکہ وہ صحت مند ہوا تو اس کی یادداشت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس طرح وہ اپنی نگاہوں میں خود ہی اجنبی بن کر رہ گیا تھا۔ اتنے عرصے تک بیمار رہنے کے بعد وہ دنیا کی حقیقتوں سے تقریباً کٹ کر رہ گیا تھا اور اب اسے اپنے ماضی کی تلاش میں آگے بڑھنا تھا۔" ڈاکٹر کی خواہش تھی کہ وہ اپنی جدوجہد کی ابتدا اسی جگہ سے کرے جہاں اس پر حملہ ہوا تھا اور وہ بے ہوش ہوا تھا۔ یہی سوچ کر ڈاکٹر نے اس جگہ ہی اسے کام پر بھیجا جہاں وہ بری طرح زخمی ہوا تھا۔ ممکن تھا کہ کچھ دنوں تک وہاں رہنے کے بعد اس کی یادداشت واپس آ جائے اور وہ زندگی کی طرف لوٹ جائے۔

بوڑھے ڈاکٹر کی یہ دلیل سن کر شرمین کو یقین ہو گیا کہ اس کے ڈیڈی نے جو کچھ سوچا ہے' وہ ٹھیک ہی ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک مہینے گزر گیا لیکن نہ تو رستم کی یادداشت ہی واپس آئی اور نہ ہی وہ اپنے ماضی کے بند دروازے تک جا سکا لیکن کبھی کبھی اس کا دماغ کام کرتے کرتے سن ہو کر رہ جاتا۔ آنکھوں کے سامنے ایک دھند سی چھا جاتی۔ ایسا کیوں ہوتا؟ یہ اسے معلوم نہ ہو سکا۔

اس ایک مہینے میں اس نے بہت سارا کام کیا تھا۔ بڑی محنت کی تھی۔ ریت کی ٹوکریاں سر پر اٹھائی تھیں' اینٹیں اور سیمنٹ کی بوریاں اپنے کاندھوں پر اٹھائے پل پر سینکڑوں بار اترا اور چڑھا تھا۔ اس کی ہمت اور طاقت دیکھ کر گاؤں کے پرانے مزدوروں کو بھی بڑی حیرت ہوتی تھی۔

آج ان سب مزدوروں کو تنخواہ ملنے والی تھی۔ مہینے بھر کی مزدوری لینے کے بعد رستم بھی ایک قطار میں کھڑا تھا۔ کھلے ہوئے میدان میں' ایک گھنے درخت کے سائے میں چھوٹی سی ایک میز رکھی ہوئی تھی جس کے پیچھے کرسی پر سرکاری کنٹریکٹر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ایک کر کے مزدور اس کے پاس آتے اور چلے جاتے۔ جب رستم کی باری آئی تو کنٹریکٹر نے ایک فارم اس کی طرف بڑھا دیا لیکن اپنا انگوٹھا لگانے یا دستخط کرنے سے پہلے رستم اس فارم کو لے کر پڑھنے لگا۔ کنٹریکٹر چپ چاپ اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"اس میں تو ڈیڑھ سو روپے لکھے ہوئے ہیں۔" اچانک رستم بولا۔

"ٹھیک ہے۔" کنٹریکٹر بولا۔

"اور تم صرف پچھتر روپے ہی دے رہے ہو؟" رستم نے پوچھا۔

"یہ ٹھیک ہے۔" کنٹریکٹر بولا۔

"یہ دوسروں کے لیے ٹھیک ہو گا' میرے لیے نہیں۔ میری محنت کا معاوضہ مجھے پورا ملنا چاہیے۔" رستم آنکھیں نکال کر بولا۔

"جو مل رہا ہے اسے چپ چاپ لے لو۔" کنٹریکٹر بھی تیز لہجے میں بولا۔ "نہیں تو یہ بھی نہیں ملیں گے۔"

لیکن اس سے پہلے کہ رستم کوئی جواب دیتا' اس نے دیکھا کہ کنٹریکٹر کے اشارے پر تین ہٹے کٹے آدمی اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ رستم ان تینوں

کو اچھی طرح جانتا تھا۔ کنٹریکٹر ان تین غنڈوں کی مدد سے ہی اپنے دیہاتی مزدوروں کا خون چوستا تھا۔

ان تین غنڈوں میں سے ایک اس کے پیچھے کھڑا تھا اور دوسرے دو اس کے دائیں بائیں تھے۔ رستم کے سامنے کنٹریکٹر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا لیکن ان دونوں کے درمیان میز حائل تھی۔ دوسرے تمام مزدور کچھ فاصلے پر کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ فیصلہ رستم کو ہی کرنا تھا کہ پچھتر روپے لے یا نہ لے اور اس نے فیصلہ کر لیا۔

یکایک وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور اس کے منہ سے کنٹریکٹر کے لیے "بے ایمان کتے" کے الفاظ نکلے۔ کنٹریکٹر کو کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ رستم کے دونوں پاؤں اس کے سینے پر پڑے تھے اور وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا تھا۔ رستم کی پیٹھ کو میز کا سہارا ملا تو وہ کروٹ لے کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب وہ میز کے اوپر کھڑا تھا اور تینوں غنڈے اس پر حملے کے لیے تیار تھے۔ میز پر کھڑے ہی کھڑے اس نے ایک غنڈے کے سر پر اپنے پاؤں سے زور دار ٹھوکر ماری تو وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح دوسری جانب گر پڑا۔ باقی دونوں غنڈے، یہ دیکھ کر وہیں رک گئے لیکن رستم نے انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس نے میز پر سے چھلانگ لگائی اور دونوں کو ساتھ لے کر زمین پر آ گرا۔ پلک جھپکتے ہی ان دونوں کے سر آپس میں ٹکرائے اور دونوں کے منہ سے ایک ساتھ چیخیں نکلیں اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔

رستم نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے اور پھر کنٹریکٹر کی طرف آیا۔ اتنی دیر میں کنٹریکٹر سنبھل چکا تھا لیکن اب وہ تنہا رہ گیا تھا۔ اس کے تینوں حمایتی زمین چاٹ رہے تھے، اس لیے اب اس میں رستم سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ رستم نے دیکھا تو میز پر پورے ڈیڑھ سو روپے پڑے ہوئے تھے۔ سو کا ایک نوٹ اور پچاس کا دوسرا۔ اس نے دونوں نوٹوں کو اٹھا کر اپنی جیب میں ٹھونس لیا اور وہاں سے چل دیا۔

○

"رستم!" بوڑھے ڈاکٹر نے غور سے اس کی بات سننے کے بعد کہا۔ "تمہاری

بھلائی اسی میں ہے کہ جلد یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیوں؟" رستم نے حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ کنٹریکٹر اور اس کے آدمی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ان دیہاتی مزدوروں کے سامنے تم نے ان کا غرور توڑ دیا ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق ایک شخص کا ہاتھ اس کی کہنی سے ٹوٹ گیا ہے اور دوسرے کے سر پر سخت چوٹ آئی ہے۔ اگر اب وہ پندرہ بیس آدمی لے کر تمہاری تلاش میں یہاں آ جائیں تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہو گی۔" بوڑھے ڈاکٹر نے کہا۔

رستم نے قریب بیٹھی ہوئی شرمین کی طرف دیکھا جیسے وہ اس سے پوچھ رہا ہو۔ شرمین اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔ "ڈیڈی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بولا اور اس کا چہرہ کچھ اداس ہو گیا۔

"رستم۔" بوڑھے ڈاکٹر نے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے آثار دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری الجھن میں سمجھ رہا ہوں لیکن اتنا یاد رکھنا کہ تم مجبور نہیں ہو۔ تم اکیلے بھی نہیں ہو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اس کا خدا ہو اس کو کسی کا کیا ڈر؟"

"الجھن تو صرف ایک ہی ہے۔" وہ بولا۔ "میرا ماضی تیس سال کے لمبے عرصے پر پھیلا ہوا ہے جس کو ڈھونڈنے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میں تمہیں ایک چابی دوں گا۔" بوڑھے ڈاکٹر نے اپنی جیب سے ایک چابی نکال کر اس کے سامنے رکھ دی اور بولا۔ "یہ چابی تمہیں اپنے ماضی کے دروازے کو کھولنے میں مدد دے گی۔"

"رستم نے چابی کو ہاتھ میں لے کر اپنی آنکھوں کے قریب کر کے دیکھا، جیسے وہ چابی جادو کی چابی ہو۔ وہ اسٹیل کی ایک چابی تھی جو اسٹیل کی چھوٹی سی کی چین کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ کی چین کے دوسرے سرے پر پلاسٹک کا ایک چوکور ٹکڑا لگا ہوا تھا۔ پلاسٹک کے اس سیاہ چوکور ٹکڑے پر سفید حروف میں "ہوٹل راج محل" لکھا تھا۔

"یہ چابی آپ کو کہاں سے ملی؟" رستم نے پوچھا۔

"تم جب زخمی حالت میں یہاں آئے تھے' اس وقت تمہاری جیب سے یہ چابی ملی تھی۔" بوڑھا ڈاکٹر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اس حالت میں یہاں آنے سے پہلے' ہوٹل راج ہی میں رہتے ہو گے۔ شاید وہیں تمہیں اپنے ماضی کا کچھ سراغ ملے۔ وہاں تمہارا سوٹ کیس بھی ہو سکتا ہے اور عین ممکن ہے کہ اسی سوٹ کیس میں تمہارا ماضی بند ہو۔ اس سوٹ کیس کو کھولتے ہی تمہیں ایک ساتھ کئی کڑیاں ملیں گی اور تم انہیں جوڑنے کی کوشش بھی کر سکتے ہو۔" بوڑھے ڈاکٹر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے اور اسے ساڑھے بارہ بجے والی ٹرین سے جانا تھا جو کھنڈالہ اسٹیشن سے روانہ ہوتی تھی۔ شرمین نے جیپ اسٹارٹ کی اور رستم اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ بوڑھا ڈاکٹر شاپور جی اپنے کاٹیج کے دروازے پر ہی کھڑا اسے رخصت کرتے ہوئے اپنا ہاتھ ہلا رہا تھا۔ بوڑھے ڈاکٹر نے کچھ دور تک جیپ کو جاتے ہوئے دیکھا پھر کاٹیج کے اندر جانے کی بجائے اس کے قدم ان دیہاتی لوگوں کی جھونپڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ آج ایک بار پھر اسے شراب کی یاد آگئی تھی۔ اور آخر کار وہ پوری بوتل پی کر بے سدھ ہو ہی گیا۔ رات ڈیڑھ بجے جب شرمین واپس آئی تو وہ نشے میں چور صوفے پر پڑا تھا۔ اس کے دونوں پاؤں دراز تھے جبکہ ایک ہاتھ صوفے کے نیچے جھول رہا تھا۔ اس کا سر صوفے کے بازو پر سے نیچے سرک آیا تھا۔

بوڑھے ڈاکٹر کی یہ حالت دیکھ شرمین کو رحم آگیا۔ وہ اپنے ڈیڈی کو بہت چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کے ڈیڈی کی زندگی کے یہ آخری دن سکھ اور آرام سے گزر جائیں۔ یہ اس کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہوئی وہ بوڑھے ڈاکٹر کے قدموں کے پاس بیٹھ گئی اور دھیرے دھیرے اس کے جوتوں کی ڈوریاں کھولنے لگی۔ اچانک جیسے بوڑھے ڈاکٹر کے بے جان جسم میں جان پڑ گئی۔ اس کا سر آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا اور آنکھیں آدھی کھل گئیں۔ شرمین کا دھندلا دھندلا عکس اس نے دیکھا اور اس کی آنکھیں پھر بند ہو گئیں۔ "چلی جاؤ۔۔۔" آنکھیں بند ہونے کے ساتھ ساتھ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "نوکری گئی عزت گئی' اجنبی گیا اور تیری ماں بھی اس دنیا میں نہیں رہی تم۔۔۔ تم۔۔۔ کیوں اپنی زندگی یہاں برباد کر رہی

ہو' کیوں برباد۔۔۔ کر رہی۔۔۔ ہو؟"

شرمین نے اس کے جوتے اتارنے کے بعد موزے بھی اتار دیے۔ بوڑھے ڈاکٹر نے اس وقت ایک ڈھیلی قمیص اور ڈھیلی پتلون پہن رکھی تھی۔ پھر شرمین نے اپنے دونوں ہاتھوں میں کسی بچے کی طرح آسانی سے بوڑھے ڈاکٹر کے ہلکے پھلکے اور کمزور جسم کو اٹھا لیا اور بستر پر لا کر لٹا دیا۔ اس کے بعد اپنے بستر پر آ کر بیٹھی نہ جانے وہ کیا کیا سوچتی رہی۔

○

رستم جس وقت بمبئی کے وی ٹی اسٹیشن پر ٹرین سے اترا تو اس کی جیب میں صرف دو روپے اور کچھ کھلے پیسے تھے۔ شرمین نے اس کے ڈیڑھ سو روپے میں سے اس کے لیے وی ٹی تک کا ٹکٹ خریدا تھا۔ اس میں صرف سترہ روپے اور آٹھ آنے لگے تھے۔ بچے ہوئے روپوں میں سے اس نے اپنے پاس صرف ڈھائی روپے رکھ کر سارے روپے شرمین کو دے دیے تھے۔

"کیوں؟" شرمین نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"ان روپوں سے انگلش وہسکی کی ایک بوتل خرید کر میری طرف سے اپنے ڈیڈی کو دے دینا' مجھے خوشی ہو گی۔" رستم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

شرمین کے بہت سمجھانے کے باوجود وہ نہیں مانا تھا۔ وی ٹی اسٹیشن سے باہر آکر اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے ہوٹل راج محل کا پتا پوچھا۔ ہوٹل یہاں سے خاصا دور' جوہو کے کنارے تھا۔ وہاں تک ٹیکسی میں جانے کے لئے کم از کم پچاس ساٹھ روپوں کی ضرورت تھی۔ اس کے سامنے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا کہ ہوٹل راج محل تک کس طرح پہنچا جائے؟ اور دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ہوٹل راج محل فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔ اس ہوٹل میں داخل ہونے کے لیے اس کے جسم پر اچھے کپڑے ہونا لازمی تھے' اور ایسی حالت میں ادھر ادھر دو ایک دن رہنا اور بھی مشکل کام تھا۔

اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ پہلے کچھ رقم پیدا کی جائے' پھر کسی سستے سے ہوٹل میں جا کر رہا جائے۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ ہونے کے بعد کم از کم ایک ہزار روپے

جیب میں رکھ کر ہی ہوٹل راج محل کے متعلق سوچا جا سکتا تھا۔

یہ سوچ کر وہ پیدل ہی ایک سڑک پر آگے بڑھتا گیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ کون سی سڑک ہے اور وہ کہاں جا رہا ہے لیکن وہ برابر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ کرافورڈ مارکیٹ تک آکر وہ ٹھہر گیا۔ اچانک کوئی اس کے پیروں سے لپٹنے لگا تھا۔ اس نے گھبرا کر نیچے دیکھا تو وہ ایک کالا کتا تھا جو اس کی طرف دیکھ کر اپنی دم ہلا رہا تھا اور اس سے گلے ملنے کے لیے اچھل رہا تھا۔

رستم اسے دھتکار کر آگے بڑھ گیا لیکن وہ کتا تو اس کے پیچھے ہی پڑ گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور اس سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے سڑک پار کر کے دوسرے فٹ پاتھ پر آگیا۔ وہاں بھی کتے نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ دم ہلاتا ہوا اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ رستم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔ "یہ کالیا تو مصیبت بن گیا ہے۔" یکایک وہ چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو کالیا بھی ٹھہر گیا تھا۔ اب اس نے اپنی دونوں پچھلی ٹانگوں کے درمیان اپنی دم دبا کر سر جھکا دیا تھا۔ رستم آگے بڑھ گیا اور کالیا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اچانک رستم نے دوڑنا شروع کر دیا۔ دوڑتے دوڑتے اس نے پلٹ کر دیکھا تو کالیا بھی اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر دوڑتا ہو آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر رستم پھر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ کالیا سے پیچھا چھڑانے کی کوئی ترکیب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی' مگر اچانک ہی وہ کچھ سوچ کر کرافورڈ مارکیٹ کے پہلے گیٹ کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ سبزیوں کی مارکیٹ کی پوری لائن پار کر کے اس نے سکون کا ایک گہرا سانس لیا لیکن جونہی وہ دوسری طرف کے دروازے سے باہر نکلا' اسے چکر آ گئے۔ سامنے ہی کالیا اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

اس کی یہ محنت بھی اکارت گئی تھی۔ کھڑے کھڑے وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ اسے اپنی داہنی جانب سے ایک بس آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ بس کرافورڈ مارکیٹ کے اسی گیٹ پر آکر رک گئی جہاں وہ کھڑا تھا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ بس میں سوار ہو گیا۔ جب بس چل پڑی تو اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ کالیا بھونکتا ہوا بس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

بھنڈی بازار کے اسٹاپ پر وہ بس سے اتر گیا۔ ایک جگہ کچھ لوگوں کی بھیڑ لگی

ہوئی دیکھ کر وہ بھی اسی طرف آگیا۔ اس نے بھیڑ میں جگہ بنا کر دیکھا کہ زمین پر چھوٹا سا تولیہ بچھا ہوا ہے جس پر تاش کے تین پتے الٹے پڑے ہیں۔ چھوٹے قد کا ایک کالی مونچھوں والا شخص تاش کے ان پتوں کے قریب بیٹھا آواز لگا رہا تھا۔ "ایک کے تین' ایک روپیا لگاؤ اور تین روپے کماؤ۔"

رستم دلچسپی سے ان تین پتوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ قسمت نے اگر ساتھ دیا تو وہ چند روپے کما سکتا ہے۔ ان تین پتوں میں ایک رانی تھی۔ مونچھوں والا شخص ان تینوں پتوں کو ہاتھ میں لے کر اچھی طرح ملا دیتا اور پھر بڑی صفائی سے انہیں الٹ کر نیچے رکھ دیتا۔ وہاں کھڑے ہوئے کچھ لوگ اپنی سمجھ کے مطابق ان تاش کے پتوں پر ایک روپیا لگا دیتے لیکن رانی کا پتا بہت کم لوگوں کے ہاتھ میں آتا تھا۔

اس مونچھ والے شخص نے ایک بار پھر تینوں پتوں کو اٹھا کر لوگوں کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو بھائیو! اچھی طرح دیکھو' ان تین پتوں میں ایک رانی ہے' جس کے نصیب میں رانی ہو گی اسے ایک کے تین اور دس کے تیس روپے ملیں گے۔" یہ کہہ کر اس نے بڑی پھرتی سے تینوں پتوں کو نیچے رکھ دیا۔ بھیڑ میں شامل' اس مونچھوں والے شخص کے تین چار ساتھی اور بھی تھے جو ہر ایک کے چہروں کو پڑھنے کی کوشش کیا کرتے۔ اگر انہیں اپنا کوئی شکار نظر آ جاتا تو وہ اس سے کہتے۔ "ارے یار! سوچتا کیا ہے؟ لگا دے اس تیسرے پتے پر۔" اتنے میں ان کا ایک دوسرا ساتھی دس کا نوٹ تیسرے پتے پر رکھ کر کہتا۔ "میں تو دس لگا رہا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی سیدھے سادے کچھ لوگ لالچ میں آکر پھنس جاتے اور تیسرے پتے پر ہی نوٹوں کا ڈھیر لگ جاتا۔ رستم نے اپنی جیب سے ایک روپیا نکالا اور اسے دوسرے نمبر کے پتے پر رکھ کر ذرا زور سے بولا۔ "میرا ایک روپیا!"

نیچے بیٹھے ہوئے مونچھوں والے شخص نے اس کی طرف دیکھا اور پھر وہ رستم کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ آہستہ آہستہ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں اب بھی رستم کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر بڑی مشکل سے وہ اتنا ہی کہہ سکا۔ "تم--- تم زندہ ہو؟"

اور اس کے ساتھ ہی وہ پیچھے دیکھے بغیر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے دوسرے ساتھی حیران نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا لیکن اتنا تو وہ سمجھ ہی چکے تھے کہ اب یہاں ٹھہرنا ان کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے لہٰذا وہ چپ چاپ وہاں سے کھسک گئے۔ دوسرے کھڑے ہوئے عام لوگوں نے رستم کو سی آئی ڈی کا آدمی سمجھا اور وہ بھی فوراً ہی وہاں سے ہٹتے چلے گئے۔ رستم اپنی جگہ پر کھڑا یہ سب کچھ بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے پیروں کے قریب تاش کے تین پتے الٹے ہوئے پڑے تھے۔ قریب ہی ٹین کا ایک ڈبا رکھا ہوا تھا۔ اس نے ٹین کے اس ڈبے کو اٹھا لیا۔ اس میں پینتالیس روپے پڑے ہوئے تھے۔ نوٹوں کو اپنی جیب میں رکھ کر اس نے ٹین کے ڈبے کو وہیں پھینک دیا۔

اب وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر کھڑی ہوئی ایک وکٹوریا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ماضی کی ان گنت کھوئی ہوئی کڑیوں میں سے ایک کڑی اسے مل گئی تھی۔ وہ اپنے متعلق سوچ رہا تھا۔ تو کیا وہ مر چکا ہے اور اب دوبارہ زندہ ہوا ہے۔ کم از کم اس مونچھوں والے شخص کی بات سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا۔ مگر وہ اسے دیکھ کر بھاگ کیوں گیا؟ اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"کہاں جانا ہے صاحب؟" وکٹوریا والے نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"کسی اچھے اور سستے سے ہوٹل میں۔" رستم بولا۔ "ہے کوئی ایسا ہوٹل؟"

"جی ہاں جناب!" وکٹوریا والا بولا۔ "انوری ہوٹل' رام بھروسے لاج' مغل دربار ہوٹل۔"

مغل دربار ہوٹل کا نام سن کر رستم چونک پڑا۔ اسے اپنے کان اس نام سے آشنا محسوس ہوئے۔ وہ وکٹوریا میں بیٹھ گیا اور اسے مغل دربار ہوٹل چلنے کے لیے کہا۔ وکٹوریا' کموٹی پورا کے علاقے کی طرف چل پڑی۔

کموٹی پورا شروع ہونے سے پہلے ہی وہ وہاں کی گندگی دیکھ کر سوچنے لگا' اف اس علاقے میں کتنی گھٹن ہے۔ یہاں ہر طرف لال نمبروں والے مکانات ہیں۔ یہاں تو ہر طرف ایک عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی ہے۔۔۔ لیکن یہ جگہ واقعی گندی جگہ ہے اور یہ علاقہ تو شہر کا بدنام علاقہ ہے؟ آخر اسے اس کا علم کیوں کر ہوا؟ کیا وہ پہلے کبھی

یہاں آ چکا ہے؟ اگر آ چکا ہے تو اس کا اس جگہ سے کیا تعلق ہے؟ لیکن ان سوالات کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں مگر جب تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی نظر سب سے پہلے سلاخوں والے مکانات پر پڑی۔ لوہے کی سلاخوں والے بڑے بڑے دروازوں کے اندر چند طوائفیں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس نے نگاہیں ہٹا کر دوسری طرف دیکھا۔ لال نمبروں والے مکانات کا سلسلہ دور دور تک نظر آ رہا تھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے جو کچھ سوچا تھا وہ بالکل درست ثابت ہو رہا تھا۔ یقیناً اس محلے کا تعلق اس کے ماضی سے تھا۔

وکٹوریا رکتے ہی وہ کرایہ ادا کر کے اتر پڑا۔ اس کے پاس کوئی سامان تو تھا نہیں۔ ڈاکٹر شاپور جی کے گھر سے چلتے وقت اس نے انہی کی ایک بہت پرانی پتلون پہن لی تھی۔ سفید قمیص کے اوپر اس پتلون کے دو ربربیلٹ اس کے شانوں سے سرک کر اس کی کمر کے پچھلے حصے پر پڑے جھول رہے تھے۔

مغل دربار ہوٹل میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے ایک میلی سی میز پر پڑی جس پر چند موٹے موٹے رجسٹر پڑے ہوئے تھے۔ میز کے پیچھے ایک اسٹول بھی پڑا تھا جس کا استعمال کرسی کی حیثیت سے کیا جاتا تھا لیکن اس وقت وہ خالی تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اتنے میں ہوٹل کا ایک لڑکا اس کی طرف آ گیا۔

"کوئی کمرہ خالی ہے؟" اس نے لڑکے سے پوچھا۔

"پورا کمرہ نہیں ملے گا۔" لڑکے نے کہا۔ "البتہ ایک چارپائی مل سکتی ہے۔"

لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس لڑکے کو کوئی جواب دیتا' اس کی نظر زینے پر سے اترتے ہوئے ایک ایرانی شخص پر پڑی۔ وہ ایرانی بھی اسے دیکھ چکا تھا اور اب وہ ہر زینے پر رک رک کر کچھ سوچتا ہوا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ لڑکا اب اپنی موجودگی کو یہاں ضروری نہ سمجھ کر آہستہ سے کھسک گیا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ ایرانی رستم کے قریب آ کر رک گیا۔

اس کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا۔ "تم۔۔۔؟"

رستم چوکنا ہو گیا اور گول مٹول ایرانی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے اطمینان سے بولا۔ "ہاں۔۔۔ میں!"

"میں نے تو سنا تھا کہ قبرستان میں سے کوئی مردہ لوٹ کر نہیں آتا۔"

"لیکن جو لوگ صرف جنازے کے ساتھ جاتے ہیں وہ ضرور واپس آتے ہیں۔"

رستم نے جواب دیا۔ اس کا جواب سن کر ایرانی میز کی طرف آکر مسکرایا۔

اس کی مسکراہٹ کا جواب بھی رستم نے مسکرا کر ہی دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ایرانی شخص بھی اس کے ماضی کا ایک کردار ہے۔ اس نے سوچا کہ تھوڑی سی کوشش کر کے وہ اپنے متعلق اس سے کچھ اگلوا سکتا ہے لیکن اس کے لیے ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ سیدھا سوال "میں کون ہوں" پوچھ کر وہ بے وقوف بننا نہیں چاہتا تھا۔

اس سے پہلے کہ رستم کچھ سوچتا' اس ایرانی نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد میز کی دراز کھولی اور پھر وہ اس میں سے دس دس کے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر گننے لگا۔ مطلوبہ رقم نکالنے کے بعد اس نے باقی روپے میز کی دراز میں واپس رکھ دیے اور بولا۔ "تین ہزار روپے ہیں گن لو۔"

رستم کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرائی۔ ایرانی سیٹھ اسے خودبخود تین ہزار روپے دے رہا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا اس ایرانی سیٹھ نے اس سے یہ رقم کبھی ادھار لی تھی؟ اس نے آہستہ آہستہ ان نوٹوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ ایرانی پھر بولا۔

"پچھلے چھ ماہ کا حساب برابر۔"

"چھ مہینے کا حساب؟ وہ دل ہی دل میں بولا۔ یعنی مہینے کا پانچ سو۔"

"تمہاری مہربانی ہے استاد!" ایرانی اسٹول پر بیٹھ کر اپنی کہنی میز پر ٹکاتے ہوئے بولا۔ "دوسروں سے تم ایک ہزار روپے فی ہفتہ لیتے ہو' یہ مجھے معلوم ہے۔"

"استاد—— ہفتہ——؟ یہ الفاظ ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ میں لگتے رہے۔ اب اسے کسی سستے ہوٹل یا کسی لاج میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب اس کی جیب میں تین ہزار سے کچھ زیادہ رقم تھی لہٰذا وہ آسانی سے فائیو اسٹار ہوٹل' راج محل میں جا سکتا تھا لیکن وہاں جانے سے پہلے اسے اپنا حلیہ درست کرنے کی ضرورت تھی۔

وہ مغل دربار ہوٹل سے باہر نکل آیا اور پیدل ہی ایک طرف چلنے لگا۔ سڑک ختم ہوتے ہی اسے ریڈی میڈ کپڑوں کی ایک دکان نظر آ گئی۔ یہ ایک ڈیپارٹمنٹل

اسٹور تھا۔ کاؤنٹر کے قریب آکر اس نے اپنے لیے کپڑوں کے دو جوڑے پسند کیے تو سلیز مین نے اسے ٹرائل روم جانے کے لیے کہا۔ ٹرائل روم ایک چھوٹے سے کیبن کی طرح تھا جس کی ایک دیوار پر ایک قد آدم شیشہ نصب تھا۔

کیبن کے اندر آکر اس نے اپنے جوکروں جیسے کپڑے اتار دیئے اور جینز کی نئی پتلون کے اوپر ہلکے زرد رنگ کی قمیص پہن لی۔ شیشے میں ایک عکس دیکھ کر اسے حیرت ہو رہی تھی۔ صرف لباس کی وجہ سے اس کا حلیہ کتنا بدل گیا تھا؟ اس کے سر کے بال گہرے سیاہ نہیں تھے بلکہ ان کی رنگت بھوری تھی۔ آنکھوں کی پتلیوں میں بھورا رنگ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بڑے غور سے شیشے میں اپنے عکس کو دیکھا اور پھر اس سے مخاطب ہو کر دھیمی آواز میں بولا۔ "اے مسٹر! تم کون ہو؟ تمہیں دیکھ کر لوگ کانپنے لگتے ہیں' بھاگ کھڑے ہوتے ہیں' کچھ لوگ تمہیں ہفتہ دیتے ہیں۔ آخر تمہارا نام کیا ہے استاد؟"

○

"آیئے مسٹر رام کمار——"

پہلی بار اس نے اپنا نام سنا تھا۔ اس کے حافظے میں کئی چہرے ابھرے اور اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ وہ کسی کو بھی پہچان نہیں سکا کیونکہ وہ سارے ہی چہرے اس کے لیے اجنبی تھے۔

ہوٹل راج محل کے کاؤنٹر کلرک کے سامنے وہ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی اٹیچی تھی۔ اس اٹیچی میں نئے کپڑوں کے ایک جوڑے کے ساتھ اس نے پرانے کپڑے بھی ٹھونس دیے تھے۔ لباس کے لحاظ سے وہ اس وقت کوئی سیاح دکھائی دے رہا تھا۔ اپنی کمر میں اس نے سانپ کے چمڑے کی خوب صورت پیٹی باندھ رکھی تھی اور پاؤں میں نئے جوتے بھی چمک رہے تھے۔

کاؤنٹر کلرک اس کی طرف رجسٹر سرکاتا ہوا بولا۔

"اس بار تو آپ کمرے کی چابی بھی ساتھ لے کر چلے گئے اور وہ بھی مہینوں کے لیے۔"

"جی۔۔۔جی۔" حال کی دنیا میں قدم رکھتے ہوئے وہ بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ سے مل کر نہیں جا سکا' ویسے آپ کی چابی سلامت ہے اور امید ہے میرا سامان بھی محفوظ ہو گا۔

"آف کورس۔" کاؤنٹر کلرک بولا۔ "یہ تو ہمارا فرض ہے جناب! آپ اپنا کمرہ جس حالت میں چھوڑ گئے تھے وہ آپ کو اسی حالت میں ملے گا البتہ اس کی صفائی ہوتی رہی ہے۔" اتنا کہہ کر اس نے رجسٹر کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ "ابھی تک آپ نے دستخط نہیں کیے۔"

جس الجھن کے متعلق اس نے سوچا بھی نہیں تھا' وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ رجسٹر پر چند خانے بنے ہوئے تھے۔۔۔ نام۔۔۔؟ کہاں سے آئے ہیں؟ پتا؟ وغیرہ وغیرہ مگر وہ تو ابھی تک اپنا نام ہی جان سکا تھا۔

"مسٹر کوارا!" کاؤنٹر پر رکھی ہوئی لکڑی کی تختی پر کاؤنٹر کلرک کا نام پڑھ کر وہ مسکراتا ہوا بولا۔ "ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ آپ کا کمرہ اسی حالت میں۔۔۔"

"آف کورس۔" کاؤنٹر کلرک درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ کر بولا اور قلم ہاتھ میں لے کر رجسٹر پر جھک گیا۔ خالی خانے پر ہونے لگے۔

پہلا خانہ نام۔۔۔؟ رام کمار۔ ایم۔

"کہاں سے آئے ہیں۔۔؟ یوپی۔"

"پتا۔۔۔؟ یوپی۔

کیا کرتے ہیں؟ کاروبار۔

"اب دستخط کر دیں۔" کاؤنٹر کلرک نے پھر رجسٹر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے قلم لے کر جلدی سے اپنا نام رام کمار ایم گھسیٹ دیا اور پھر قریب کھڑے ہوئے ایک روم بوائے نے اس کی اٹیچی اپنے ہاتھ میں لے لی جیسے ہی وہ روم بوائے کے پیچھے جانے کے لیے مڑا کاؤنٹر کلرک نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے لفافے کی طرف حیرت سے دیکھا اور بولا۔

"کس کا ہے؟" کاؤنٹر کلرک نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں آپ کے لیے کوئی پیغام ہے۔" کاؤنٹر کلرک چند لمحوں کے لیے رکا

اور پھر کہنے لگا۔ "یونائیٹڈ بینک کے مینجر صاحب کا فون تھا۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے تھے لیکن اس لفافے کو بھی آئے ہوئے تقریباً چھ ماہ ہو چکے ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ شکریہ۔" وہ لفافہ ہاتھ میں لے کر اس روم بوائے کے پیچھے لفٹ کے دروازے تک گیا۔ پھر اس نے روم بوائے کے ہاتھ سے اپنی اٹیچی لے کر اسے رخصت کر دیا۔ لفٹ ابھی تک اوپر ہی کہیں تھی۔ اس کے انتظار میں کھڑے کھڑے وہ سوچنے لگا۔ وہ یوپی کا رہنے والا ہے اور ایک کاروباری ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کسی کاروباری شخص کو دیکھ کر لوگ نہیں ڈرتے۔ کسی بزنس مین کو کوئی بھتا نہیں دیتا۔ آخر وہ کون سا کاروبار کرتا ہے؟ بلیک مارکٹنگ اور اسمگلنگ کرنے والے بھی تو اپنے آپ کو کاروباری کہتے ہیں۔۔۔ تو کیا وہ۔۔۔؟"

اس کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا کیونکہ لفٹ نیچے آچکی تھی۔ وہ لفٹ کے اندر داخل ہو گیا۔ لفٹ دھیرے دھیرے اوپر سرکنے لگی۔ دوسری منزل پر پہنچتے ہی لفٹ مین نے دروازہ کھول دیا۔ وہ باہر نکل کر اپنے کمرے کی سمت میں آگے بڑھ گیا۔ کمرے کی ہر چیز اسے جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ دیواروں کا رنگ' راہ داری میں بچھا ہوا قالین' اونچی چھت کے درمیان جھولتا ہوا فانوس' دیوار پر لگی ہوئی سو برس پرانی بمبئی شہر کی تصویر۔۔۔ وہ یہ سب کچھ دیکھتا ہوا اپنے کمرے کے دروازے پر رک گیا۔ چابی اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے چابی کو دروازے کے سوراخ میں ڈال کر گھمایا۔ یہ چابی اس کی قسمت کی چابی تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ اس سے اپنے ماضی کے بند دروازے کو کھول رہا ہے۔ اسی کمرے میں اس کا ماضی پوشیدہ ہے۔

دروازہ آہستہ آہستہ کھل گیا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ایک جانب شیشے کی ایک میز تھی جس پر سیاہ شیشے کا گل دان رکھا ہوا تھا۔ گدے دار دو کرسیوں کے علاوہ داہنی طرف رائٹنگ ٹیبل کے قریب ایک کرسی تھی۔ بائیں جانب دیوار کے بالکل درمیان ایک ڈبل بیڈ موجود تھا۔ ایک الماری تھی اور کھڑکی پر خوبصورت پردہ جھول رہا تھا۔

وہ آہستہ قدمی سے آگے بڑھا۔ رائٹنگ ٹیبل کے قریب آکر اس نے اٹیچی کیس نیچے رکھ دیا اور جھک کر میز کی ایک دراز کھولنے لگا۔ یہ دراز بالکل خالی تھی۔

اس نے تیزی سے دوسری دراز کو کھول کر دیکھا اس دراز میں ہوٹل کی انتظامیہ کی طرف سے رکھے ہوئے ایک بال پین اور چھوٹے سے لیٹر پیڈ کے سوا کچھ نہیں تھا۔

دراز بند کر کے وہ اٹھ گیا۔ اب اس کا ہاتھ الماری کے ہینڈل پر جما ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے ماضی کی کوئی ایک یاد اس میں ضرور ہو گی لیکن اس کی یہ امید بھی ٹوٹ گئی۔ الماری نیچے سے لے کر اوپر تک بالکل خالی پڑی تھی۔

"یہ کیا؟" اچانک اس کے منہ سے نکل گیا۔ "کیا وہ سامان کے بغیر ہی اس ہوٹل میں مقیم رہا ہے؟"

اس نے سوچا' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آخر کچھ نہ کچھ سامان تو اس کے ساتھ رہا ہو گا۔ کچھ سوچ کر اس نے انٹرکام پر کاؤنٹر کلرک سے رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے کاؤنٹر کلرک کی آواز سنائی دی۔ "لیس۔"

کاؤنٹر کلرک کی آواز سنتے ہی اس نے ساری تفصیل اسے بتا دی جسے سن کر کاؤنٹر کلرک حیرت سے بولا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر رام؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں' آپ خود آکر دیکھ سکتے ہیں۔ میرا سامان یہاں موجود نہیں ہے۔" رام نے جواب دیا۔

کاؤنٹر کلرک نے اوپر جانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور بولا۔ "حیرت ہے ہمارے ہوٹل میں تو آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ممکن ہے پچھلی بار آپ خالی ہاتھ ہی آئے ہوں؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے' پچھلے سال آپ دو مرتبہ بغیر سامان کے تشریف لائے تھے اور اسی طرح واپس چلے گئے تھے۔"

اس نے بے دلی سے ریسیور رکھ کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور اس نے ابھی تک ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔ بیرے کو چائے اور ناشتے کا آرڈر لکھوانے کے بعد اس نے آپریٹر سے یونائیٹڈ بینک کی لائن ملانے کے لیے کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ "ہیلو۔" ریسیور اٹھا کر وہ بولا۔ "مجھے منیجر صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"آپ کا نام؟" دوسری جانب سے آپریٹر نے پوچھا۔

"رام۔ ایم۔" اس نے اپنا نام بتایا۔ تھوڑی دیر بعد اسے ایک دوسری آواز

سنائی دی۔ "مسٹر رام کمار آپ بھی عجیب آدمی ہیں خود ہی فون کر کے کہتے ہیں کہ کاغذات تیار رکھنا اور پھر خود ہی غائب ہو جاتے ہیں' یہ دوسری بار ایسا ہوا ہے۔"

رام کچھ بھی نہیں سمجھا کہ منیجر کیا کہہ رہا ہے آخر وہ کیسے کاغذات ہیں؟ دوسری بار وہ چھ مہینے کے لیے گم ہو گیا تھا' یہ اس کی مجبوری تھی لیکن وہ پہلے بھی ایک بار غائب ہو چکا تھا مگر کہاں؟ اس بات کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

پھر اس نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے منیجر سے کہا۔ "اب اس بار ایسا نہیں ہو گا۔"

"میں بھی یہی امید رکھتا ہوں۔" دوسری طرف سے بینک منیجر کی سنجیدہ آواز اسے سنائی دی۔ "اب آپ کب آ رہے ہیں؟"

"آج ہی۔" وہ جلدی سے بولا۔

"ٹھیک ہے' لنچ سے پہلے آ جائیں۔" منیجر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

○

وہ جلدی سے ناشتا کر کے لفٹ کے ذریعے نیچے آ گیا۔ گراؤنڈ فلور پر آتے ہی اس کی نظر ایک پوسٹر پر پڑی۔ یہ پوسٹر ہوٹل میں ہونے والے رقص کے پروگرام سے متعلق تھا جو ردھم آف انڈیا نامی گروپ سات دنوں تک رقص کی مختلف شکلوں میں اس ہوٹل میں پیش کر رہا تھا۔ اس نے پوسٹر پر چھپی ہوئی تاریخ پڑھی تو معلوم ہوا کہ آج تیسرا دن ہے۔ یکایک اس نے ایک خوبصورت رقاصہ کو تیز تیز قدموں سے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ کاؤنٹر کے قریب آکر اس نے کاؤنٹر پر پڑے ہوئے ریسیور کو اٹھایا جسے کاؤنٹر کلرک نے شاید اسی کے لیے رکھا ہوا تھا۔

"ہیلو کلپنا" وہ شاید اپنی کسی سہیلی سے بات کر رہی تھی۔ "پھر فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے کہا نا کہ میں چھ بجے سے پہلے ضرور آ جاؤں گی۔" پھر کچھ دیر وہ دوسری طرف سے کہی جانے والی بات سنتی رہی اور بولی۔ "لیکن سوامی جی کی تقریر تو سات بجے شروع ہو گی--- نہیں نہیں--- کار بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور کاؤنٹر کلرک کا شکریہ ادا کرتی ہوئی جدھر سے آئی

تھی' ادھر ہی چلی گئی۔

رام' ہوٹل سے نکل کر بیرونی دروازے تک آیا۔ اسے دیکھتے ہی دروازے پر کھڑے ہوئے باوردی واچ مین نے وسل بجائی۔ وسل کی آواز سنتے ہی کچھ فاصلے پر قطار میں کھڑی ہوئی ٹیکسیوں میں سے آگے والی ٹیکسی نکل کر اس کے سامنے آکر رک گئی۔ دروازہ کھول کر وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور ٹیکسی چل پڑی۔ تیزی سے دوڑتی ہوئی ٹیکسی کے ساتھ اس کے خیالات بھی تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ کاغذات۔۔۔؟ کس معاہدے کے؟۔۔۔ مگر کیسا معاہدہ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ یہ راز تو اب بینک میں جا کر ہی کھلے گا۔

بینک کا دفتر پہلی منزل پر تھا۔ یونائیٹڈ بینک کی یہ مرکزی برانچ تھی۔ مینجر کے کیبن کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے چاروں طرف دیکھا۔ چھوٹے سے خوب صورت ہال میں شیشے کی چمکدار میزوں کے پیچھے صاف ستھرا اسٹاف اپنے' اپنے کام میں مصروف تھا۔ رام کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بھارت میں نہیں بلکہ یورپ کے کسی بینک میں آگیا ہو کیونکہ بینک کے اسٹاف میں کچھ چہرے غیر ملکی بھی تھے۔

وہ جیسے ہی مینجر کے کیبن میں داخل ہوا' مینجر نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرتے ہوئے اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ مینجر سے ہاتھ ملاتے وقت رام کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ کوئی معمولی پارٹی نہیں ہے۔ مینجر کا اشارہ پاتے ہی وہ سامنے والی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے آنے سے پہلے ہی مینجر نے سارا کام مکمل کر لیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اس کے سامنے ایک کارڈ رکھ دیا۔ اس کارڈ پر صرف ایک لفظ لکھا تھا۔ "دستخط" اور اس کے نیچے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پانچ لائنیں کھنچی ہوئی تھیں۔ رام کو اپنے دستخط کے پانچ نمونے دینے تھے۔

"مسٹر رام کمار!" مینجر اس کے بدلتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر بولا۔ "یہ دفتری کارروائی ہمیں کرنی ہی پڑتی ہے۔ ویسے ہم اچھی طرح آپ سے واقف ہیں۔"

رام کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک نئی الجھن میں گرفتار ہونے والا ہے۔ بینک کے پاس اس کے پہلے کے دستخط ضرور ہوں گے۔ اگر آج کے دستخط ان سے نہ ملے تو اور مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ مینجر کو اس پر شک بھی ہو سکتا ہے لہٰذا وہ کچھ سوچ

کر بولا۔

"دستخط کرنے سے قبل میں کاغذات دیکھ سکتا ہوں؟"

"ضرور ضرور۔" مینجر نے تین کاغذات اس کی طرف بڑھا دیے۔ وہ بڑے دھیان سے انہیں پڑھنے لگا۔ ہوٹل راج محل میں وہ اپنا نام تو جان ہی چکا تھا۔ رام کمار ایم یہ اس کا نام تھا لیکن "ایم" کا مطلب کیا ہے؟ یہ وہ نہیں سمجھ سکا۔ ان کاغذات کو پڑھتے ہی اسے اپنا پورا نام بھی معلوم ہو گیا۔ رام کمار مونگا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ لفظ "ایم" مونگا کا ہی پہلا حرف تھا۔ وہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا' اس کے سر پر ہتھوڑے برستے رہے۔ "تھری سولجرز اینڈ سن" نام کی کسی کمپنی نے یونائیٹڈ بینک کی غازی آباد برانچ کے ذریعے اس کے نام ایک لاکھ روپے بمبئی بھیجے تھے۔

"ایک لاکھ۔۔۔؟ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں مگر اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ مینجر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"کوئی غلطی ہے مسٹر رام کمار؟" مینجر نے پوچھا۔

"اوہ نو۔۔۔ نو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بال پین اٹھایا اور اس کارڈ پر سوچے سمجھے بغیر دستخط کرنے لگا۔ ایک بار' دوبار' تین بار۔۔۔

"بس بس شکریہ۔" مینجر نے چوتھی بار دستخط کرنے سے اسے روک دیا پھر اس نے میز کی دراز سے اس کے دستخط کا پرانا کارڈ نکال کر تازہ دستخط سے ملایا اور بولا۔ "ٹھیک ہے۔" ان دونوں کارڈز اور تینوں کاغذات کو دراز میں رکھ کر اس نے خاکی کاغذ کا ایک پھولا ہوا بڑا سا تھیلا نکالا اور اسے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "مہربانی کر کے چیک کر لیں' آپ کی ہدایت کے مطابق نقد رقم کے علاوہ پانچ پانچ ہزار کے بیرر چیک بھی ہیں جنھیں آپ ہمارے بینک کی کسی بھی شاخ سے کیش کرا سکتے ہیں۔"

یہ ہدایت اس نے بینک مینجر کو کب دی تھی؟ اسے قطعی یاد نہیں آیا۔ اس نے کاغذ کے اس بڑے لفافے کو کھول کر دیکھا۔ نقد رقم کے علاوہ چند چیک بھی موجود تھے۔ اس نے پانچ ہزار کا ایک بیرر چیک نکال کر مینجر کی طرف بڑھا دیا اور اس سے گزارش کی کہ وہ پانچ ہزار کی یہ رقم کسی طرح ڈاکٹر شاپور جی کو بھجوا دے۔ اس نے

بوڑھے ڈاکٹر شاپور جی کا پتا بھی لکھ کر منیجر کو دے دیا۔

بوڑھے ڈاکٹر شاپور جی نے اسے ایک نئی زندگی دی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے اسے زندہ رہنے کا حوصلہ بھی دیا تھا۔ رام زندگی بھر اس کا احسان نہیں بھول سکتا تھا۔ جب وہ بینک کی عمارت سے باہر نکلا تو اس کے دل میں ایک نیا جوش اور نیا ولولہ تھا۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے اور دماغ میں نوٹوں کی رنگینی ناچ رہی تھی۔ ٹیکسی کی تلاش میں وہ سرگرداں تھا کہ اچانک وہی کالا کتا ایک کار کے پیچھے سے نکل کر اس کی طرف جھپٹا۔ کالیا کے حملے سے بچنے کے لیے وہ دو قدم پیچھے ہٹا ہی تھا کہ اسی لمحے کہیں سے ایک گولی آکر اس کے سر کے قریب سے ہوتی ہوئی ایک عمارت کی دیوار میں دھنس گئی۔ وہ چونک پڑا۔ گولی یقیناً کسی ایسے ریوالور سے نکلی تھی جس پر سائیلنسر چڑھا ہوا تھا۔ اگر یہ کالیا اس پر نہ جھپٹا ہوتا اور وہ دو قدم پیچھے ہٹنے پر مجبور نہ ہوا ہوتا تو اس جگہ اس وقت اس کی لاش پڑی نظر آتی۔ دوسرے ہی پل اس نے چھلانگ لگائی اور ایک منی بس کی اوٹ میں چھپ گیا۔ یہ تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ کوئی اسے قتل کرنا چاہتا ہے، اس کی جان لینا چاہتا ہے لیکن کیوں؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس نے اسے لاجواب کر رکھا تھا۔

وہ کالا کتا جسے وہ کالیا کہا کرتا تھا، اب اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ محبت اور پیار کی بھوک اس کی آنکھوں میں صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ کالیا کی آنکھوں میں دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ کیا کالیا سے بھی ماضی میں اس کا کوئی تعلق رہا ہے؟ لیکن وہ نہیں جانتا تھا۔ ہر چیز اس کے سامنے تھی لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ سے کوسوں دور تھا۔

کالیا کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے وقت وہ سوچ رہا تھا کہ گولی ضرور اوپر سے چلائی گئی ہے۔ سامنے والی عمارت پر یقیناً قاتل گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔ منی بس کی اوٹ سے سامنے والی عمارت کو دیکھنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوئی لیکن خطرہ یہ تھا کہ اگر اس کا سر ذرا سا بھی اس کے قاتل کو نظر آ گیا تو اس کی کھوپڑی ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ اس کی نظر منی بس کے دوسری جانب لگے ہوئے اس شیشے پر پڑی جو عقب میں دیکھنے کے لیے تھا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اس وقت اس شیشے کا رخ ذرا ترچھا تھا

اور اس بلڈنگ کا عکس اس میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ یہ ایک چار منزلہ عمارت تھی۔ باہر کی طرف بہت سی کھڑکیاں اور بالکونیاں تھیں۔ کس کھڑکی کے پردوں کے پیچھے یا کس بالکونی کی جالی کے اندر کوئی اس کا نشانہ لیے بیٹھا ہے؟ یہ اندازہ لگانا آسان کام نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس منی بس کے پیچھے ایک ٹیکسی آکر رکی۔ ٹیکسی رکتے دیکھ کر رام کے چہرے پر ایک چمک آ گئی۔ یہاں سے نکل بھاگنے کا یہ ایک نادر موقع تھا۔ تھوڑا سا جھک کر اس نے ایک جست لگائی مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور گولی اس کی پیٹھ کے اوپر سے ہوتی ہوئی فٹ پاتھ سے ٹکرا گئی۔ ٹیکسی کا دروازہ کھول کر وہ جوں ہی اندر بیٹھنے لگا، دوسری طرف کے دروازے پر ڈرائیور اس کے سامنے آ گیا۔ اب وہ ڈرائیور کی آڑ میں تھا۔ "مجھے ٹیکسی کے قرض کی قسط ادا کرنی ہے، اگر آپ پندرہ منٹ انتظار کر سکتے ہوں تو اندر بیٹھ جائیں۔" رام کے کچھ کہنے سے قبل ہی ڈرائیور بول پڑا۔

پندرہ منٹ —— اس نے سوچا پندرہ منٹ میں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ قاتل اگر جنونی ہوا تو اپنی محفوظ جگہ سے نکل کر نیچے بھی آ سکتا ہے۔ نہیں یہ حماقت ہے، اس وقت تو ایک ایک منٹ قیمتی ہے۔ ڈرائیور کی اوٹ میں آگے بڑھ کر وہ دوبارہ اسی منی بس کے سائے میں آ گیا اور اس وقت منی بس اسٹارٹ ہو گئی جس وقت وہ ٹیکسی ڈرائیور سے باتیں کر رہا تھا شاید اسی وقت منی بس کا ڈرائیور اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ چکا تھا۔ اسے ایک اور موقع ملا تھا جسے وہ کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے پہلے کہ منی بس آگے بڑھے اچانک وہ دروازہ کھول کر ڈرائیور کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

ڈرائیور اس طرح اچانک ایک اجنبی کو دیکھ کر گھبرا گیا لیکن رام نے اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اپنی جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر وہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "معاف کرنا بھائی، ٹیکسی ڈرائیور جانے کے لیے تیار نہیں ہوا اور مجھے ایک ڈاکٹر کو لے کر فوراً گھر واپس آنا ہے۔ تم یہ روپے رکھ لو، مجھے بڑی جلدی ہے۔"

ڈرائیور نے للچائی ہوئی نظروں سے سو روپے کے نوٹ کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر

اسے لیتے ہوئے بولا۔ "کہاں جانا ہے آپ کو؟"

"اگر ہوٹل راج محل کے قریب چھوڑ دو تو بڑی مہربانی ہو گی۔" رام بولا۔

ڈرائیور نے کوئی جواب دیے بغیر منی بس تیزی سے آگے بڑھا دی۔ رام نے پلٹ کر دیکھا تو اس کا اندازہ درست نکلا۔ اس عمارت کے زینوں سے اتر کر اس کا قاتل اب سڑک پر آ چکا تھا مگر وہ وہیں کھڑا رہ گیا کیونکہ منی بس سیدھی چرچ گیٹ والی سڑک پر سے گزر کر میرین ڈرائیو کی طرف مڑنے لگی تھی۔ رام نے مڑتے مڑتے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا۔ کالیا کچھ دوری پر بھاگتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

○

ہوٹل راج محل—— اب رام کے لیے اس ہوٹل میں رہنا مناسب نہیں تھا کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ کوئی اس کے خون کا پیاسا ہے' لیکن وہ کون ہے؟ اور ایسا کیوں چاہتا ہے؟ یہ وہ نہیں جانتا تھا۔ بہرحال وہ جو کوئی بھی ہو اس کی ایک ایک حرکت سے باخبر ہے۔ اب اسے اپنا ٹھکانا بدلنے کی ضرورت تھی۔ کاؤنٹر کے قریب آکر اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا کلرک بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے اسے اپنا بل بنا کر کمرے میں بھیجنے کی تاکید کی اور لفٹ کے ذریعے اوپر آگیا۔ کمرے میں آکر اس نے جلدی جلدی اپنا مختصر سا سامان اپنے اٹیچی کیس میں رکھا اور ہوٹل کے بل کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحوں بعد ہوٹل کے کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب سے اسے چیف کلرک کواترا کی آواز سنائی دی۔

"مسٹر رام یہ کمرہ تو ایک سال کے لیے آپ کے نام پر بک ہے لہٰذا بل بھیجنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اوہ—— سوری۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا۔ کمرہ ایک سال کے لیے اس کے نام بک ہے' آخر کیوں؟ کیا اس نے خود ہی یہ کمرہ بک کیا تھا؟ لیکن اس "کیوں" کا جواب تلاش کرنے کے لیے فی الحال اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ اسے ہر حالت میں اس ہوٹل سے نکلنا تھا۔ وہ اٹیچی ہاتھ میں اٹھائے کمرے سے باہر آ گیا۔ لفٹ کا انتظار کرنا اس نے مناسب نہیں سمجھا۔ اب اس کے قدم زینوں کی

میں

طرف بڑھ رہے تھے۔

گراؤنڈ فلور کی بالکونی میں آتے ہی' اس کی نظر شیشے کے دروازے سے ہوتی ہوئی باہر سڑک پر پڑی جہاں ابھی ابھی ایک کار آکر رکی تھی۔ اس کار میں سے اس نے دو آدمیوں کو اترتے ہوئے دیکھا جن میں سے ایک کو وہ پہچان گیا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو اسے منی بس میں سوار ہوتے دیکھ کر اس چار منزلہ عمارت سے اتر کر تیزی سے سڑک پر آیا تھا۔ شاید اسی نے اس پر گولی بھی چلائی تھی' اس کا گول مول چہرہ وہ آسانی سے بھول نہیں سکتا تھا۔ خاص کر ہٹلر کٹ مونچھوں کو' جس کی وہ ایک ہی جھلک دیکھ سکا تھا اور پھر منی بس دوسری طرف مڑ گئی تھی۔

لیکن اس وقت وہ اسے صاف طور پر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں پر چاندی کے فریم کا ایک باریک چشمہ تھا۔ اس کے قد آور جسم پر سیاہ سوٹ اسے کچھ زیادہ ہی مضبوط اور چست بنا کر پیش کر رہا تھا۔

ہوٹل میں آج رقص کا ایک خاص پروگرام تھا جس کی وجہ سے ہوٹل کا عملہ کچھ زیادہ ہی مصروف نظر آ رہا تھا۔ اس پروگرام کو دیکھنے کے لیے عرب ڈیلی گیشن کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا جہاں ان کے لیے ڈنر کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ ہوٹل کی خاص بس ابھی چند منٹ قبل ہی ان سب مہمانوں کو لے کر آئی تھی۔ ہوٹل کی راہ داری اس وقت عرب مہمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس وقت رقص کا دوسرا شو دکھایا جا رہا تھا اور یہ لوگ تیسرے پروگرام کے لیے آئے تھے۔

رام نے دیکھا کہ وہ دونوں موت کے فرشتے اب ایک دوسرے سے الگ ہو کر مختلف سمتوں سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے اور رام کے درمیان عرب ڈیلی گیشن کے نمائندوں کی بھیڑ حائل تھی۔ پیچھے سرکتا ہوا رام اب لفٹ کے دروازے تک آ پہنچا تھا۔ یکایک لفٹ کا دروازہ کھل گیا اور اس میں سے وہی رقاصہ لڑکی باہر نکلی جس نے صبح کے وقت اپنی کسی سہیلی سے فون پر بات کی تھی۔ رام فوراً ہی اس کے قریب آکر بولا۔ "پلیز کیا آپ بتا سکیں گی کہ رقص کا یہ پروگرام کس ہال میں ہو رہا ہے؟"

"لیکن تم کون ہو؟" رقاصہ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایک پروموٹر ہوں' یورپ میں پروگرام آرگنائز کرتا ہوں۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو تم---؟" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں سریتا ہوں۔" رقاصہ لڑکی نے جواب دیا۔ وہ اس وقت جلدی میں تھی کیونکہ اپنے تیسرے اور آخری پروگرام پر اپنی جگہ اس نے ایک دوسری رقاصہ کو نامزد کر دیا تھا اور اس وقت وہ کہیں اور جانے کے موڈ میں تھی لیکن اس یورپ کے پروموٹر کو دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی۔ ایسا شان دار موقع کوئی بھی رقاصہ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لہٰذا وہ بولی۔ "گو کہ اس وقت میں ذرا جلدی میں ہوں لیکن پھر بھی میں تمہیں اپنے گروپ لیڈر سے ملوا دیتی ہوں۔ آؤ---"

رام بھی یہی چاہتا تھا یہ لڑکی یقیناً کچھ دنوں سے اپنے گروپ کے ساتھ اس ہوٹل میں مقیم تھی اور اب تک وہ ہوٹل کے اسٹیج ہال پر پروگرام بھی پیش کرتی رہی تھی۔ اس لیے وہ ضرور اس خفیہ راستے سے واقف ہو گی جو صرف آرٹسٹوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ رام کو یہ بھی یقین تھا کہ اسٹیج کے پیچھے ایک اور دروازہ بھی ضرور ہو گا تاکہ پبلک کی نظر سے بچ کر آرٹسٹ اطمینان سے باہر نکل سکیں' اور وہ لڑکی کی انہی معلومات سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ اسٹیج کے پچھلے دروازے تک پہنچ کر ہوٹل سے باہر نکل جائے۔

سیاہ سوٹ میں ملبوس وہ دونوں خطرناک آدمی عرب ڈیلی گیشن والوں کی بھیڑ میں سے راستہ بناتے ہوئے اب آدھی راہ داری تک آ چکے تھے۔ اچانک اس بھیڑ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ہال کے اندر ہونے والا دوسرا پروگرام ختم ہو گیا تھا' اس لیے لوگ اندر سے نکل کر اسی راہ داری کے ذریعے باہر جانے لگے تھے۔ جس راستے پر رام سریتا کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اب اسی راستے پر تیسرا پروگرام دیکھنے کے لیے آنے والوں کی بھیڑ بڑھنے لگی تھی' البتہ ان دونوں بھیڑوں کے لوگ مختلف تھے۔ دوسرا شو دیکھ کر نکلنے والے زیادہ تر لوگ یورپین تھے' جب کہ تیسرے شو کے لیے عرب اور ایرانیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ رام ہوشیار رہنے کی غرض سے بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا۔ سریتا کو اس کی یہ بات کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔

"کیا تمہارا کوئی واقف کار آنے والا ہے؟" سریتا نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے

ہوئے آخر پوچھ ہی لیا۔

"نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے سریتا کا ہاتھ اپنے ایک ہاتھ میں لے لیا اور بولا۔ "رقص میں لوگوں کی اتنی دلچسپی میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

سریتا نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور بولی۔ "یہ تو کرائے کی اور زبردستی کی بھیڑ ہے۔ ان لوگوں کو رقص اور آرٹ سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ یہ تو دعوت پر آئے ہیں۔"

رام جلدی جلدی قدم اٹھا رہا تھا جیسے موت اس کا پیچھا کر رہی ہو۔ اس نے سریتا کا ہاتھ پھر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا تاکہ وہ پیچھے نہ رہ جائے لیکن سریتا نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور اپنی آواز میں کسی قدر سختی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "پلیز!"

ان دونوں کے پیچھے عرب ڈیلی گیشن کی بھیڑ بھی داخل ہوئی۔ اسٹیج پر اس وقت روشنی نہیں تھی لیکن ہال اچھی طرح روشن تھا اور اس روشنی میں رام آسانی سے ان لوگوں کی نگاہوں میں آ سکتا تھا۔

داہنی جانب اسٹیج پر جانے کے لیے ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ سریتا نے وہی دروازہ کھولا اور رام نے ایک بار پھر پلٹ کر ہال میں بکھرے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ ابھی تک سیاہ سوٹ والے دونوں شخص ہال کے اندر نہیں آئے تھے۔ وہ جھٹ اندر داخل ہو گیا۔ سریتا آگے تھی۔ رام نے بڑی پھرتی سے اپنے پیچھے بند ہوتے ہوئے دروازے کی کنڈی لگا دی۔ یہاں خاصا اندھیرا تھا لیکن سریتا سے اس کی یہ حرکت چھپی نہ رہ سکی۔ وہ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "دروازے کی کنڈی کیوں بند کر دی؟"

اب اسے شک ہو گیا تھا کہ جس شخص کے ساتھ وہ یہاں آئی ہے' وہ کچھ عجیب سا لگ رہا ہے لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کے متعلق کچھ اور سوچتی' رام اٹیچی کیس اپنے پیروں کے پاس رکھ کر بولا۔ "دیکھو لڑکی! میں کوئی پروموٹر نہیں ہوں۔ اس وقت میرے پیچھے دو آدمی لگے ہوئے ہیں جو میری جان لینا چاہتے ہیں اور میں ان کی نگاہوں سے چھپ کر اس ہوٹل سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ تم میری مدد کرو گی تو میں باہر

نکل کر تمہیں آزاد کر دوں گا۔ نہیں تو۔۔۔" اس نے اندھیرے میں دو انگلیاں سختی سے سریتا کے پیٹ میں گڑا دیں۔ سریتا اندھیرے میں اس کی انگلیوں کو پستول کی نال سمجھ کر ڈر گئی۔ رام کہہ رہا تھا۔۔۔ "نہیں تو ایک ہی گولی تمہارے پاؤں پر ماروں گا اور تم ہمیشہ کے لیے تھرکنا بھول جاؤ گی۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں۔۔۔ میں سمجھ گئی۔" سریتا بوکھلا کر بولی۔

"دوسری بات!" رام اچانک ہی کچھ سوچ کر بولا۔ "اندر تمہارے گروپ کی لڑکیاں تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر ضرور پوچھیں گی بتاؤ تم ان سے کیا کہو گی؟"

"کیا کہوں؟" سریتا نے الٹا اسی سے پوچھا۔

"یہی جو میں نے پہلے تمہیں بتایا تھا کہ میں پروموٹر ہوں اور تمہارے ساتھ یورپ کے لیے پروگرام طے کرنے آیا ہوں۔" رام بولا۔

"ٹھیک ہے' میں یہی کہوں گی۔" سریتا بولی۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تیسری بات۔" رام کی آواز سخت تھی لیکن وہ دھیمے لہجے میں ہی کہہ رہا تھا۔ "اس اندھیرے میں بھی میں دیکھ سکتا ہوں کہ تمہارے چہرے پر خوف چھایا ہوا ہے۔ مسکراؤ۔ یہاں میں تمہارا خون بہانے نہیں آیا ہوں بلکہ اپنی جان بچانے آیا ہوں۔۔۔ سمجھیں۔"

"سمجھ گئی۔" سریتا نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور اس کی اس کوشش سے جیسے رام مطمئن ہو گیا ہو۔ اس نے اپنی دونوں انگلیاں اس کے پیٹ پر سے ہٹا لیں اور اپنا ہاتھ پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا۔

"اب آگے بڑھو!" اس نے آخری وارننگ دیتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ مت بھولنا کہ پستول میرے ہاتھ میں ہے اور میرا ہاتھ میری جیب کے اندر ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے اٹیچی کو اپنے بائیں ہاتھ میں اٹھا لیا۔ سریتا آگے آگے چل رہی تھی۔ چند قدموں تک چلنے کے بعد دونوں آگے پیچھے اس اندھیرے' تنگ راستے سے نکل کر گرین روم تک آگئے اور ٹھیک اسی وقت اسٹیج کا پردہ کھل گیا۔ ہال کی روشنی بجھائی جا چکی تھی۔ اناؤنسمنٹ ختم ہوتے ہی پروگرام شروع ہو گیا۔ کوئی رقاصہ اسٹیج پر آکر عربی موسیقی کی دھن پر تھرکنے لگی تھی۔ دوسری لڑکیاں اپنی باری کے انتظار میں گرین روم کے باہر اور اندر کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ گرین روم کے اندر ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھیں۔

رام جیسے ہی سریتا کے ساتھ گرین روم میں داخل ہوا' ٹھیک اسی وقت اندر بیٹھی ہوئی دونوں لڑکیاں گرین روم سے باہر آ رہی تھیں۔ سریتا کو دیکھ کر وہ مسکراتی ہوئی نکل گئیں۔ گرین روم اب بالکل خالی تھا۔ رام نے ادھر ادھر دیکھ کر سریتا سے پوچھا۔ "تمہارا سامان کہاں ہے؟"

سریتا نے ایک طرف رکھے ہوئے اپنے سوٹ کیس کی جانب اشارہ کیا تو رام بولا۔ "میری اٹیچی کیس اپنے سوٹ کیس پر رکھ دو۔" پھر وہ دیوار پر لگے ہوئے بڑے سے شیشے میں اپنے سر کے بالوں کو دیکھ کر انہیں بکھیرنے لگا۔ سریتا نے اس کا حکم ماننے میں دیر نہیں لگائی۔ اتنی دیر میں رام اپنے بالوں کو اپنی پیشانی پر گرا چکا تھا۔ پھر وہ آئی برو پنسل اٹھا کر اپنے چہرے پر پتلی پتلی مونچھیں بنانے لگا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر کسی کا سن گلاس پڑا ہوا دیکھ کر اس نے اسے اٹھا لیا اور اپنی آنکھوں پر لگا کر شیشے میں اپنا عکس دیکھنے لگا۔ اس کا حلیہ بڑی حد تک بدل چکا تھا۔

سریتا کا ہاتھ پکڑ کر وہ گرین روم سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ وہ رقاصہ جو ابھی ابھی اسٹیج پر عربی رقص پیش کر رہی تھی' اپنا پروگرام ختم کر کے گرین روم کے اندر آ گئی۔۔۔

"ارے!" سریتا کو دیکھ کر وہ بولی۔۔۔ "تم تو ابھی تک یہیں ہو؟"

"ہاں ہاں" سریتا کانپتی آواز میں بولی۔

"تم نے تو کہا تھا کہ تم سوامی جی کا لیکچر سننے جا رہی ہو؟" یہ کہہ کر اس رقاصہ نے رام کی طرف دیکھا۔ رام جلدی سے سریتا کو دیکھنے لگا اور سریتا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی پیٹھ پر کسی نے زوردار گھونسا مار دیا ہو کیوں کہ الفاظ اس کے ہونٹوں سے پھسل کر اچانک ہی باہر آگئے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "یہ صاحب یورپ میں پروگرام پروموٹ کرتے ہیں۔ میں انہیں اپنے پروگراموں کی ایک جھلک دکھانے لائی ہوں۔"

وہ رقاصہ مسکرا کر اپنا میک اپ اتارنے لگی۔ رام نے خاموشی سے سریتا کو اشارہ کیا اور سریتا اس کا اشارہ سمجھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دو قد

بھارتی رقص تھا جس کے متعلق کوئی اناؤنسر لڑکی مائیک پر سامعین کو بتا رہی تھی۔

رام، سریتا کے ساتھ ایک ونگ میں سے داخل ہوا اور اسی وقت اسٹیج کا پردہ دوبارہ سرکنے لگا۔ اسٹیج پر اس وقت بہت زیادہ روشنی نہیں تھی۔ ہال میں مکمل اندھیرا تھا مگر اس کے باوجود بازی چھپی نہ رہ سکی۔ ایک کونے سے نکل کر دوسرے کونے تک جانے کے لیے وہ جیسے ہی کھلے ہوئے اسٹیج پر سے سریتا کا ہاتھ پکڑ کر گزرا، ہال میں بیٹھے ہوئے ان دونوں آدمیوں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور ٹھیک اسی لمحے رام نے سریتا کو دھکا دیا۔ سریتا اس کی اس حرکت کا مطلب سمجھ بھی نہیں پائی تھی کہ رام نے بھی چھلانگ لگا دی۔ "کھٹ۔۔۔ کھٹ" سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے دو گولیاں چلیں لیکن رام دوسرے کنارے کے ونگ میں داخل ہو چکا تھا۔

وہ دونوں سیاہ سوٹ والے اب لپکتے ہوئے عقبی دروازے تک آ گئے تھے۔ اسٹیج کا یہ پچھلا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اچانک ہٹلر ٹائپ مونچھوں والے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا۔۔۔ "راکیش! تم راہ داری سے پچھلے دروازے پر آ جاؤ۔"

"لیکن وہاں تو قادر موجود ہے۔" راکیش نے جواب دیا۔

"بحث مت کرو!" ہٹلر ٹائپ مونچھوں والا بولا۔ "میں اس دروازے کو کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے دروازے پر ایک ٹکر ماری۔

سریتا کو ساتھ لے کر رام پچھلے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ سریتا کی نازک کلائی پر اب بھی اس کی سخت گرفت تھی۔ یہ گرفت اتنی سخت تھی کہ سریتا اسے برداشت نہ کر سکی اور بولی۔۔۔ "پلیز! میرا ہاتھ چھوڑ دو، اب اس دروازے سے تم باہر نکل سکتے ہو۔"

"اور تم؟" رام نے پوچھا۔

"تم نے ہی تو کہا تھا کہ باہر نکل کر تم مجھے آزاد کر دو گے۔" وہ بولی۔

"لیکن ابھی میں باہر نہیں نکلا ہوں۔" رام بولا۔ "اور ابھی مجھے تمہاری ضرورت ہے چپ چاپ میرے ساتھ تمہیں ٹیکسی تک چلنا ہے۔"

سریتا خاموش ہو گئی۔ رام جیسے ہی باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر راکیش پر پڑی جو بڑی تیزی سے اسی طرف آ رہا تھا۔ راکیش کی شکل بھی ہٹلر ٹائپ مونچھوں والے

شخص سے مشابہ تھی۔ دونوں جڑواں بھائیوں کی طرح لگ رہے تھے لیکن اس کے چہرے پر مونچھیں نہیں تھیں اور نہ ہی اس نے چاندی کے فریم والا چشمہ پہن رکھا تھا۔

راکیش اب سفید رنگ کی سوزوکی وین کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا جو قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ وین میں ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اور شخص موجود تھا۔ راکیش نے شاید اس سے کچھ پوچھا تھا، جس کے جواب میں اس شخص نے انکار میں گردن ہلائی تھی۔ رام اب بھی دروازے کے اندر سے جھانک رہا تھا۔ راکیش آہستہ آہستہ اب دروازے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ اسے کچھ شک ہو گیا تھا۔ کوٹ کی جیب سے اپنا پستول نکال کر اس نے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر رام سریتا کے ساتھ دو قدم پیچھے ہٹ کر دروازے کی اوٹ میں ہو گیا۔ راکیش آہستہ آہستہ اندر داخل ہوا لیکن اچانک ہی جیسے اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ گردن پر پڑنے والا ہاتھ اتنا ہی سخت تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ لڑھک کر گر پڑے رام نے اسے سنبھال لیا اور اس کا پستول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ راکیش ایک ہی وار میں ادھ موا ہو گیا تھا۔ رام نے اسے کسی کٹھ پتلی کی طرح کھڑا کیا ہوا تھا۔ اب اس کی اوٹ میں آگے بڑھنے میں ہی اس کی سلامتی تھی۔ راکیش آگے تھا اور رام پیچھے لیکن ایک ہاتھ سے اس نے سریتا کی کلائی بھی تھام رکھی تھی۔ سفید رنگ کی سوزوکی وین میں بیٹھا ہوا شخص راکیش کو کٹھ پتلی کی طرح اکڑ کر چلتا ہوا دیکھ کر حیران ہو گیا۔ وہ جھٹ باہر آ کر کھڑا ہو گیا لیکن رام نے اسے حالات کو سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ قریب پہنچ کر اس نے راکیش کو اس پر دھکیل دیا۔ وہ راکیش کو سنبھالنے لگا اور اسی وقت رام اس پر ٹوٹ پڑا۔ رام کے دو ہاتھ پڑتے ہی وہ بھی دھول چاٹنے پر مجبور ہو گیا۔

رام نے پلٹ کر دیکھا سریتا موقع پا کر بھاگ نکلی تھی۔ وہ اسٹیج کے اسی پچھلے دروازے کی طرف بھاگ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر رام نے جست لگائی۔ سریتا دروازے کے اندر داخل ہو چکی تھی لیکن وہ آگے نہیں جا سکی۔ رام چھلانگ لگا کر اسے دبوچ چکا تھا۔ "اب نادانی کرو گی تو جان سے جاؤ گی۔" رام سانپ کی طرح پھنکار کر بولا۔

"اس کی آواز سن کر سریتا خوف سے کانپنے لگی مگر وہ کچھ بولی نہیں رام نے پھر اس کی

کلائی پکڑ لی تھی اور اب وہ پھر اسی طرف بڑھ رہا تھا جہاں راکیش اور اس کا ساتھی پڑے تھے اور اب اٹھنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھے۔ رام نے قریب آکر دونوں کی پسلیوں پر اپنے جوتے کی زوردار ٹھوکر لگائی۔ وہ تڑپے اور بے ہوش ہوگئے۔

رام نے جلدی سے سفید سوزوکی وین کا دروازہ کھولا اور سریتا کو ڈرائیونگ سٹ پر دھکیل کر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وین اسٹارٹ ہو کر اب آگے بڑھ رہی تھی۔ سریتا کی آنکھوں میں آنسو صاف دکھائی دے رہے تھے جنھیں وہ پلکوں پر ہی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کچھ دور سیدھی سڑک پر چلنے کے بعد اس نے رام سے پوچھا۔ کہاں جانا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" رام بولا۔

"مگر اس وین کو میں کہاں روکوں؟" اس نے پوچھا۔

"ابھی چلتی رہو۔" رام بولا۔ "جہاں اشارہ کروں رک جانا۔"

سوزوکی وین چکنی سڑک پر پھسلتی ہوئی سانتا کروز سے کھار کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور رام نے ابھی تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ صبح ناشتا کر کے وہ بینک میں گیا تھا اور یہ بھاگ دوڑ اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی۔ اس کی یہ بھاگ دوڑ کب اور کہاں ختم ہو گی؟ یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

اس وقت تک سریتا نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے وہ ڈرائیونگ کرتی رہی اور پھر بولی۔ "تم نے کہا تھا کہ باہر نکل کر تم مجھے چھوڑ دو گے لیکن اب میں پوچھتی ہوں مجھے تم کب چھوڑو گے؟"

"جب مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہے گی تب!" رام بولا۔

"لیکن---" وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ رام اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اس وقت مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ اس شہر کی سڑکوں اور گلیوں سے تم واقف ہو، تم ڈرائیونگ کرنا بھی جانتی ہو اور تمہارے پاس کار چلانے کا لائسنس بھی ہو گا۔"

"میرے پاس لائسنس نہیں ہے۔" وہ اسٹیئرنگ اپنے قابو میں رکھتے ہوئے بولی۔

"میں نہیں مان سکتا۔" وہ بولا۔

"میں بمبئی کی رہنے والی نہیں ہوں۔" سریتا بولی۔

"پھر؟"

"میں دہلی کی ہوں۔" وہ بولی۔ "اور اپنے گروپ کے ساتھ صرف آٹھ روز کے لیے یہاں آئی ہوں۔ پلیز اب مجھے جانے دو۔ میری ایک سہیلی میرا انتظار کر رہی ہو گی، آج شام کا پروگرام میں نے اسی کے ساتھ بنایا ہے۔"

"بھول جاؤ اپنی سہیلی کو۔" رام بولا۔ "اس شہر میں ابھی مجھے اور کام کرنے ہیں لیکن پہلے تمہیں اس وین کو بدلنا ہو گا۔"

سریتا یہ سن کر پھر خاموش ہو گئی اور بے دلی سے ڈرائیونگ کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد رام بولا۔ "یہ وین ان خطرناک لوگوں کی ہے جو مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس وقت ہم ان کی اس وین میں سفر کر رہے ہیں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ وہ قاتل کون ہے؟ اور ان کی تعداد کتنی ہے؟ اور وہ میرے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ کوئی گروہ میری جان کا خواہاں ہے۔"

شد گرو ہال کی عمارت دیکھ کر رام نے دور سے اشارہ کیا تو سریتا نے وین کی رفتار دھیمی کر دی اور ہال کے پارکنگ کے پاس آکر اس نے وین کھڑی کر دی۔ شدھ گرو ہال مذہبی اور تعلیمی تقریروں کے استعمال کے لیے وقف تھا اور مذہبی تقریروں کو سننے کے لیے دور دور سے لوگ یہاں آتے تھے۔ اس لیے پارکنگ پر کھڑی ہوئی کاروں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی دھیمی روشنی میں رام، پارکنگ میں کھڑی ہوئی کاروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد اس وین سے نجات حاصل کر لینا چاہتا تھا۔

اچانک بیٹھے بیٹھے سریتا کو خیال آیا کہ وہ اپنی سہیلی کلپنا کے ساتھ اسی ہال میں ہی تو آنے والی تھی کیوں کہ آج یہاں سوامی جی کی تقریر تھی اور وہ انہیں سننا چاہتی تھی، اسی لیے اس نے اپنا رقص کا پروگرام بھی چھوڑا تھا۔ اسے سوامی جی سے بڑی عقیدت تھی۔ سوامی جی کی تقریروں میں ایسا جادو ہوتا تھا کہ جو کوئی سنتا ان کا گرویدہ ہو کر رہ جاتا، لیکن سوامی جی کی آج کی تقریر سننا اسے ناممکن نظر آ رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد ایک اور کار آکر ان کی وین سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ یہ

سریتا کی سہیلی کلپنا کی کار تھی جسے دیکھ کر سریتا سب کچھ بھول کر یک لخت اس وین سے باہر نکلنے لگی تو رام نے پھر اس کی کلائی پر اپنی انگلیوں کی گرفت مضبوط کر دی۔ سریتا مجبور ہو کر چپ چاپ دیکھتی ہی رہ گئی مگر وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی کہ کاش کلپنا کی اس پر نظر پڑ جائے اور وہ آکر اسے اپنے ساتھ لے جائے لیکن اس کی یہ خواہش صرف خواہش ہی بن کر رہ گئی کیوں کہ اس کی سہیلی کلپنا اپنی کار سے نکل کر تیزی سے ہال کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ سوامی جی کی تقریر شروع ہو چکی تھی۔

"کون تھی یہ لڑکی!؟" رام اس کے اداس چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہی تھی میری سہیلی کلپنا۔ تمہیں بتایا تو تھا۔" وہ بولی۔

"خوبصورت تھی۔" رام بولا۔ "میرا خیال ہے اسی کی کار۔۔۔"

"کیا مطلب؟" سریتا چونک کر بولی۔

لیکن اس کا جواب دینے کی بجائے وہ اپنی بات یاد دلاتے ہوئے بولا۔

"سریتا میں تمہارا خون کرنا نہیں چاہتا کیوں کہ تمہاری موت سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہو گا مگر اتنا ضرور یاد رکھنا کہ اگر تم نے مجھے موت کے منہ میں دھکیلنے کی کوشش کی تو ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر میں تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔ امید ہے ایسا کرنے پر تم مجھے مجبور نہیں کرو گی۔"

یہ کہہ کر وہ اکیلا ہی وین کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا اور جھک کر چلتا ہوا کلپنا کی کار تک پہنچا۔ کار کے چاروں دروازے لاک تھے۔ اس نے ایک بار پھر دروازے کے ہینڈل گھمائے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کچھ سوچ کر اس نے اپنی آنکھوں پر لگے ہوئے سن گلاس کو اتارا' اس کے دونوں شیشے اس نے الگ کر کے اسٹیل کے فریم پر لگے ہوئے پلاسٹک کو بھی کھرچ ڈالا۔ کار کا لاک کھولنے کے لیے اسے تار کی ضرورت تھی اور اسٹیل کا تار اسے مل گیا تھا۔

کار کا دروازہ آسانی سے کھل گیا۔ اس نے وین میں بیٹھی ہوئی سریتا کو اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ وین سے اتر کر کلپنا کی کار میں آکر بیٹھ گئی۔ اب ایک بار پھر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی کار چلا رہی تھی۔ کار اب لنکنگ روڈ کی طرف بھاگی

جا رہی تھی۔ "ایک بات کہوں؟" سریتا نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے خاموشی کو توڑا۔

"ضرور کہو۔" رام بولا۔

"آج رات کا کھانا بھی مجھے کلپنا کے ساتھ ہی کھانا تھا' اگر میں وہاں بھی نہ پہنچی تو۔۔۔" وہ چپ ہو گئی۔

"شاید تم اپنی سہیلی کے آنے سے پہلے ہی اس کے گھر میں ہو گی۔" رام نے جواب دیا۔

"مگر میں کس طرح یقین کروں؟" وہ دبی سی آواز میں بولی۔

"تو نہ کرو یقین۔۔۔" رام بولا اور رام کا جواب سن کر وہ بجھ سی گئی۔

"کار روکو۔" اچانک رام بولا۔

"یہاں؟" وہ بولی۔

"ہاں۔"

"لیکن یہاں کس لئے؟" سریتا نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

اس کا یہ جواب سن کر سریتا کو کچھ حیرت ہوئی اور اس بار تو اس نے کہہ ہی دیا۔ "میں جب بھی کچھ پوچھتی ہوں تو تم یہی جواب دیتے ہو کہ مجھے نہیں معلوم۔ اگر تمہیں نہیں معلوم تو کار یہاں کیوں رکوائی؟"

"اس گلی میں ایک چائنیز ریسٹورنٹ ہونا چاہیے۔"

رام بولا۔

"ہاں ہے۔" وہ گلی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اور اس ریسٹورنٹ میں پہلے بھی آ چکا ہوں۔" رام نے کہا لیکن سریتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"سمجھیں۔" وہ پھر بولا۔ "اب ہم ریسٹورنٹ میں جا رہے ہیں مگر تمہارے چہرے پر پھر اداسی نظر آ رہی ہے۔"

"تو۔۔۔؟"

"اب تم میری بیوی ہو۔" رام آہستہ سے بولا۔

"کیا؟" سریتا اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"میرا مطلب ہے کہ تمہیں میری بیوی ہونے کا رول ادا کرنا ہے۔" رام نے اسے سمجھایا۔ "تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہونی چاہیے' اور میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر تمہیں اندر داخل ہونا ہے' باقی میں دیکھ لوں گا۔"

سریتا نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور اس کے ساتھ کار سے باہر نکل آئی۔ اس نے رام کی ہدایت کے مطابق اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسکراتی ہوئی قدم آگے بڑھانے لگی۔

قندیل کی مدھم روشنی میں ہال روم کی کرسیوں کے درمیانی راستے سے ہوتے ہوئے وہ ایک کیبن کے قریب آگئے۔

"لیڈیز فرسٹ۔" رام نے آہستہ سے شیشے کا دروازہ کھولا۔ سریتا اندر داخل ہو گئی۔ اس کے پیچھے رام بھی اندر آگیا۔ دونوں کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ ان کے درمیان ایک میز حائل تھی جس پر ایک موی شمع جل رہی تھی۔ اس کی روشنی میں دونوں کے چہرے پیلے نظر آ رہے تھے۔ اس موی شمع کی روشنی کے علاوہ اس جگہ اور کوئی روشنی نہیں تھی۔

"کہو کیا کھانا ہے؟" میز پر رکھے ہوئے مینو کارڈ کو وہ اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں۔" سریتا نے بے رخی سے جواب دیا۔

کیبن کے بائیں جانب کھڑکی تھی جس میں جالی لگی ہوئی تھی۔ سریتا اس کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" رام دھیرے سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے اور اس وقت تو تم میری سات پشتوں پر احسان کر رہی ہو لہٰذا مجھے بھی تو اپنا فرض نبھانا ہے۔"

سریتا نے جھٹکے سے اپنا چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں اس کی عقل بار بار اس سے سوال کر رہی تھی کہ اس کے سامنے بیٹھا ہوا یہ عجیب و غریب شخص قاتل ہے؟ ڈاکو ہے؟ یا پھر' تھری ان ون؟ اپنے دشمنوں کو وہ ایک ہی ہاتھ میں

زمین چاٹنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ عجب اکھڑی اکھڑی سی باتیں کرتا اور کبھی بڑی محبت سے پیش آتا۔ کیا یہ کوئی پاگل شخص ہے؟ اس نے سوچا لیکن جو کچھ بھی ہو اس نے ابھی تک اس کے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں کی تھی اور یہی بات اس کے لئے سب سے اہم تھی۔

"جو چاہے منگا لو۔" آخر اس نے جواب دے ہی دیا۔

رام نے نگاہیں اٹھا کر شیشے کے دروازے کے باہر دیکھا۔ اس نے ایک چہرے کو اسی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک چینی شخص کا چہرہ تھا۔ اس کا قد نکلتا ہوا نہیں تھا مگر جچ رہا تھا۔ اس نے سفید پتلون اور سفید قمیص پہن رکھی تھی جب کہ گلے میں بلیو رنگ کی ٹائی جھول رہی تھی۔ یہ چہرہ رام کو کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا مگر اسے یاد نہیں آ سکا کہ یہ کون ہے؟ البتہ اس چینی شخص نے اسے پہچان لیا تھا۔

رام نے جلدی سے پھونک مار کر اس موی شمع کو بجھا دیا۔

"سریتا!" اس سے پہلے کہ وہ چینی شخص کیبن کے دروازے تک آ جاتا' وہ دھیرے سے بولا۔ "ایک آدمی اس طرف آ رہا ہے' میں نہیں چاہتا کہ تم اس کی نظر میں آ جاؤ تم اپنا چہرہ چھپا لو تو بہتر رہے گا۔"

سریتا نے اپنے چہرے کو کھڑکی کے بالکل قریب کر لیا اور باہر دیکھنے لگی۔ اب صرف اس کی پیٹھ ہی دیکھنے والے کو نظر آ سکتی تھی۔

وہ چینی کیبن میں داخل ہوا اور چند لمحوں تک رام کا چہرہ دھندلی روشنی میں دیکھنے لگا۔ پھر اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں پل پل رنگ بدلنے لگیں۔ وہ بڑی سرد سی آواز میں بولا۔ "یہاں کیوں آئے ہو؟" رام اس کے اس سنجیدہ سوال کا جواب دیتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

"کیوں کہ یہاں کا کھانا اچھا ہوتا ہے۔"

"کیا تمہارے سینے میں دل نام کی کوئی چیز نہیں ہے؟" وہ چینی بدستور سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "میں بال بچے دار آدمی ہوں۔ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ میرا قصور صرف یہی ہے کہ میں نے تمہاری مدد کی تھی۔"

"نہیں۔" رام نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے گول مول سا جواب دیا۔

"تو کیا تمہیں شک ہے کہ میں نے وہ لفافہ کھولا تھا؟" چینی بولا۔

"یہ تو تم ہی بتا سکتے ہو۔" رام نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"اپنے بچوں کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں کہ وہ لفافہ بند تھا۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے اندر کتنے ہزار روپے تھے۔" چینی نے کہا۔

"لیکن تم کانپ کیوں رہے ہو؟" رام نے پوچھا۔

"میں غریب آدمی بے کار کی مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔" وہ چینی اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے بولا۔ "مجھ پر یقین کرو شنکر لال نے سیل بند لفافہ میرے حوالے کیا تھا اور میں نے دوسرے ہی دن وہ تمہارے سپرد کر دیا تھا۔"

اس بار رام نے سیدھا ہی سوال کر دیا۔ "وہ روپے کس کے لیے تھے؟"

"تم شاید مذاق کر رہے ہو۔" اس چینی کو ذرا حیرت سی ہوئی۔ جواب دینے کی اسے کوئی ضرورت نہیں تھی مگر پھر بھی وہ کہنے لگا۔ "تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں کہ چھ مہینے قبل کس کا قتل ہوا تھا؟ خدا گواہ ہے کہ تمہارا یہ راز میں نے اپنے تک ہی محدود رکھا ہے۔ رہ گئی شنکر لال کی بات تو وہ تم جانو۔"

رام کی کھوپڑی میں جیسے ہتھوڑے سے برسنے لگے اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے سر پر بم رکھ کر اسے آگ دکھا دی ہو۔ ابھی تک وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ کسی کو قتل کرنے کے لیے اسے ہزاروں روپے دیے گئے تھے۔ پھر بھی یہ سچ تھا کیوں کہ اس چینی کو جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

○

پولیس ڈپٹی کمشنر گوتم بورا ذہنی طور پر آج کچھ منتشر سا تھا۔ اس پریشانی کی بہت سی وجوہ تھیں۔ کئی مہینوں بعد آج اس نے آدھے دن کی چھٹی کے متعلق سوچا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ آج اس نے اپنی بہن کلپنا کے ساتھ ڈنر پر کسی کو مدعو کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کلپنا اس آنے والے نوجوان مہمان کے ذرا قریب آجائے تاکہ وہ اس کی شادی اس نوجوان سے کر سکے۔ وہ نوجوان پولیس ہی کے محکمے میں ملازمت کرتا تھا۔ لونا والا میں اپنی تربیت مکمل کر کے وہ کچھ دن پہلے ہی اس شہر میں آیا تھا۔ اس کے کام کرنے کا ایک مختلف انداز تھا۔ اپنی بہت سی خصوصیات کی بناء پر گوتم کو یہ لڑکا بہت پسند آیا تھا۔

اس نوجوان کا نام ہری لال تھا۔ ہری لال ایک فیشن ایبل اور خوب صورت نوجوان تھا۔ اس کے محکمے کا ہر آدمی اسے ہری کہہ کر مخاطب کرتا لیکن بہت سے لوگ تو اس کی پرکشش شخصیت کے باعث اسے انگریزی نام "ہیری" سے مخاطب کرتے تھے۔

گوتم نصف دن کی رخصت لے کر دو بجے ہی گھر آگیا تھا۔ شام کو ہری کے آنے سے قبل ہی کلپنا سوامی جی کی تقریر سننے چلی گئی اور لوگوں کی طرح اسے بھی سوامی جی سے بڑی عقیدت تھی۔ بہت سے تو لاکٹ میں ان کی تصویر لگا کر اپنے گلے میں ڈالے پھرتے تھے۔

ہری ٹھیک وقت پر آگیا تھا اور گوتم کلپنا کے انتظار میں بیٹھا اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری جانب سے ڈیسک آفیسر کہہ رہا تھا۔ "سوری سر! میں آپ کو ڈسٹرب کر

رہا ہوں لیکن کیا کروں! اچانک کمشنر صاحب آگئے ہیں اور آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

"اوہ!" گوتم نے منہ بنا کر ریسیور رکھ دیا اور پھر پانچ منٹ بعد ہی وہ دفتر جانے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

"ہری!" جانے سے پہلے وہ ہری لال سے بولا۔ "میں کوشش کروں گا کہ ڈنر سے قبل لوٹ آؤں۔ اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم کلپنا کے ساتھ کھانا کھالینا۔"

"لیکن جناب!" ہری کہنا چاہ رہا تھا کہ کلپنا کے ساتھ تو اس کا تعارف بھی نہیں ہوا ہے مگر اس وقت تک گوتم کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔

گوتم بورا جب اپنے دفتر میں داخل ہوا تو وہاں کمشنر صاحب کے ساتھ تین چار چیف انسپکٹر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھی ان میں شامل ہوگیا۔ کمشنر صاحب اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ "گوتم! رام کی فائل تو تمہارے پاس ہوگی ہی!"

"ہاں ہاں ... کیوں؟" گوتم پوچھ بیٹھا۔

"چھ مہینے بعد وہ آج پھر شہر میں دکھائی دیا ہے۔" کمشنر صاحب نے کہا۔

گوتم کچھ دیر تک انہیں دیکھتا رہا' پھر بولا۔ "لیکن پچھلی اطلاع کے مطابق تو اسے قتل کیا جا چکا ہے۔"

"ہاں' مگر یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس کی لاش نہیں ملی تھی۔"

"تو کیا یہ محض افواہ تھی؟" گوتم نے پوچھا۔

"ممکن ہے یہ اسی کا کوئی پلان ہو۔" کمشنر صاحب نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "بعض مجرم اپنی طرف سے پولیس کی توجہ ہٹانے کے لئے اس قسم کی چال چلتے ہیں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ وہ اپنی چال میں کامیاب رہا ہے کیونکہ اس کے قتل کی اطلاع ملتے ہی ہم نے اس کی گرفتاری کی کوشش ترک کر دی تھی۔ خیر' اس معاملے پر بحث کرنا اب بے کار ہے۔ آج سے رام کے کیس کو سب سے زیادہ اہم کیس قرار دیا جانا ہے۔ کسی بھی قیمت پر اسے پولیس کی گرفت میں آنا ہے اور جلد سے جلد!"

کمشنر کے جاتے ہی گوتم میز پر گھونسا مار کر بولا۔ "ڈیم اٹ! رام کے کیس میں جو بدنامی میری ہوئی ہے وہ کسی اور کیس میں آج تک نہیں ہوئی۔" اتنا کہہ کر وہ دوسرے انسپکٹروں کی طرف دیکھنے لگا۔

○

سریتا اچھل پڑی۔ اس چینی کی بات سن کر بری طرح چونک اٹھی تھی۔ تو کیا رام کرائے کا قاتل تھا؟ اور چھ مہینے قبل کسی مشہور شخص کو قتل کرنے کے لئے اسے ہزاروں روپے دیئے گئے تھے؟

اس نے یاد کرنے کی کوشش کی ...... چھ ماہ قبل کس مشہور شخص کو قتل کیا گیا تھا؟ یکایک اسے اخباروں کی بہت ساری سرخیاں یاد آتی چلی گئیں۔ اور پھر ایک سرخی کے یاد آتے ہی اس کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ "ریلوے وزیر شری براج کو کسی نے قتل کروایا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر خوف کی زردی پھیل گئی۔

"رام!" کچھ دیر بعد وہ بولی۔ "پلیز! اب مجھے واپس جانے دو۔"

"نہیں۔" رام اسے کار میں دھکیلتے ہوئے بولا۔ "ابھی تمہیں کچھ دیر اور میرے ساتھ رہنا ہوگا۔"

"تو تمہارے کچھ اور راز میں جان جاؤں گی ..... اور میں نہیں چاہتی کہ تمہاری نجی زندگی میں ...." بات ادھوری چھوڑ کر وہ ذرا دیر کے لئے رکی اور پھر آہستہ سے بولی۔ "اس وقت تک میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے وہ کسی سے بھی نہیں کہوں گی' پولیس سے بھی نہیں۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے؟" رام بولا۔

"میں .... میں ... وعدہ کرتی ہوں۔" سریتا ہول کر رہ گئی۔

"وعدہ تو میں نے بھی کیا تھا۔" رام بولا۔ "لیکن میں نے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ تم بھی ایسا کر سکتی ہو۔ چلو اب کار اسٹارٹ کرو۔"

سریتا کو مجبوراً اس کی بات ماننی پڑی۔ اس چینی شخص سے رام نے شنکر لال کا پتا لے لیا تھا۔ شنکر لال پالی ہل پر واقع ایک نو تعمیر عمارت میں رہتا تھا۔ یہ چار منزلہ عمارت تھی جس کی چوتھی منزل پر شنکر لال کا قیام تھا۔ کار' پالی ہل کی طرف دوڑتی چلی جا رہی تھی۔

"رام!" سریتا نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "تم جانتے ہو' گوتم بورا کون ہے؟"

"کون ہے؟" اس نے بے پروائی سے پوچھا۔

"وہ میری سہیلی کا بھائی ہے۔" سریتا بولی۔

"تو پھر؟"

"وہ ڈپٹی کمشنر آف پولیس ہے۔" سریتا اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی لیکن رام اس کی بات سن کر مسکرانے لگا اور پھر یکایک قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"تم واقعی بہت گھبرا گئی ہو۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اور یہ ہونا بھی چاہیے مگر اب میں زیادہ دیر تمہیں نہیں روکوں گا۔ شنکر لال سے مل کر میں مغل دربار ہوٹل میں چلا جاؤں گا اور تم اپنی سہیلی کے گھر چلی جانا۔"

"اور تمہارے اس راز کا کیا ہوگا؟" سریتا نے پوچھا۔

"کون سا راز؟" رام نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی جو میں جان گئی ہوں۔"

"اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔" رام بے نیازی سے بولا۔ "شنکر لال سے ملنے کے بعد مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہے گی۔ میں خود ہی اپنے راستے پر آگے بڑھ جاؤں گا۔ پھر شاید میں تمہیں نظر بھی نہ آؤں۔ ممکن ہے میں یہ شہر ہی چھوڑ دوں۔ اگر تم میرے متعلق کسی کو کچھ بتاؤ گی بھی تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ اس وقت تک میں محفوظ ہو جاؤں گا۔ لیکن شنکر لال سے ملاقات تک تمہیں میرے ساتھ رہنا ہوگا۔"

ہل ویو کی عمارت نظر آتے ہی سریتا نے اشارہ کیا۔ اس وقت رات کے ساڑے نو بجے تھے۔ پالی ہل کی یہ سڑک سنسان پڑی تھی۔ عمارت کے فلیٹوں میں سے کچھ میں بتیاں جل رہی تھیں' کسی فلیٹ میں اسٹریو پوری آواز سے بج رہا تھا جس کی وجہ سے انگریزی میوزک کا بے ہنگم شور دور دور تک سنائی دے رہا تھا۔ رام کار سے اتر کر سریتا کا ہاتھ پکڑے ہوئے سیدھا گیٹ کے اندر داخل ہوگیا۔ خود کار لفٹ خالی پڑی تھی۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ سریتا اس کے ساتھ ہی تھا۔

لفٹ اب آہستہ آہستہ اوپر کی طرف اٹھ رہی تھی اور وہ سریتا سے کہہ رہا تھا۔" سنو سریتا! فلیٹ کی گھنٹی بجا کر میں دروازے کے پیچھے کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"ہوں۔" وہ بولی۔ "پھر؟"

"دروازہ آسانی سے نہیں کھلے گا۔" رام زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"کیا مطلب؟" سریتا چونک کر اسے گھورنے لگی۔

"پہلے بند دروازے کے پیچھے سے پوچھا جائے گا کہ تم کون ہو؟"

"تو میں کیا جواب دوں؟" سریتا نے پوچھا۔

"کہنا کہ شنکر لال کے لئے ایک پیغام ہے۔" رام نے سمجھایا۔

"لیکن کس کا پیغام؟" سریتا نے سوال کیا۔

"چائنیز ریستوراں کے لی وانگ کا۔" رام بولا۔

لفٹ کے رکتے ہی وہ باہر آئے۔ دائیں ہاتھ پر ایک دروازہ تھا۔ رام نے سریتا کو ایک طرف کھڑا کر دیا تاکہ دروازہ کھولنے والے کو سب سے پہلے سریتا کا چہرہ دکھائی دے۔ سریتا کی طرف دیکھ کر اس نے آہستہ سے کہا۔ "ریڈی!"

سریتا تیار ہی تھی۔ رام گھنٹی پر انگلی رکھ کر فوراً ہی دوسری طرف سرک گیا۔ گھنٹی کی آواز پر اندر سے کسی کتے کے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں اور پھر ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"ایک پیغام ہے۔" سریتا نے باہر سے جواب دیا۔

"کس کا؟" دروازے کے پیچھے سے پھر وہی بھاری آواز آئی۔

"لی وانگ کا۔" سریتا بولی۔

اندر کئی لمحوں تک خاموشی چھائی رہی' پھر وہی آواز سنائی دی۔ "لی وانگ سے کہہ دو کہ وہ مجھ سے فون پر بات کرلے۔"

یہ سن کر رام کو یوں لگا جیسے اس کی ساری محنت رائیگاں جائے گی مگر سریتا فوراً بول اٹھی۔ "یہ پیغام ٹیلی فون پر دینا مناسب نہیں ہے۔"

اندر پھر خاموشی چھا گئی مگر دوسرے ہی پل وہی بھاری آواز گونجی۔ "ٹھہرو!"

شنکر لال اپاہج تھا۔ اس کا ایک پاؤں اس کے گھٹنے پر سے کٹا ہوا تھا۔ گھر پر اپنا زیادہ تر وقت وہ وھیل چیئر پر بیٹھ کر گزارتا تھا تاکہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آسانی کے ساتھ آجاسکے۔ اس کے ساتھ اس فلیٹ میں ایک کتے کے علاوہ اس کا ایک وفادار نوکر بھی تھا۔ نوکر صبح آٹھ بجے سے رات نو بجے تک اس کے فلیٹ میں رہتا تھا اور اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ نوکر کا کمرہ پانچ کمروں اور ایک لمبی بالکونی کے بعد آتا تھا جہاں شاید اس وقت وہ پڑا سو رہا ہوگا۔

شنکر لال نے اپنی کرسی کو بائیں جانب کی دیوار کے قریب کھسکایا اور دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی۔ بٹن کے دبتے ہی دروازہ آپ ہی آپ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی رام سریتا کا ہاتھ پکڑ کر بڑی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ ان دونوں کے اندر آتے ہی شنکر لال کا کتا ایک بار پھر بھونکنے لگا۔

شنکر لال پھٹی پھٹی آنکھوں سے رام کو دیکھ رہا تھا۔ کتے کی زنجیر اس نے میز کے پائے سے باندھ رکھی تھی۔ یہ شکاری کتا تھا۔ کتے کا جبڑا کافی چوڑا اور بڑا دکھائی دے رہا تھا۔

سریتا نہیں چاہتی تھی کہ وہ رام کی زندگی کے مزید رازوں سے واقف ہو جائے۔ رام کے متعلق انجان بنے رہنا ہی اس کے لئے بہتر تھا۔ ویسے بھی یہاں اس کی موجودگی ضروری نہیں تھی۔ یہ سوچ کر وہ چپ چاپ ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔ رام کو بھی اس کی یہ بات مناسب لگی تھی۔

"اب تم کس لیے آئے ہو؟" شنکر لال بھاری آواز میں بولا۔

"تمہاری یاد ستا رہی تھی۔" رام نے دھیرے سے جواب دیا۔

"تم جانتے ہو کہ تمہاری وجہ سے میں کتنے خطرے میں پڑا ہوں۔" شنکر لال بولا۔ "میں نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔"

"اس کے عوض تمہیں اچھی خاصی رقم مل چکی ہے۔" رام اسے یاد دلاتا ہوا بولا۔

"رقم..... جان کی قیمت نہیں ہوسکتی رام!"

"اچھی خبر ہے۔" رام آگے بڑھتا ہوا بولا۔" اب یہ بتاؤ کہ لی وانگ کو میرے لئے تم نے جو لفافہ دیا تھا وہ تمہارے پاس کہاں سے آیا تھا؟"

"تمہی نے تو یہ انتظام کیا تھا کہ وہ لفافہ تمہیں ڈاک سے مل جائے گا۔" شنکر لال اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "تم ہی ٹیلی فون پر کسی پارٹی کے ساتھ سودا کرتے تھے اور اسے میرا پتا دیتے تھے۔ اس طرح تم تو محفوظ رہتے تھے اور میری جان عذاب میں پھنسی رہتی تھی لیکن وہ دن اب پورے ہوگئے۔ اب تم چلے جاؤ یہاں سے!"

"چلا جاؤں گا۔" رام اطمینان سے بولا۔ "لیکن ابھی مجھے چند اور سوالات کرنے ہیں۔"

"آخر تم جاننا کیا چاہتے ہو؟" شنکر لال بولا۔

"لفافہ لی وانگ کے ہاتھ میں آنے سے پہلے کس نے کھولا تھا؟" رام نے اندھیرے میں تیر چلاتے ہوئے کہا۔

"جھوٹ! بالکل جھوٹ!" شنکر لال کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ "لفافہ مہر بند تھا۔"

"اگر ایسا ہوتا تو روپے کم نہ ہوتے۔" رام بولا۔

"یہ ناممکن ہے۔" شنکر لال نے جھٹکے سے اپنی کرسی میز کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔" اگر ایسا ہوتا تو تم سودا رد کرچکے ہوتے .... لیکن نہیں! تم نے وہ سودا منظور کرلیا تھا اور ریلوے وزیر شری بزاج کو قتل کر دیا تھا۔ اس بات کا ثبوت پولیس کو بھی مل چکا ہے۔ اخباروں نے اس کیس کو بہت زیادہ اچھالا تھا ..... اور تم یہ بھی سن لو کہ پولیس تمہاری تلاش میں لگی ہوئی ہے۔"

رام کے بدن میں جیسے آگ سی بھڑکنے لگی۔ اس کے دماغ کی رگیں چٹخنے لگی تھیں۔ ماضی کا لاوا ابل پڑا تھا' جوالا مکھی پھٹ پڑا تھا' اس کی آنکھوں کے سامنے بہت سے مناظر گھومنے لگے تھے لیکن کچھ بھی صاف نہیں تھا' کوئی چہرہ بھی اسے مانوس نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دھندلاہٹ سی چھائی ہوئی تھی۔

پھر دھیرے دھیرے یہ دھند چھٹنے لگی اور رام نے دیکھا کہ شنکر لال کے ہاتھوں میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ ریوالور کوئی شعلہ اگلتا' رام نے اپنے سامنے پڑی ہوئی

چھوٹی سی تپائی پر ایک زور دار لات ماری۔ تپائی اچھلی اور اسی کے ساتھ ایک دھماکا ہوا۔ ریوالور کی گولی تپائی کی لکڑی میں دھنس گئی تھی۔ جس کے زور سے تپائی کتے کے سر پر جا لگی۔ چوٹ لگتے ہی کتا بری طرح بھونکنے لگا۔ اس سے پہلے کہ شنکر لال دوسری گولی چلاتا' رام اپنی جگہ سے چھلانگ لگا کر ایک بڑے صوفے کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ کتا اب زنجیر سے آزاد ہونے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

ساتھ والے کمرے میں سریتا کا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔ گولی کی آواز سنتے ہی وہ بے ساختہ اچھل پڑی تھی۔ اب تک وہ ایک کرسی پر خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی مگر اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کمرے سے باہر نکلنا چاہیے یا نہیں؟

نشانہ خالی جاتے دیکھ کر شنکر لال گھبرا گیا۔ اسے اس بات کا پچھتاوا بھی ہوا لیکن ابھی وہ ناامید نہیں ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کتے کی زنجیر کھول دی۔ کتا آزاد ہوتے ہی چیتے کی طرح اچھلا اور زنجیر سمیت اس صوفے پر سے ہوتا ہوا رام پر ٹوٹ پڑا۔

رام اس ناگہانی آفت کے لئے پہلے ہی تیار تھا۔ اس نے فورا" ہی کتے کا منہ اپنے سخت پنجے میں دبوچ لیا۔ کتا اپنا پورا زور لگا کر اس کے چہرے کو نوچنے کی کوشش کر رہا تھا اور رام اس کی زنجیر کو اپنے بائیں ہاتھ سے اسی کی گردن میں لپیٹتا جا رہا تھا۔ آخر میں اس نے دونوں ہاتھوں سے زنجیر کے دونوں سروں کو کھینچنا شروع کر دیا۔ کتے کی گردن پھنستی چلی گئی اور پھر اس کی زبان کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی ابل پڑیں۔

شنکر لال کے پسینے چھوٹنے لگے۔ اس کی یہ کوشش بھی بے کار گئی تھی۔ اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ رام کے ہاتھوں سے نکل کر بھاگنا اس ایک ٹانگ والے آدمی کے لئے آسان نہیں تھا۔ ریوالور کو اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ کر اس نے وھیل چیئر کو ایک جانب گھمایا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ بالکونی تک پہنچ جائے تو زندہ رہنے کا ایک موقع اور مل سکتا ہے' نہیں تو موت اب اٹل ہے۔

رام نے صوفے کے پیچھے سے جھانک کر وھیل چیئر کو بالکونی کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس نے سر آگے بڑھا کر بالکونی کی طرف دیکھنا چاہا اور اسی وقت دوسرا

دھماکا ہوا۔ رام فورا" ہی جھک گیا۔ گولی صوفے پر سے ہوتی ہوئی سامنے کی دیوار پر لگے ہوئے ایک فوٹو فریم میں دھنس گئی اور فریم کا شیشہ چور چور ہو کر فرش پر بکھر گیا۔

شنکر لال بالکونی کے سرے تک پہنچ چکا تھا۔ اب وہ اپنے ایک پیر پر کھڑا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ابھی کچھ دیر تک رام اپنا سر اونچا کرنے کی ہمت نہیں کرے گا اور وہ اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر بالکونی سے کود جانا چاہتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور اب بھی دبا ہوا تھا مگر وہ اسے استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بالکونی کی دیوار پر ٹیک دیا اور جھٹکا دے کر اپنے جسم کو اوپر اٹھالیا۔

ٹھیک اسی وقت رام صوفے کے پیچھے سے نکل کر اس کی طرف جھپٹا۔ اسے دیکھتے ہی شنکر لال بوکھلا گیا۔ دیوار پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہوگئی اور پھر ایک بھیانک چیخ کے ساتھ وہ چوتھی منزل سے نیچے کمپاؤنڈ میں آگرا۔

عمارت کا چوکیدار چیخ سن کر کہیں دور سے بھاگتا ہوا آیا۔ اور شنکر لال کی خون میں لت پت لاش دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اسے ان شہری لوگوں سے نفرت سی ہوگئی تھی۔ ان لوگوں کو صرف اپنی ہی پڑی رہتی ہے۔ جس وقت چوتھی منزل پر پہلا دھماکا ہوا تھا۔ اس وقت اس عمارت میں رہنے والوں نے اپنے اپنے فلیٹوں کی کھڑکیاں بند کرلی تھیں اور اب شنکر کی لاش کے پاس اس چوکیدار کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

رام کے لئے اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ جلد سے جلد نکل جانے میں ہی اس کی اور سریتا کی بھلائی تھی۔ سریتا کا خیال آتے ہی وہ دوسرے کمرے کی طرف بھاگا مگر سریتا وہاں موجود نہیں تھی۔ رام ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے دو کمرے اور دیکھ ڈالے اور پھر وہ بے اختیار چونک پڑا۔ سریتا غائب ہو چکی تھی۔ تو کیا وہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی؟ اس نے سوچا..... مگر کس طرح؟

رام نے اس سوال پر مزید سر کھپانا فضول سمجھا اور اگلے ہی لمحے فلیٹ سے باہر آگیا۔

○

پالی ہل کی سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں لیکن اس سناٹے کی کوئی وجہ نہیں

تھی۔ سورج غروب ہوتے ہی یہاں کی اکثر سڑکیں سنسان ہو جایا کرتی تھیں۔ لوگوں کی چہل پہل بھی اس علاقے میں برائے نام ہی تھی۔ بس کبھی کبھار کوئی اکا دکا گاڑی گزر جاتی اور پھر پہلے کی طرح سناٹا چھا جاتا۔

سریتا بھاگتی ہوئی امبٹکو روڈ تک آئی تھی۔ یہاں سے وہ بس کے ذریعے گھاٹ بندر روڈ یا باندرہ کے ریلوے اسٹیشن تک جاسکتی تھی لیکن قسمت نے آج اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ بس اسٹاپ تک پہنچتی' آخری بس اس کی آنکھوں کے سامنے سے دھول اڑاتی ہوئی گزر گئی۔

سریتا کچھ دور تک بس کے پیچھے بھاگی لیکن پھر رک کر تیز تیز قدموں سے لنکنگ روڈ کی طرف بڑھنے لگی۔ عین اسی وقت ہٹلر ٹائپ مونچھوں والے شخص کی کار لنکنگ روڈ پر مڑی۔ اس کے ساتھ اس وقت تین آدمی اور بھی تھے۔

"ریگا!" اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے شخص کے گلے سے بندر جیسی آواز نکلی اور پچھلی سیٹ پر موجود ہٹلر ٹائپ مونچھوں والے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے بدرو؟" اس نے پوچھا۔ غالباً" اسی کا نام ریگا تھا۔ "وہ ...... وہ دیکھو ...... وہی لڑکی۔" بدرو ایک ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہی لڑکی رام کے ساتھ تھی۔ وہ دیکھو..... وہ لفٹ کے لئے اشارہ دے رہی ہے۔"

ریگا نے کھڑکی سے باہر دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس کی ناک پر جما ہوا چاندی کے فریم والا چشمہ سرک کر نیچے آگیا۔ اس نے ایک انگلی کی مدد سے اسے دوبارہ اپنی ناک پر جمایا۔ کار اب سریتا کے بالکل قریب آکر رک گئی تھی۔

"جلدی سے پولیس اسٹیشن لے چلئے۔" سریتا اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ایک خون ہوگیا ہے اور میں قاتل کے ہاتھ سے بڑی مشکل سے نکل کر بھاگی ہوں۔"

"ہمیں پتا ہے۔" پچھلی سیٹ سے ریگا نے کہا۔

سریتا نے پلٹ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ریگا کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ "تت ..... تم!" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! ممکن ہے تم نے مجھے ہوٹل راج محل میں دیکھا ہو۔" ریگا بولا۔

"ہم سی آئی ڈی کے آدمی ہیں۔ جس شخص نے تمہیں اغوا کیا تھا ہم اسی کی تلاش میں صبح سے بھٹک رہے ہیں۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ قتل کہاں ہوا ہے اور قاتل اس وقت کہاں ہے؟"

"اسے پالی ہل پر کسی جگہ ہونا چاہیے۔" سریتا نے کہا۔ "شنکر لال نامی ایک اپاہج شخص کو اس نے قتل کر دیا ہے۔"

یہ سنتے ہی بدرو نے کار اسٹارٹ کر دی مگر اب کار کا رخ پالی ہل کی طرف تھا۔ اچانک سریتا کو خیال آیا کہ اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ ابھی تک اسے اس بھاگ دوڑ سے نجات نہیں ملی تھی۔ اسے اپنی سہیلی کلپنا کا خیال آیا۔ نہ جانے وہ اس وقت کیا سوچ رہی ہوگی۔

جب بھی وہ اپنے ڈانس گروپ کے ساتھ دہلی سے بمبئی آتی تو ایک دو راتیں کلپنا کے ساتھ ضرور گزارا کرتی۔ آج بھی کلپنا نے دوبارہ فون کرکے اسے خاص طور پر بلایا تھا۔ اس کی دو وجوہ تھیں۔ ایک تو وہ سوامی جی کی تقریر سننے اس کے ساتھ جانے والی تھی۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ گوتم نے جس لڑکے کو ڈنر پر بلایا تھا اسے وہ سریتا کو بھی دکھانا چاہتی تھی۔

"میری وہاں کوئی ضرورت ہے؟" اچانک وہ پلٹ کر ریگا سے بولی۔

"ضرورت نہ ہوتی تو ہم تمہیں رات کے وقت ہرگز نہ روکتے۔" ریگا نے کہا۔ "شنکر لال کے قتل کی تم واحد گواہ ہو۔ تم سے ہمیں جو کچھ تفصیل معلوم ہوگی۔ اسی کی روشنی میں ہم رام کے خلاف قانونی کارروائی کرسکتے ہیں اور پھر اسے پھانسی کے تختے پر بھی چڑھایا جاسکتا ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ ہوٹل راج محل سے لے کر وہ تمہیں کہاں کہاں گیا تھا؟ اور کس کس سے ملا تھا؟"

سریتا نے مختصر طور پر سب کچھ بتا دیا اور بولی۔ "وہ ایک عجیب قسم کا قاتل ہے۔ کبھی تو وہ بڑی اچھی اچھی باتیں کرتا تھا اور کبھی ایک دم ہی سخت ہو جاتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ شنکر لال سے مل کر وہ شاید یہ شہر ہی چھوڑ دے۔ آج کی رات ہوٹل مغل دربار میں گزار کر وہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائے گا۔"

"مغل دربار ہوٹل!" ریگا چونک پڑا اور پھر بدرو سے بولا۔ "کار کو واپس موڑ

لو۔ رام کے مغل دربار ہوٹل پہنچنے سے پہلے ہی ہم اسے دبوچ لیں گے۔"

کار کی رفتار دھیمی ہوگئی۔ بدرو نے اسٹیرنگ گھمایا اور کار یوٹرن لے کر بڑی تیزی سے کموئی پورہ کی طرف روانہ ہوگئی۔

رام نے ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا۔ اس بات کا یقین تو اسے اب ہو ہی گیا تھا کہ وہ ایک پیشہ ور قاتل ہے اور اس کا ماضی داغ دار ہے۔ اپنے ماضی کی کئی گم شدہ کڑیاں اسے مل گئی تھیں مگر اب بھی بہت سی کڑیاں غائب تھیں۔ اس کی نظروں پر سارا ماضی نہیں کھل سکا تھا۔ اب بھی اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دھواں سا پھیلا ہوا تھا۔

لی وانگ اور شنکر لال کی باتوں سے وہ صرف یہ جان سکا تھا کہ ریلوے کے وزیر شری بزاج کو قتل کرنے کے لئے چھ ماہ قبل اسے ایک خطیر رقم دی گئی تھی جو ایک لفافے میں بند تھی مگر چھ مہینے قبل خود اسی کا خون ہوگیا تھا۔

کیا اس کا خون شری بزاج کے قتل ہونے سے پہلے ہوا تھا یا بعد میں؟ اس سوال کا جواب اسے ڈھونڈنا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی اور سوال اس کے ذہن میں تھے۔ ایک پورا گروہ اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور خون خوار کتوں کی طرح اس کی بو سونگھتا پھر رہا تھا۔ آخر کیوں؟ کس لئے؟ کون ہیں وہ لوگ؟

ایسے ہی بہت سے سوال اس کے ذہن میں چکرا رہے تھے اور وہ آہستہ آہستہ مغل دربار ہوٹل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یکایک دو آدمی کہیں سے نکل کر اس کے سامنے آگئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ایک نے اس کے پیٹ پر پستول کی نالی رکھ دی اور دوسرے نے اس کی پیٹھ پر!

"رام!" پیچھے سے رنگا نے کہا۔ "تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ ہمارا حکم مانو۔"

رام نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے۔ اس کے آگے رنگا کا ساتھی رانا تھا جو اب ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ پیچھے سے رنگا نے اس کی پیٹھ پر پستول کی نال زور سے دبا رکھی تھی۔ آگے بڑھنے کے لئے یہ ایک اشارہ تھا۔ رام چپ چاپ آگے بڑھنے لگا۔ کچھ فاصلے پر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا کار کے کھلے ہوئے دروازہ

کے قریب سریتا کھڑی ہوئی تھی۔ اتنی دیر تک رام یہی سوچ رہا تھا کہ آخر ان لوگوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ مغل دربار ہوٹل کی طرف ہی آئے گا؟ لیکن اب سریتا پر نظر پڑتے ہی اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

"تم؟" رام اس کے قریب آکر بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ میرے قبضے سے نکل کر تم سیدھی پولیس اسٹیشن جاؤ گی۔"

"ٹھیک ہے۔" سریتا پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی بولی۔ "میں پولیس اسٹیشن ہی جا رہی تھی لیکن سی آئی ڈی کے یہ لوگ مجھے راستے ہی میں مل گئے۔"

"اوہ! اب سمجھا۔" یہ کہہ کر رام نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے رنگا کے ساتھی کو دیکھا۔

اچانک پیچھے سے رنگا نے پستول کی نال زور سے اس کی پیٹھ پر چبھائی اور رام اگلی سیٹ پر جا بیٹھا۔ رنگا اس کی داہنی جانب بیٹھا جبکہ بائیں جانب اسٹیرنگ پر بدرو بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی سیٹ پر سریتا کے ساتھ رانا اور دھاتو موجود تھے۔

کار اسٹارٹ ہونے سے پہلے ہی سریتا نے رنگا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اب تو میری ضرورت نہیں ہے؟ رات کا ایک بج رہا ہے۔"

"اس لڑکی کو جانے دو۔" رام بھی بول پڑا۔ اس نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔"

کار اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھی تو رنگا بولا۔ "رام! شاید تم یہ نہیں جانتے کہ یہ لڑکی کون ہے!"

"کون ہے؟" رام نے پوچھا۔

"ڈپٹی کمشنر گوتم کے خاندان سے اس کا گہرا تعلق ہے۔"

رام چونک پڑا۔ سریتا نے بھی اسے یہ بات بتائی تھی کہ اس کی سہیلی 'کلپنا' گوتم کی بہن ہے لیکن وہ اس وقت یہ سوچ کر ہنس دیا تھا کہ شاید سریتا اس کے قبضے سے نکل بھاگنے کے لئے چالاکی سے کام لے رہی ہے۔ لیکن اب اسے اس بات کا یقین ہوگیا کہ سریتا نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ مگر ساتھ ہی اسے یہ بھی یقین ہونے لگا تھا کہ حقیقت جان لینے کے بعد یہ لوگ سریتا کو کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ سریتا ان سب کے چہروں سے اچھی طرح واقف ہوچکی تھی۔

کار مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی اب الیگزنڈرا سینما کے پاس آکر ٹھہر گئی تھی۔ اس جگہ ایک **ایمبسڈر** کار پہلے ہی سے موجود تھی۔ اس میں بھی دو آدمی تھے۔ ایک تو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ دوسرا کوئی پٹھان دکھائی دے رہا تھا۔ پٹھان **ایمبسڈر** کا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

"بہن!" ریگا نے بڑی محبت اور نرمی سے سریتا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم اس کار میں بیٹھ جاؤ' یہ تمہیں تمہارے ہوٹل پہنچا دیں گے۔"

"سریتا!" اچانک رام بول اٹھا اور سریتا کار سے نکلتے نکلتے ایک دم رک گئی۔

"بھاگ جاؤ!" رام جلدی جلدی کہہ کر رہا تھا۔ "شور مچاؤ! چیخو! یہ قاتل تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"ٹھیک اسی وقت پٹھان نے پیچھے سے سریتا کو دبوچ کر اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس لمحے ریگا نے بھی رام کے جبڑے پر ایک گھونسا رسید کیا۔ سریتا حیران رہ گئی۔ پٹھان کی گرفت سے نکلنے کے لئے وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگی لیکن پٹھان اسے گھسیٹ کر **ایمبسڈر** کار تک لے آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کار کا دروازہ بند ہوگیا اور پھر وہ تیزی سے آگے نکل گئی۔

رام نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ پھیرا تو خون سے اس کی انگلیاں سرخ ہوگئیں۔ ریگا نے بالکل قریب سے اور پوری قوت سے گھونسا مارا تھا جس کی وجہ سے اسے چکر آگئے تھے۔ کچھ دیر بعد سنبھل کر اس نے ریگا کی طرف دیکھا۔

"شاید تمہیں حیرت ہو رہی ہوگی کہ ہم نے ابھی تک تمہیں ختم کیوں نہیں کیا؟" ریگا بولا۔

"ہم..... یعنی کون؟" رام نے پوچھا۔

"بیوپاری! یعنی کاروباری!" ریگا مسکرا کر بولا۔

رام نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ ہوٹل راج محل کے رجسٹر میں اس کے نام کے آگے یہی لفظ لکھا ہوا تھا۔ "کاروبار" "لیکن کس چیز کا کاروبار؟"

"تو تم لوگوں کا کاروبار قتل کرنا ہے؟" رام نے سوال کیا۔ "بالکل ٹھیک۔" ریگا بولا۔ "لیکن صرف ہاتھیوں کا!"

"کیا مطلب؟"

"مردہ ہاتھی کی قیمت زندہ ہاتھی سے زیادہ ہوتی ہے۔" ریگا صاف صاف لفظوں میں بولا۔ "لیکن تم ہاتھی نہیں' شیر ہو اور تمہیں زندہ گرفتار کرنے کی قیمت سوا لاکھ ہے جبکہ تمہاری لاش کی قیمت صرف پچھتر ہزار!"

"اگر میں تمہیں ڈیڑھ لاکھ دے دوں تو؟" رام بولا۔

"ہم جس پارٹی سے سودا کرلیتے ہیں۔ اسے دھوکا نہیں دیتے۔"

"یا شاید مجھ سے سودا کرتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے؟"

رام نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ریگا نے چاندی کے فریم والے چشمے کو اپنی ناک پر جماتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ "میری جیب میں ڈیڑھ لاکھ روپے ہوں اور اسے خرچ کرنے کے لئے میرے پاس ڈیڑھ منٹ بھی نہ ہو تو یہ ڈیڑھ لاکھ کس کام کے؟ کیا تم تاتیا کو نہیں جانتے؟"

تاتیا! رام نے دل ہی دل میں دہرایا۔ ایک چھوٹا سا نام تاتیا! لیکن اسے سن کر اس کے سر پر ہتھوڑے سے کیوں لگ رہے ہیں؟ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا کیوں پھیل رہا ہے؟ تاتیا...... اس کے ماضی سے وابستہ ایک زہریلا نام.... اس کی جان کا دشمن! مچھر کی طرح اسے مسل کر پھینکنے کے لیے بے چین بنا ہوا نام! لیکن آخر کیوں؟ کس لیے؟

اچانک پچھلی سیٹ سے رانا نے اس کے کان پر ایک زور دار گھونسا رسید کیا۔ گھونسا لگتے ہی وہ چکرایا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں لیکن جب تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں تو اس کے ذہن پر چھائی ہوئی دھند چھٹنے لگی تھی۔ وہ دھندلکوں سے نکل کر روشنی میں آنے لگا۔ اس کے جبڑے کا جوڑ ہل گیا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے اس نے اپنا جبڑا دبا لیا اور اسی وقت ریگا نے اس کی گردن پر ایک اور ہاتھ مارا۔ رام کے منہ سے چیخ نکل گئی لیکن اس وقت اس کی چیخ سننے والا دور دور تک کوئی نہیں تھا۔

"رانا!" ریگا نے یکایک نیا حکم دیا۔ "سب سے پہلے اس کے دونوں ہاتھ توڑنے

پڑیں گے۔"

یہ سنتے ہی رانا نے پچھلی سیٹ سے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے اور رام کی گردن پکڑلی۔ اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے بدرو نے اسے اپنی جانب سے جکڑ لیا۔ اب وہ بالکل بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ رنگا نے اس کے بائیں ہاتھ کا پنجہ اپنے ہاتھ میں لے کر ریوالور کا دستہ زور سے اس کے ہاتھ پر مارا۔ رام کی انگلیاں لہولہان ہوگئیں۔ اس کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکل گئی مگر اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی دو انگلیاں رنگا کی دونوں آنکھوں میں گھسیڑ دی تھیں۔ رنگا کا چشمہ گر گیا تھا اور اب وہ اندھوں کی طرح ہاتھ چلا رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے رام نے سر کو جھٹکا دے کر اوپر اٹھایا اور پوری قوت سے رانا کے منہ پر ٹکر ماری۔

رانا کی ناک سے خون نکلنے لگا۔ اس کا چہرہ لہولہان ہوگیا اور رام کی گردن پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ اب بدرو کی باری تھی۔ اس کا بھی وہی حال ہوا جو رانا کا ہوچکا تھا۔ رام نے پھرتی سے اس کی جیب سے پستول نکال لیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا تھا کہ دھاتو دیکھتا ہی رہ گیا۔ ویسے بھی کار کے اندر جگہ تنگ تھی لہٰذا کسی کو بچاؤ کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ پھر اچانک دھاتو نے ہمت کی اور رام سے لپٹ گیا۔ بدرو کا پستول رام کے داہنے ہاتھ میں تھا۔ اس نے ہاتھ زور سے گھمایا' پستول سیدھا دھاتو کے سر پر پڑا اور اس کا سر پھٹ گیا۔

رانا آہستہ آہستہ ہوش میں آنے لگا تھا لیکن رام نے اٹھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اس نے پستول کا دستہ پوری قوت سے اس کی کھوپڑی پر بجا دیا اور پھر دوسری چوٹ رنگا کے سر پر لگائی۔ چشمے کے بغیر وہ پہلے ہی اندھا ہوچکا تھا۔ پستول کی ضرب لگتے ہی وہ لڑکھڑایا۔ رام نے دوسری ضرب اس کی کنپٹی پر لگائی اور اس کے ساتھ ہی رنگا زمین پر گر کر بے حس و حرکت ہوگیا۔

رام نے اب پھر رانا اور دھاتو کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کو بھی مزید ایک ایک ہاتھ لگانے کی ضرورت تھی۔ رام نے پوری طاقت سے ان پر ایک ایک وار کیا اور وہ دونوں ہی کار کی پچھلی سیٹ پر لڑھک کر ڈھیر ہوگئے۔

بدرو بے یقینی کے انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اس کی سانس بڑی تیزی سے

چل رہی تھی۔ جس طرح کوئی بچہ اپنے سامنے کسی دیو کو دیکھ کر حیران رہ جائے' بالکل اسی طرح وہ اپنا لہولہان چہرہ اٹھائے ہوئے رام کو دیکھ رہا تھا۔

رام کے متعلق اس نے پچھلے دو برسوں میں بہت کچھ سنا تھا۔ مگر آج تک اسے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ آج پہلی بار اسے رام کی طاقت اور ہمت کا اندازہ ہوا تھا۔ اس لئے اس نے خاموش رہنے میں اپنی بھلائی سمجھی۔

رام نے رانا اور دھاتو کو کار سے نکال کر باہر پھینکا اور کار کا دروازہ بند کر کے بدرو کی طرف دیکھنے لگا۔ بدرو ابھی تک اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"اپنا چہرہ صاف کرو!" رام گرج کر بولا۔

بدرو جیسے گہری نیند سے چونک پڑا۔ اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا' پھر شاید پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس کا چہرہ خون سے لہولہان ہے۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال نکالا اور چہرہ صاف کرنے کے بعد رام کے اشارے پر کار اسٹارٹ کردی۔

جیسے ہی کار آگے بڑھی' رام نے اس سے پوچھا۔ "وہ پٹھان اس لڑکی کو کہاں لے گیا ہے؟"

"نیپئن سی روڈ پر؟" بدرو پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ "نیپئن سی روڈ پر کس جگہ؟" رام نے سخت لہجے میں کہا۔ "جہاں پرانی گاڑیوں کا قبرستان ہے۔"

رام سرہلا کر خاموش ہوگیا۔ وہ سریتا کے بارے میں سوچنے لگا تھا کہ کیا سریتا کو بچانا بہت ضروری ہے؟ آخر سریتا ہے کون؟ ایک اجنبی لڑکی' ایک رقاصہ ..... جس کو اس نے صرف اپنی حفاظت کے لئے استعمال کیا تھا ..... مگر اب تو اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پھر وہ کیوں اس کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے جا رہا ہے؟

کار اب گوالیا ٹنک تک، آگئی تھی۔ رام نے بدرو کو رکنے کا اشارہ کیا۔ پھر جیسے ہی کار رکی رام نے پستول کا دستہ پوری قوت سے اس کی گردن پر مارا۔ بدرو کی ضرورت اسے اسی جگہ تک تھی اور اب بدرو اس کے لئے بالکل ہی بے کار تھا۔ رام کی ایک ہی ضرب نے اسے ہوش و حواس سے بیگانہ کردیا۔

رام کار کا دروازہ کھول کر پھرتی سے باہر نکلا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بے ہوش بدرو کو کار سے باہر گھسیٹ کر ڈرائیونگ سیٹ خود سنبھال چکا تھا۔ کار دوبارہ اسٹارٹ ہوئی اور نپئن سی روڈ کا بلاک آتے ہی چرچرا کر رک گئی۔

رات کے دو بج چکے تھے۔ کچی اور ناہموار سڑک کی دونوں طرف قابل مرمت ٹرکوں' بسوں اور کاروں کی ایک لمبی سی قطار لگی ہوئی تھی۔ سڑک کے نیچے دونوں جانب گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ رام کار کو اسی سڑک پر آگے لے گیا۔ داہنی جانب گھومنے کے بعد اس نے کار کی رفتار کم کی اور گردن نکال کر چاروں طرف دیکھا۔ پرانی گاڑیوں کا قبرستان اب پیچھے رہ گیا تھا۔ اس نے کار کی ہیڈلائٹس بجھا دیں۔ نئے تعمیر کردہ پل کے قریب آتے ہی اس کی نظر نیلے رنگ کی ایک کار پر پڑی جو ایک طرف کھڑی ہوئی تھی۔ یہ اسی پٹھان کی کار تھی' لیکن اس میں کوئی بھی نہیں تھا۔

کار روک کر وہ سوچنے لگا۔ اس کے سامنے گہری اندھیری رات پھیلی ہوئی تھی۔ سمندر کا پتھریلا کنارہ بہت دور دور تک نظر آرہا تھا۔ اور جابجا نیم شکستہ ٹرکوں اور کاروں کا ایک ڈھیر پڑا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک جانب تقریباً" پچاس ٹرکوں کے ناکارہ ڈھانچے اپنی موت کے انتظار میں پڑے سسک رہے تھے۔

رام کی الجھن لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک ایک پل اس کے لئے قیمتی تھا۔

رام! اچانک اس کے اندر سے کسی نے کہا۔ سریتا زندہ رہے یا مرجائے ' تمہیں اس سے کیا؟

لیکن اس سے پہلے کہ اس کا ارادہ متزلزل ہوتا کوئی چیز اس کے پیروں سے چمٹ گئی۔ اس نے گھبرا کر نیچے دیکھا۔ یہ وہی کالا کتا تھا جو دوبار پہلے بھی مل چکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اچانک رام کے دماغ میں ایک ترکیب آگئی۔

اس نے پیار سے کالیا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے ساتھ لے کر **ایمبسڈر** کار کے پاس آگیا۔ کالیا شاید اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا' اس نے کار کو سونگھنا شروع کر دیا۔ رام نے اب اس پر سے اپنا ہاتھ ہٹالیا تھا۔ کچھ دیر تک کالیا کار کے باہر بھی ہوا میں کچھ سونگھتا رہا اور پھر اچانک ہی پتھریلے راستے پر بڑھنے لگا۔ رام اس کے پیچھے پیچھے

تھا۔

اونچے نیچے' بڑے چھوٹے پتھروں کو پھلانگتا اور ان کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا کالیا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی رام اپنی منزل کے قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا۔ اچانک رام کے کانوں سے کسی کی دبی دبی سی چیخ ٹکرائی اور اس نے کالیا کو رکنے کا اشارہ کیا۔ دور بہتے ہوئے سمندر کی لہروں کا شور اس سناٹے میں بہت صاف سنائی دے رہا تھا۔

رام ٹوٹی پھوٹی گاڑیوں کے ایک بڑے سے انبار کے پاس آکر رک گیا۔ لیکن ایک جگہ نظر پڑتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ **ایمبسڈر** کار کا ڈرائیور الٹے سیدھے پڑے ہوئے تین ٹرکوں کے درمیان ہاتھ میں ٹارچ لیے کھڑا تھا اور پٹھان' سریتا کو ایک پتھریلی چٹان پر گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سریتا کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینے اور اس کی لاش کو سمندر کے حوالے کرنے سے قبل وہ اس کی عزت لوٹنا چاہتے تھے۔

پٹھان' سریتا کو قابو میں کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا۔ مگر سریتا اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ غصے میں آیا ہوا پٹھان اس کے گالوں پر تمانچے بھی لگاتا جا رہا تھا۔

رام کا بایاں ہاتھ تقریباً" بے کار ہوچکا تھا۔ اس نے پستول نکال کر اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ اس وقت وہ **ایمبسڈر** کار کے اس ڈرائیور کے پیچھے کھڑا ہوا تھا جو ہاتھ میں ٹارچ لے کر سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک پستول کا دستہ اس نے پوری قوت سے ڈرائیور کے سر پر مارا۔ اس کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ کر نیچے گر پڑی اور اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی زمین پر گر کر ڈھیر ہوگیا۔ پٹھان نے پلٹ کو دیکھا تو رام پستول تانے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ پٹھان کوئی بہت ہی جنونی شخص نظر آرہا تھا۔ اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر رام پر چھلانگ لگا دی۔

رام کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اچانک اس پر حملہ کر دے گا۔ اسے پستول چلانے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ وہ لڑکھڑا کر پتھر کی ایک چٹان پر گرا اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اب پٹھان اس کے سینے پر سوار ہوچکا تھا۔

کالیا سے پٹھان کی یہ حرکت دیکھی نہ گئی۔ اب تک تو وہ دم دبا کر خاموش کھڑا رہا تھا۔ لیکن رام کو نیچے گرتے ہوئے دیکھ کر وہ پٹھان پر ٹوٹ پڑا۔

مگر کالیا کے لئے پٹھان کے داہنے ہاتھ کا ایک ہی جھٹکا کارگر ثابت ہوا۔ وہ لڑکھڑا کر دور جا گرا اور پٹھان نے رام کے پیٹ پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ رام کے ناک منہ سے بری طرح خون بہنے لگا تھا۔

کالیا نے ایک بار پھر حملہ کیا۔ مگر پٹھان کا دوسرا ہاتھ کھا کر دوبارہ دور جا گرا۔
اس بار پٹھان نے چاقو نکالنے کے لئے اپنی کمر میں ہاتھ ڈالا تو رام کو ایک انمول لمحہ مل گیا۔ اس نے اس لمحے کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی وہی پرانی ترکیب آزمائی ..... داہنے ہاتھ کی دو انگلیاں پٹھان کی آنکھوں میں گھستی چلی گئیں۔

پٹھان بلبلا اٹھا لیکن اب اس کے ہاتھ میں چاقو آچکا تھا۔ اس نے بغیر دیکھے ہی ایک وار کیا اور چاقو رام کے بائیں کندھے میں گھس گیا۔ اسی وقت رام کا پھیلا ہوا داہنا ہاتھ زمین پر پڑے ہوئے پستول سے ٹکرایا اور رام نے اس پر اپنی انگلیوں کی گرفت مضبوط کر کے فائر کر دیا۔ پٹھان اس وقت تک رام کے کندھے سے چاقو نکال چکا تھا اور اب دوسرا وار کرنے ہی والا تھا کہ دھماکے کی آواز سن کر اچانک رک گیا۔ پھر اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اپنے نیچے پڑے ہوئے رام کے ہاتھ میں پستول کی جھلک بھی دیکھ لی۔

"کھڑے ہو جاؤ!" رام اپنے زخم کی تکلیف کو برداشت کرتا ہوا غرایا۔

پٹھان اسے چھوڑ کر الگ ہوا اور ٹھیک اسی وقت ایک گولی اس کے سینے پر سوراخ کر گئی۔ رام نے حیرت کے ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ہوش کھو بیٹھنے والا ڈرائیور اب ہوش میں آگیا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ لیکن اسے دوسری گولی چلانے کا موقع نہ مل سکا۔ عین وقت پر کالیا نے چھلانگ لگائی تھی اور اس کے پستول والے ہاتھ کی کلائی اپنے جبڑوں میں دبوچ لی تھی۔

ڈرائیور بری طرح چیخنے لگا مگر پستول پر اس کے ہاتھ کی گرفت اب بھی مضبوط تھی۔ رام اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور ایک زوردار لات اس کے پیٹ پر ماری۔ ڈرائیور لڑکھڑاتا ہوا کچھ فاصلے پر جا گرا اور دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔

رام کو اب اپنے زخموں کا خیال آیا۔ کندھے سے بہتے ہوئے خون سے اس کی پیلی قمیض سرخ ہونے لگی تھی۔ درد کی شدت سے اسے چکر آنے لگے اور آنکھوں کے سامنے دھند سی پھیلتی چلی گئی۔

سریتا اس کے سامنے کھڑی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ رام اپنے زخمی کندھے پر ایک ہاتھ رکھ کر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا ہوا اس سے بولا۔ "سریتا! چلی جاؤ ..... بھاگ جاؤ یہاں سے .... تھوڑی دیر میں ہی وہ لوگ ہماری تلاش میں یہاں آجائیں گے۔"

لیکن سریتا چپ چاپ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ رام نے دل ہی دل میں سوچا۔ آخر یہ لڑکی جاتی کیوں نہیں' پھر وہ دوبارہ بولا۔ "جاؤ سریتا ..... چلی جاؤ۔"

سریتا نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر اپنی ساری کا پلو پھاڑا اور اس کے زخمی کندھے پر پٹی باندھنے لگی۔ بے ہوش ہونے سے پہلے رام ایک بار پھر دھیمی آواز میں بولا۔ "جاؤ .... چلی جاؤ .... میں موت ہوں۔ میرے ساتھ جو رہے گا موت کی لپیٹ میں آجائے گا ...." اس کی آواز بتدریج مدھم ہوتی چلی گئی اور وہ زمین پر لڑھک کر بے حس و حرکت ہو گیا۔

○

صدیوں پہلے بھگوان آسمانوں پر رہتے تھے اور انسان کے دلوں میں بستے تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہی بھگوان زمین پر اتر آئے۔ بمبئی کے فٹ پاتھوں پر پچھلے پچیس سالوں میں جگہ جگہ مندر بن گئے تھے۔ ایسے مندر کسی بھی محلے میں چار اینٹیں رکھ کر کھڑے کر دیئے جاتے اور وہاں دیوی اور دیوتاؤں کی تصویریں لگا دی جاتیں۔ پھر دوسرے دن ان تصویروں پر پھول چڑھے ہوئے نظر آتے اور تیسرے دن وہاں چراغ جلتا ہوا دکھائی دیتا۔ پھر ہر روز اس تصویر کے اردگرد چند اور اینٹوں کا اضافہ ہو جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس جگہ ایک مندر کھڑا ہو جاتا اور اس کے پجاری کے لئے آمدنی کا راستہ کھل جاتا۔

پارلے اسکیم کے علاقے میں ایسے ہی ایک مندر کے باہر بھیکو پجاری بیٹھا

کرتا تھا۔ مندر کی دیکھ بھال اور صفائی وغیرہ وہ خود ہی کیا کرتا کیونکہ اس مندر کی بنیاد اسی نے رکھی تھی۔ وہ تقریباً سارا دن مندروں کے باہر بیٹھا رہتا تھا۔ مندر سے نکلنے والے لوگ اس کی تھالی میں دس بیس پیسے ڈال جایا کرتے اور وہ ان پر آشیرواد کے ڈونگرے الٹ دیتا۔

رات کے نو بجتے ہی وہاں سناٹا چھا جاتا اور **بھیکو**' مندر کے جالی والے دروازے پر تالا لگا کر باہر ہی سو جاتا لیکن آج وہ سو نہیں سکا۔

دس بجے کے قریب وہ مندر میں داخل ہوا اور کسی سچے پجاری کی طرح دونوں ہاتھ جوڑ کر بھگوان کی قد آور مورتی کے سامنے بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند کرکے پہلے تو وہ بھگوان سے لو لگائے بیٹھا رہا۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔ "بھگوان! تم ہو تو یہ دھرتی ہے' تم ہو تو یہ آسمان ہے' تمہاری کرپا بڑی نیاری ہے۔"

"تم اچھے تو ہو **بھیکو**؟" بھگوان کی مورتی میں سے آواز نکلی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس میں جان پڑ گئی ہو۔

"جسے بھگوان کی شرن ملی ہو اسے دکھ کیسا؟" **بھیکو** بولا۔

"پھر تمہاری آواز میں دکھ کی جھلک کیوں ہے؟" مورتی میں سے دوبارہ آواز نکلی۔

"بڑھاپے کا بوجھ اب نہیں اٹھتا۔" **بھیکو** کہنے لگا۔ "آزاد ہونا چاہتا ہوں بھگوان!"

"جتنی عمر قسمت میں لکھی ہوتی ہے وہ گزارنی ہی پڑتی ہے۔ جب تمہاری سانس کی ڈوری ٹوٹے گی تو تمہیں بھی آزادی مل جائے گی' تمہارا بھی انجام ہو جائے گا' لیکن ابھی وقت نہیں!" مورتی سے الفاظ نکلتے جا رہے تھے۔ "مگر یہ امید رکھنا کہ تمہارے آخری دن سکھ اور چین کے ساتھ گزریں گے۔ تمہارے رہنے کے لئے جگہ میں فراہم کروں گا .... اور کچھ؟"

بھیکو نے اپنی آنکھیں کھول کر ادھر ادھر ایک نگاہ ڈالی۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ اپنی تنہائی کا اچھی طرح یقین کرنے کے بعد وہ آہستہ سے بولا۔ "سنا ہے' رام نکل بھاگا ہے .... اس کے ساتھ کوئی لڑکی بھی ہے اور ہمارا ایک آدمی بھی مارا گیا

ہے۔"

بستر پر پڑا پڑا وہ تڑپ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے بے شمار قطرے پھیلے ہوئے تھے۔ سریتا نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے دیکھا کہ سریتا کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر ڈاکٹر بھی کھڑا تھا۔

"اب میں اجازت چاہوں گا۔" ڈاکٹر اپنا بیگ اٹھا کر بولا۔ "مریض کو چند دنوں تک آرام کی ضرورت ہے۔"

سریتا اس کے ساتھ دروازے تک گئی اور پھر واپس آ گئی۔ رام اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ کمزور سی آواز میں بولا۔ "ہم کہاں ہیں؟"

"جوہو کے ایک کاٹیج میں۔" یہ کہہ کر سریتا اسے تفصیل بتانے لگی۔ "رات تم بری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ پھر بڑی دیر بعد ایک ٹیکسی ملی اور اسی ٹیکسی ڈرائیور کی مدد سے تمہیں اپنے کاٹیج میں لے آئی ......"

سریتا کا خاندان دہلی میں رہتا تھا۔ وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی تھی۔ اس کا بھائی ریڈی میڈ گارمنٹ کی فیکٹری چلاتا تھا' کاروبار اچھا خاصا تھا۔ اس کے بھائی نے اسی سال باہر کا مال اپنے ملک میں سپلائی کرنے کا کنٹریکٹ لیا تھا اور اس سلسلے میں اسے بمبئی' کبھی مدراس' کبھی کلکتہ جانا پڑتا تھا۔ ان تینوں بڑے شہروں میں اس نے اپنے اور اپنے خاندان والوں کے لئے تین کاٹیج کرائے پر لے رکھے تھے تاکہ کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ سریتا اس وقت اپنے بھائی کے کاٹیج میں تھی۔ رام نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن کندھے کے زخم کی وجہ سے کراہ کر رہ گیا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں بھی کچلی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر نے کندھے اور انگلیوں پر دوا لگا کر پٹی باندھ دی تھی۔

"تم مجھے یہاں کس لیے لائی ہو؟" وہ لیٹے ہی لیٹے بولا۔

"اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ تھا۔" سریتا نے کہا۔

"لیکن تم مجھے پولیس کے حوالے بھی کر سکتی تھیں؟"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم میری بھلائی چاہتے تھے؟"

سریتا نے الٹا اسی سے سوال کیا۔

"لیکن تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں کون ہوں۔" رام بولا۔

"ہاں!" سریتا بولی۔ "لیکن میں نے جو کچھ سنا اور جو کچھ دیکھا' ان دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق محسوس کیا ہے۔"

"پھر؟" رام نے پوچھا۔

"جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتے اس وقت تک میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔" سریتا ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "تمہاری خدمت کروں گی۔"

"پھر؟"

"پھر تم اپنا راستہ لینا اور میں اپنا؟" سریتا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رام کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی کسی اور ہی مٹی کی مورتی ہے۔ اس کی خاطر اس نے بہت کچھ برداشت کیا تھا' لگا تار کئی گھنٹوں تک ذہنی اور جسمانی تکلیفیں اٹھائی تھیں اور پھر بھی وہ اس کی خدمت کے لئے تیار بیٹھی تھی۔

"تمہارے ڈانس گروپ کا کیا ہوگا؟" رام نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں نے ٹیلی فون پر اطلاع دے دی ہے۔" سریتا نے جواب دیا۔

"تمہاری سہیلی کلپنا بھی تو فکرمند ہوگی؟"

"میں نے اسے بھی فون کر دیا ہے۔"

"کیا کہا تم نے اس سے؟" رام نے پوچھا۔

"صرف یہی کہ اپنی مصروفیت کی وجہ سے نہ آسکی۔" سریتا نے کہا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ پھر بولی۔ "اب ایک سوال میں کروں گی .... اور وہ یہ کہ تم کون ہو؟"

"لوگ کہتے ہیں کہ میرا نام رام کمار ہے۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"کیا مطلب؟" سریتا نے حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔" رام نے کہا اور پھر اسے اصل بات بتا دی۔ "میری یادداشت جاتی رہی ہے۔"

سریتا کی آنکھیں حیرت سے کچھ اور پھیل گئیں۔ اب سب کچھ اس پر ظاہر

ہوچکا تھا۔ جب بھی اس نے کوئی سوال کیا تھا تو رام نے یہی جواب دیا تھا۔ "میں نہیں جانتا ... مجھے کیا پتا؟ میں کیا جانوں؟"

"میرا نیا جنم ......" رام نے کہنا شروع کیا۔ "آج سے چھ مہینے پہلے کھنڈالہ کے قریب ایک گھاٹ کے کنارے ہوا تھا۔" پھر دھیرے دھیرے اس نے وہ تمام باتیں سریتا کو بتا دیں جو ان چھ ماہ کے دوران اس کے علم میں آئی تھیں۔ سب کچھ بتانے کے بعد اس نے سریتا سے پوچھا۔ "اب تمہیں یقین آگیا؟"

"کس بات کا؟" سریتا نے پوچھا۔

"سڑک پر مجھے دیکھ کر غنڈے کیوں کانپنے لگتے ہیں؟ کوئی پورا کے ہوٹل والے مجھے بھتا کیوں دیتے ہیں؟ شنکر لال نے کس کا خون کرانے کے لئے مجھے روپوں سے بھرا ہوا لفافہ بھیجا تھا؟" یہ کہتے ہوئے وہ خود بھی ان سوالوں میں الجھ گیا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "نہ جانے میں نے کتنے لوگوں کو قتل کیا ہے! اب تو تم سمجھ گئی ہوگی کہ میں ایک قاتل ہوں۔ مشہور غنڈہ ہوں۔ ایک پورا گروہ میرے پیچھے لگا ہوا ہے اور پولیس ہر جگہ مجھے تلاش کر رہی ہے۔"

"لیکن۔" سریتا نے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو سوچ رہے ہو۔"

"میں نہیں سوچ رہا ہوں سریتا!" رام بولا۔ "سارا شہر یہ کہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن میں نہیں جانتی۔ اگر تم واقعی ایک بے رحم قاتل ہوتے تو جس وقت میری ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس وقت مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوتے۔ میں تو ویسے بھی نکل بھاگی تھی۔ تم بھی ان غنڈوں کے چنگل سے نکل کر کہیں اور بھاگ سکتے تھے مگر میری خاطر تم نے اپنی جان خطرے میں ڈالی۔" سریتا ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی' پھر کچھ خیال آتے ہی وہ خاموش ہوئی تو کچھ اور سوالات اس کے ذہن میں کلبلانے لگے۔

"رام!" اس نے پہلا سوال کیا۔ "تمہارے کہنے کے مطابق چھ مہینے قبل شری بزاج کا قتل ہوا تھا اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ چھ مہینے قبل تمہیں بھی قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی؟"

"اس پر بھی میں نے غور کیا تھا۔" رام بولا۔ "میرا خیال ہے کہ شری برجاج کا خون کرنے سے پہلے ہی کسی نے میری جان لینے کی کوشش کی ہوگی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ شری برجاج کا خون تم نے نہیں کیا؟" سریتا بولی۔

"مجھے نہیں معلوم۔" رام لیٹے لیٹے دھیرے سے بولا۔

"تو پھر یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ تم قاتل ہو۔" یہ کہہ کر سریتا اٹھی اور کچن کی طرف چلی گئی۔ رام اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

○

"ہری ! آئی ایم ویری سوری !" اپنے دفتر میں قدم رکھتے ہی ڈپٹی کمشنر گوتم ہری لال سے بولا۔" رات ڈنر پر میں رک نہیں سکا۔ تم جانتے ہو کہ پولیس کے لوگ کم ہیں اور کام زیادہ ہے۔"

"واپسی کب ہوئی تھی؟" ہری لال کاغذات دراز میں رکھتے ہوئے بولا۔

"رات کے ساڑھے بارہ بجے۔" گوتم اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔" کلپنا نے تمہاری مہمان نوازی تو ٹھیک سے کی تھی نا؟"

"اگر کوئی کمی تھی تو جناب' وہ صرف آپ ہی کی تھی۔" ہری لال نے کہا۔

"واقعی ؟" گوتم ہنس کر بولا۔

"اور ہاں !" ہری نے کچھ یاد آتے ہی اچانک کہا۔ "سریتا نام کی کسی لڑکی کی غیر حاضری کلپنا کو بہت کھل رہی تھی۔"

"وہ کلپنا کی سہیلی ہے۔" گوتم نے اسے بتایا۔ "جب بھی وہ دہلی سے یہاں آتی ہے' وہ ایک دن ہمارے ساتھ ضرور رہتی ہے۔ پچھلے چار دن سے وہ بمبئی میں ہے لیکن ابھی تک دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ ظاہر ہے اس کی غیر موجودگی کو کلپنا نے ضرور محسوس کیا ہوگا۔"

"یہ تو لازمی سی بات ہے۔" ہری نے کہا۔

وہ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور پھر گوتم کام کی بات پر آگیا۔ اس نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے ہری سے کہا۔ "میرا پیغام تمہیں مل گیا تھا ؟"

"ہاں ! آتے ہی میں نے فائل پڑھ لی تھی۔" ہری بولا۔

"مجھے اس کی مختصر تفصیل بتادو۔" گوتم نے کہا۔ "ممکن ہے تمہاری زبانی تفصیل سننے کے بعد کوئی نئی کڑی میرے دماغ میں آجائے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی کہنیوں کو میز پر ٹیک دیا اور دونوں ہاتھوں پر اپنا چہرہ رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔

رام یوپی کا رہنے والا ہے۔ ہری نے کہنا شروع کیا۔ "وہ بمبئی آنے سے پہلے وہ پوری آباد کے ایک گاؤں میں اپنی بہن سونل کے ساتھ رہتا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد اسے پانچ ایکڑ زمین ایک مکان وراثت میں ملا تھا۔ بہن کی شادی کے وقت اس نے زمین اور مکان بھی فروخت کر دیا۔"

"ایک منٹ !" گوتم آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "شاید وہ کھیتی باڑی کے علاوہ کوئی اور کام بھی کرتا تھا؟"

"ہاں۔" ہری لال اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اس نے کشتی لڑنے اور لڑانے کے لئے ایک اکھاڑا کھول رکھا تھا۔"

"پھر؟"

"بہن کی اچانک موت پر اس میں کچھ تبدیلیاں سی آگئیں۔ اس کا دماغ خراب ہوگیا۔ اکھاڑے کو تالا لگا کر وہ چھوٹی موٹی چوریاں کرنے لگا' پھر رفتہ رفتہ وہ اکیلے چلتے ہوئے راہ گیروں کو بھی لوٹنے لگا لیکن اس کی یہ حرکتیں زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکیں۔ یوپی کی پولیس اس کے پیچھے پڑگئی تھی۔ وہ گھبرا گیا اور وہاں سے بھاگ کر بمبئی آگیا۔ بمبئی میں بھی اس نے یہی دھندا شروع کردیا' چوری جیب تراشی' لوٹ مار! آہستہ آہستہ اس نے یہاں اپنی دھاک جما دی اور آخر کار کمبوٹی پورا کا دادا بن گیا۔"

اتنا پڑھ کر ہری لال نے رام کی فائل بند کردی۔

"لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ دادا بننے کے لئے اس نے کیا کیا جرم کیے ہیں؟ "گوتم نے آنکھیں کھولے بغیر ہی پوچھا۔

ہری لال نے دوبارہ فائل کھولنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور زبانی بولنے لگا۔

"چھوٹے موٹے جرائم کے بعد اس نے لوگوں کو قتل کرنا شروع کردیا اور اس طرح ایک پیشہ ور قاتل بن گیا۔ کسی کی جان لینا ہو تو رام سے بہتر آدمی تلاش کرنا مشکل تھا

کیونکہ اس کام میں وہ اس قدر ہوشیار اور طاق تھا کہ اپنے پیچھے کوئی ایسا سراغ نہیں چھوڑتا تھا کہ پولیس اس تک پہنچ سکے۔ اس نے ڈیڑھ سال تک بے خوف و خطر اپنا یہ دھندا جاری رکھا اور پھر اچانک ایک دن وہ چھ مہینے کے لئے غائب ہوگیا۔"

ہری لال کی بات ختم ہوتے ہی گوتم نے آنکھیں کھول دیں اور دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔ "کوئی خاص بات محسوس کی تم نے؟"

"کیس تو بالکل صاف ہے۔" ہری لال بولا۔ "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"وہ کیا؟"

"اس شہر میں پیشہ ور قاتل ایک نہیں، دو ہیں۔" ہری لال نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے ..... ناتیا؟" گوتم نے پوچھا۔

"ہاں۔" ہری بولا۔

"تو اس میں الجھن کی کیا بات ہے؟"

"یہی کہ ناتیا کو نظر انداز کرکے ہم نے صرف رام کو اپنی نگاہ میں رکھا ہے.... اس کی وجہ؟" ہری نے پوچھا۔

"ناتیا سے زیادہ خطرناک قاتل رام ہے۔" گوتم نے جواب میں کہا۔ "کیونکہ ناتیا کا گروہ بھی رام کو ختم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہماری کرائم برانچ کو پورا یقین ہے کہ کچھ قتل ناتیا نے کیے ہیں لیکن ان کا کریڈٹ بھی رام اپنے سرلیتا ہے .... اور تیسری بات یہ ہے کہ جس طرح ناتیا کا گروہ رام کو تلاش کر رہا ہے، اسی طرح رام بھی ناتیا کی تلاش میں ہے۔ اب اگر رام ہمارے قبضے میں آجائے تو پھر ناتیا پر قابو پانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوگا، اور رام پر قبضہ کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک کڑی ہے۔"

"شنکر لال والی؟" ہری نے پوچھا۔

"ہاں۔" گوتم نے جواب دیا۔ "اگر رام واقعی زندہ ہے اور اسی شہر میں موجود ہے تو اس نے شنکر لال سے ضرور ملاقات کی ہوگی۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" ہری لال کلائی کی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "اس وقت صبح کے

ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ناشتے کے وقت شنکرلال کو گھیر لینا آسان رہے گا۔"

ہری لال کی بات ختم ہوتے ہی میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ گوتم نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور بولا۔ "یس .... گوتم پوراا سپیکنگ۔"

دوسری طرف سے انسپکٹر شاہ کی آواز سنائی دی جو باندرہ اسٹیشن کا انچارج تھا۔

"ہیلو سر! کل رام نے پھر بمبئی کے لوگوں کو اپنا درشن دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" گوتم پورا ایک دم سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

"شنکر لال کا قتل ہوگیا ہے۔" انسپکٹر شاہ نے دوسری طرف سے کہا۔

"ہری لال بھی گوتم کی طرح چونک پڑا تھا۔ کیونکہ ٹیلی فون سے آتی ہوئی انسپکٹر شاہ کی باریک آواز اس نے بھی سن لی تھی۔

○

رام کے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا۔ سمندر کی ٹھنڈی ہوا کھڑکی کے راستے بیڈ روم میں داخل ہو رہی تھی۔ کچن میں سریتا صبح کی چائے اور ناشتا تیار کرنے میں مصروف تھی۔ پچھلے آٹھ دنوں سے وہ جوہو کے اس کاٹیج میں تھے۔ سریتا مسلسل بڑی توجہ سے رام کی خدمت کر رہی تھی۔ رام اب تقریباً صحت یاب ہوگیا تھا، اس کے زخم تیزی سے مندمل ہو رہے تھے۔

سریتا کو اب اپنے گھر کی فکر لگی ہوئی تھی۔ ڈانس گروپ کے ساتھ وہ دہلی سے آئی تھی۔ اب اس کا پورا گروپ واپس جاچکا تھا لیکن وہ ابھی تک بمبئی میں تھی۔ نہ جانے اس کی ممی نے اس کے متعلق کیا سوچا ہوگا؟ اس کے ڈیڈی نے کیا سوچا ہوگا؟ ویسے اس نے گھر والوں کو خط لکھ دیا تھا کہ وہ ابھی چار دن اور بمبئی میں رہے گی۔

خط لکھے ہوئے دو دن ہوچکے تھے اور آج تیسرا دن تھا۔ رام سے بھی اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس کے تندرست ہوتے ہی وہ واپس چلی جائے گی مگر نہ معلوم کیوں رام کو تنہا چھوڑنے کے لئے اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

ناشتا ایک ٹرے میں سجا کر وہ بیڈ روم میں آئی۔ رام آنکھوں کے سامنے سے

اخبار ہٹا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ سریتا نے ناشتے کی ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کوئی خاص خبر؟"

"خبریں تو بہت ساری ہیں۔" رام اخبار پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال کر بولا۔ "لیکن ایک خبر بہت اہم ہے۔ کسی نے ٹائم بم رکھ کر ایک ہوائی جہاز کو اڑا دیا۔ سارے ہی مسافر مارے گئے۔ جہاز اندرونی پرواز کے لئے رن وے پر تیار کھڑا تھا کہ اچانک یہ حادثہ پیش آگیا اور جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعے میں تاتیا کا ہاتھ ہے۔"

"تمہیں کچھ یاد آرہا ہے ؟" سریتا نے پوچھا۔

"کیا؟" رام بولا۔

"حادثہ ..... قتل ..... تاتیا ..... ؟" سریتا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"تاتیا کون ہے؟" رام نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں پوچھا۔

"تم بتاؤ کون ہے؟" سریتا نے کہا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا واقعی؟"

"کیوں؟" رام نے چائے کی پیالی تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کبھی کبھی نیند میں تم اس نام کو دہراتے رہتے ہو۔" سریتا بولی۔

"تاتیا ...." رام بڑبڑایا اور پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ نام اس کے دماغ کو جھنجھوڑ رہا تھا .... ایک چہرہ .... اجنبی سا چہرہ .... سپاٹ چہرہ ... کچھ بھی صاف نہیں تھا۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی اس نے ریگا کی زبان سے پہلی بار تاتیا کا نام سنا تھا۔

"تم جانتی ہو تاتیا کون ہے؟" وہ اچانک سریتا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اسے کون نہیں جانتا۔" سریتا نے جواب دیا۔ پھر چند لمحوں بعد بولی۔ "تاتیا ایک خطرناک قاتل ہے۔ پچھلے برسوں سے وہ اس ملک میں متعدد چھوٹے بڑے قتل کرتا آیا ہے۔ انیس سو چوہتر میں ہونے والے للت نرائن مصرا کے قتل کا ذمے دار بھی وہی ہے۔ اس نے جلسے کے اسٹیج کے نیچے بم رکھ کر پورے اسٹیج کو اڑا دیا تھا لیکن

آج تک اس کے خلاف کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا کہ شری مصرا کا قاتل وہی ہے۔" سریتا چند لمحوں کے لئے رکی اور پھر ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "اگلے سال بھی اس نے ایک ہوائی جہاز کو بم کے ذریعے تباہ کر دیا تھا۔"

"کیوں؟" رام درمیان میں پوچھ بیٹھا۔

"اس جہاز میں پور بندر کا ایک آئل کنگ سفر کر رہا تھا۔" سریتا نے بتایا۔

"لیکن اس طرح کے تو بہت سے قتل اس نے کیے ہیں " تاہم پولیس ابھی تک یہ نہیں جان سکی ہے کہ تاتیا کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے ؟ اور اس کا چہرہ کیسا ہے؟"

رام ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا' اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"کچھ یاد آرہا ہے؟" سریتا نے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کے درمیان کاروباری دشمنی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ بھی میری طرح پیشہ ور قاتل ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ تمہارے کسی دشمن نے تمہارے قتل کے لئے تاتیا سے معاہدہ کیا ہے۔" سریتا نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "تم آخر یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم ایک کاروباری آدمی ہو اور بینک میں تمہارے نام ایک لاکھ روپے بھی تھے۔"

"وہ روپے مجھے کسی کو قتل کرنے کے لئے بھی دیے جاسکتے ہیں۔"

"لیکن یہ بات تم یقین سے نہیں کہہ سکتے۔" سریتا نے کہا۔

رام کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا لہٰذا وہ خاموش رہا۔ پھر چند لمحوں بعد اس نے سریتا سے پوچھا۔ "تو کیا تم یہ بات یقین سے کہہ سکتی ہو میں پیشہ ور قاتل نہیں ہوں؟"

"ہاں۔" سریتا نے کہا۔ "کم سے کم ایک کیس میں تو تم بالکل ہی بے قصور ثابت ہوئے ہو۔"

"کیا مطلب؟" رام چونک کر بولا۔

"جب تمہارے کندھے کا زخم تازہ تھا اور تم یہاں آرام کر رہے تھے تو ایک

دن میں اخبار ٹائمز کے دفتر میں گئی تھی۔ وہاں جاکر میں نے چھ مہینے قبل کے سارے اخبارات دیکھے۔ "سریتا نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔" شری بزاج کا قتل تم پر ہونے والے قاتلانہ حملے کے دو دن بعد ہوا تھا۔"

"اگر یہ سچ ہے ..... تو پھر لی وانگ مجھے قاتل کیوں سمجھتا ہے؟" رام نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "اور پھر شنکرلال نے بھی یہی کہا تھا کہ روپوں سے بھرا ہوا لفافہ مجھے شری بزاج کے قتل کے لئے دیا گیا تھا۔"

"اس بات پر میں نے بھی سوچا تھا۔" سریتا بولی۔ "اور یہ نتیجہ نکالا کہ کہیں نہ کہیں کوئی الجھن ضرور ہے اور یہ الجھن معمولی نہیں ہے۔" سریتا ایک لمحے کو رکی اور دوبارہ بولی۔ "یہ الجھن اس وقت دور ہوسکتی ہے جب تمہارا ماضی معلوم ہو جائے۔"

"اور اس کی امید میں چھوڑ چکا ہوں۔" رام مایوسی سے بولا۔

"رام!" سریتا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "ناامید ہونے کی ضرورت نہیں! ابھی کچھ دن پہلے تک تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اب تمہیں یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہے کہ تمہارا نام رام کمار ہے اور تم یوپی کے رہنے والے ہو' اور ہاں!" سریتا اچانک کچھ یاد آنے پر چونک کر بولی۔ "یوپی کی ایک کمپنی تھری سولجرز اینڈ سن نے تمہارے نام بینک میں ایک لاکھ روپیا بھیجا تھا۔ تم اس کمپنی کا فون نمبر بھی بینک مینجر سے لے آئے تھے۔ تم نے اس نمبر پر تفتیش کی؟"

رام کو یاد آیا کہ یونائٹیڈ بینک سے باہر نکلتے ہی اس پر گولی چلائی گئی تھی اور اس وقت وہ اس قدر گھبرا گیا تھا کہ اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ پھر اسی بھاگ دوڑ میں چوبیس گھنٹے گزر گئے اور اس کے ساتھ ہی وہ آٹھ دنوں کے لئے بستر سے لگ گیا تھا۔ اچانک اس نے قریب رکھے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور آپریٹر سے کہہ کر یوپی کے لیے ایک کال بک کرائی۔

کچھ دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ رام نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو' بوری آباد مینٹل اسپتال۔"

رام دم بخود رہ گیا۔ کئی لمحوں تک وہ ریسیور کو دیکھتا رہا اور پھر سریتا سے بولا۔

"یوپی کی کمپنی تھری سولجرز اینڈ سن۔ اور فون نمبر پاگل خانے کا؟"

سریتا حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

○

جواب تو کرنل اللہ رکھا کے پاس بھی نہیں تھا مگر اس کے باوجود وہ کہہ رہا تھا۔ "میرا دل کہہ رہا ہے کہ ضرور کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔" اس وقت وہ بوری آباد میں اپنے کاٹیج کی ایک کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ میجر بھونسلے اور ونگ کمانڈر مسٹر بترا کی طرف اس کی پشت تھی۔

"کرنل!" آخر مسٹر بترا نے زبان کھولی۔ "بات بالکل صاف ہے۔ چھ مہینے تک وہ غائب رہا۔ اپنے نام پر بھیجے ہوئے ایک لاکھ روپے بھی آخر وہ لے ہی گیا۔ اس پر بھی آپ کو یقین نہیں آتا؟"

"نہیں!" کرنل اللہ رکھا نے اپنا چہرہ گھما کر بڑے یقین سے کہا۔ "یہ بات میرے گلے سے نہیں اترتی کہ یہ لڑکا ہمارے ساتھ دھوکا کرسکتا ہے۔"

"سچ بہت کڑوا ہوتا ہے اس لئے آسانی کے ساتھ گلے سے نیچے نہیں اترتا۔" ونگ کمانڈر مسٹر بترا نے کہا۔

"لیکن وہ دھوکا نہیں کرسکتا۔" کرنل بڑبڑایا۔

"اگر یہ بات ہے تو اس نے اب تک ہم سے رابطہ قائم کیوں نہیں کیا؟" اس بار میجر بھونسلے نے کہا۔ "ہم نے تو آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ لڑکا نادان ہے۔ ممکن ہے اتنی بڑی رقم دیکھ کر اس کا دل مچل اٹھے..... اور کرنل! میرا خیال ہے کہ اب اس لڑکے کو بھول جانا ہی دانش مندی ہے۔ آخر ہم کب تک اس کا نام لے کر اسے یاد کرتے رہیں گے؟"

کرنل اللہ رکھا کے سینے میں مدت سے ایک آگ بھڑک رہی تھی۔ اس کے دل میں ٹیس سی اٹھنے لگی۔ اچانک اندر کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی اور کرنل دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ دبانے لگا۔ اس کے چہرے پر درد کی لکیریں ابھر آئیں۔ اس کے دونوں دوست بڑی تیزی سے اس کی طرف لپکے۔ میجر بھونسلے نے اس کو زمین پر

گرنے سے پہلے تھام لیا۔ ونگ کمانڈر مسٹر بترا نے جلدی سے پلنگ کی چادر درست کی اور پھر ان دونوں نے مل کر کرنل اللہ رکھا کو پلنگ پر لٹا دیا۔

"میرا خیال ہے' دل پر اٹیک ہوا ہے۔" یہ کہہ کر میجر بھونسلے ڈاکٹر کو بلانے کے لئے کمرے سے باہر چلا گیا۔

○

سریتا اور رام' دونوں ہی خاموش تھے۔ رات کا کھانا بھی انہوں نے بڑی خاموشی سے کھایا تھا۔ دونوں میں سے کسی نے بھی کوئی بات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اصل میں دونوں کے پاس کہنے کے لئے کچھ تھا ہی نہیں' مگر آنکھوں میں متعدد سوالات تھے .... اب کیا ہوگا؟ تھری سولجر اینڈ سن کیا ہے؟ پاگل خانے کے ٹیلی فون نمبر سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ ایسے بے شمار سوالات تھے جن میں سے کسی کا بھی جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ جس کاٹیج میں وہ ٹھہرے ہوئے تھے' اس کے بارے میں بھی یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ ابھی اور کتنے دنوں تک ان کے لئے محفوظ رہ سکتا ہے؟ تاہم اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ تاتیا اور اس کا گروہ ان کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر رہے ہوں گے۔ اور دوسری جانب پولیس بھی رام کی تلاش میں ہوگی۔

رام کی یادداشت کسی بے وفا دوست کی طرح اس کی پیٹھ پر وار کر کے غائب ہوگئی تھی۔ ایک بھی کڑی نہیں مل رہی تھی' ایک بھی راستہ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں کی حالت اس وقت قابل رحم تھی۔ رام کو جب کچھ نہیں سوجھا تو وہ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی سے کھڑا ہوگیا اور آگے بڑھ کر ٹی وی کا سوئچ آن کر دیا' پھر پلنگ پر تکیے کے سہارے لیٹ کر خبریں سننے لگا۔

"رام!" آخر سریتا نے اس طویل خاموشی کو توڑا۔ "ہوں۔" رام نے ٹی وی کی اسکرین پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا۔

"کیوں نہ ہم ایک کھیل کھیلیں۔" وہ اب بھی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ رام کی طرف تھا اور پشت ٹی وی کی طرف!

اس کی بات سن کر رام کو حیرت ہوئی کہ ان نازک حالات میں اسے کون سا کھیل سوجھ گیا ہے۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" سریتا نے پوچھا۔

"کل شام ہونے والے ٹرین کے حادثے کی تفصیلات ہیں۔" رام ٹی وی پر سے نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیوں؟"

"کچھ یاد آ رہا ہے؟" سریتا نے پوچھا۔

رام سمجھ گیا کہ وہ اس کی یادداشت کو چھیڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یاد تازہ کرنے کا یہی ایک کھیل تھا۔ اس نے ٹی وی پر دکھائے جانے والے حادثے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی اور پھر دھڑ دھڑ دھڑ کرتی ہوئی ایک تیز رفتار ٹرین جیسے اس کے سینے پر آ کر تھم گئی۔

"ہاں۔" اس کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں میں سے ابھری۔ "یاد آ رہا ہے۔"

"کیا؟" سریتا نے پوچھا۔

"ایک دوسرا حادثہ ..... میں اپنے ماضی میں دیکھ رہا ہوں لیکن ..... لیکن یہ چہرے بے نام ہیں ... میں نہیں جانتا۔" وہ بولا۔

"انہیں پہچاننے کی کوشش کرو۔" سریتا بولی۔

رام نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے سر میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ بوڑھے ڈاکٹر شاپور جی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ "تم اپنے ماضی میں جھانکنے کی جتنی زیادہ کوشش کرو گے' الجھن اتنی ہی بڑھے گی۔ جو کچھ آسانی سے سامنے آ جائے اسے چپ چاپ قبول کر لینا' اپنے دماغ پر زور دیے بغیر!"

"نہیں۔" رام آنکھ کھولتا ہوا بولا۔ "یہ چہرے میرے لئے اجنبی ہیں۔"

"وہ کون سی جگہ ہے؟" سریتا نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔" یہ کہہ کر وہ سریتا کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

"ڈاکٹر شاپور جی کی بیٹی شرین جب بھی مجھے بھیا کہہ کر پکارتی تھی تو میں دھڑ دھڑ کرتی ہوئی ایک تیز رفتار ٹرین کو دیکھتا تھا۔" رام نے بتایا۔ "میں ایک لاش دیکھتا

تھا اور پھر میرے کانوں میں یہ آواز گونجنے لگتی تھی' رام نام ستیہ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تمہاری کوئی بہن تھی جس کا تعلق ریل کے کسی حادثے سے ہوسکتا ہے۔" سریتا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"لیکن یہاں کے حالات سے اس کا کیا تعلق؟" رام بولا۔

"شاید اسی حادثے سے متاثر ہوکر تم گاؤں چھوڑ کر شہر آئے ہوگے؟" سریتا کی تدبیر کچھ کام کرنے لگی تھی۔ "پلیز!" وہ آگے بولی۔ "ایک بار پھر تھوڑی دیر کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلو۔"

"مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" رام دھیرے سے بولا۔ "انجانے چہرے چاروں طرف سے بڑھ کر مجھے گھیر لیتے ہیں اور میں تڑپ اٹھتا ہوں۔"

"اب ایسا نہیں ہوگا۔" سریتا ڈائننگ ٹیبل کی کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آبیٹھی اور رام کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اپنے کھیل کو آگے بڑھانے لگی۔

"تم جب پہلی بار بمبئی آئے تھے' ان دنوں کو یاد کرو۔" سریتا نے کہا۔

"مجھے کچھ بھی یاد نہیں آتا۔" رام بے بسی سے آنکھیں بند کرکے ماتھے پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"کوئی چہرہ ہے کیا؟" سریتا نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں۔" رام نے جواب دیا۔ "کئی چہرے ہیں۔ الگ الگ' مختلف سے' مگر سب اندھیرے میں ہیں' گلیوں میں خاموش کھڑے ہوئے' بدنام گلی میں سے گزرتے ہوئے....." اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

سریتا اس پر زیاد دباؤ ڈالنا نہیں چاہتی تھی اس لئے اس نے بڑی محبت سے پوچھا۔ "وہ کون سی گلی ہے' کہاں ہوسکتی ہے؟"

رام نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"سریتا نے پھر اپنا آخری سوال "دہرایا" وہ جگہ کہاں ہوسکتی ہے؟"

رام نے جواب دینے کی بجائے ٹی وی کی طرف اشارہ کیا۔ سریتا نے گھوم کر دیکھا تو خبروں کی فلم میں بھارت کا ایک جوڈو کراٹے سینٹر دکھایا جا رہا تھا جس کا نام' جم لینڈ' تھا۔ پھر ٹی وی کی نیوز ریل میں جوڈو کراٹے کے دونوں ٹرینر کو دکھایا گیا۔

"ارے ..... یہ تو وہی ہے۔" سریتا چونک کر بولی۔ "وہی غنڈے جو تمہارے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔"

"اور یہ دونوں اس جم لینڈ کے ٹرینر ہیں!" رام بولا۔

کیا جم لینڈ تاتیا کے گورکھ دھندے کی آڑ ہوسکتا ہے؟" سریتا نے پوچھا۔

"یہ جاننے کے لئے مجھے خود جم لینڈ جاکر دیکھنا ہوگا۔" رام یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

سریتا نے ٹی وی بند کیا اور پھر ٹیلی فون ڈائریکٹری میں جم لینڈ کا فون نمبر تلاش کرنے لگی۔ جم لینڈ کے نام پر دو فون نمبر تھے جن میں سے ایک عام استعمال کے لئے تھا جبکہ دوسرا جم لینڈ کی مالکہ مس پاٹل کے نام تھا۔ اس نے دونوں نمبروں کے ساتھ ڈائریکٹری سے پتا بھی نوٹ کرلیا تھا۔

دوسرے دن صبح رام نے مس پاٹل کا نمبر ملایا اور پھر دوسری طرف سے "ہیلو" کی باریک آواز سن کر بولا۔ "آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں لیکن آپ کے جم لینڈ کے متعلق میں نے بہت کچھ سن رکھا ہے۔ کل رات بھی میں نے ٹی وی نیوز ریل میں آپ کے جم لینڈ کو دیکھا تھا۔ میرا نام کرتارا سنگھ ہے اور میں دہلی کا رہنے والا ہوں۔"

"کہئے مسٹر کرتارا سنگھ!" مس پاٹل کی میٹھی آواز ابھری۔ "میں آپ کی کیا خدمت کرسکتی ہوں؟"

"میرا کاروبار کھیلوں کا سامان ایکسپورٹ کرنا ہے۔"

رام بولا۔ "اگر آپ تھوڑا سا وقت دیں تو آپ سے اس سلسلے میں بات ہوسکتی ہے۔"

دوسری جانب چند لمحوں کے لئے خاموشی چھاگئی اور پھر مس پاٹل کی آواز دوبارہ اسے سنائی دی۔ "ٹھیک ہے مسٹر کرتارا سنگھ! آج دوپہر سے دو بجے تک میں فارغ ہوں۔"

"شکریہ۔" رام نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

○

مس پاٹل کے پاس جانے سے پہلے رام نے اپنا حلیہ تبدیل کرلیا تھا۔ وہ ایک

سکھ کے بھیس میں تھا۔ سر پر سکھوں جیسی پگڑی' چہرے پر سیاہ داڑھی اور آنکھوں پر دھوپ کی سیاہ عینک! گرے رنگ کی پتلون پر اس نے سفید اسپورٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ سریتا سے رخصت ہو کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا اور جم لینڈ کی طرف روانہ ہوگیا۔

جم لینڈ جوڈو کراٹے سینٹر کی بنیاد آج سے پندرہ سال قبل رکھی گئی تھی۔ اس سے پہلے پورے بمبئی میں روایتی انداز کے پرانے اکھاڑے تھے۔ جم لینڈ انہی پرانے اکھاڑوں کا نیا روپ تھا' جدید اور مکمل سازو سامان سے آراستہ! تھوڑے ہی عرصے میں بمبئی میں اس کی تین اور برانچیں بھی کھل گئی تھیں لیکن اس کی ہیڈ برانچ ماہم کے علاقے میں تھی اور یہی اس کا دفتر بھی تھا۔

جم لینڈ کے صدر دروازے پر آکر ٹیکسی رک گئی۔ رام نے کرایہ ادا کرکے گھڑی کی طرف دیکھا' دو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ وہ دروازے کے اندر داخل ہوا قریب ہی ایک چھوٹا سا کیبن تھا۔ جس میں ایک آپریٹر بیٹھی ہوئی تھی۔

"جی ..... فرمایئے۔" اس نے رام کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دو بجے مس پاٹل کے ساتھ میری ملاقات کا وقت ہے۔" رام نے اسے بتایا۔

آپریٹر نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور رام کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ رام چپ چاپ ایک خالی صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں سیاہ چشمے کے پیچھے سے ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔

آپریٹر کے پیچھے دیوار پر ایک بڑا سا پوسٹر لگا ہوا تھا' یہ پوسٹر دارا سنگھ پہلوان کا تھا جو اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ اچانک سوئچ بورڈ پر کوئی آواز ابھری۔ آپریٹر نے دو ایک بار بٹن دبایا اور پھر ریسیور اٹھا کر بولی۔ "جم لینڈ ..... ون منٹ پلیز!" یہ کہہ کر اس نے ایک بٹن دبا دیا اور بولی۔ "مسٹر رنگا! آپ کا فون ہے۔"

"رنگا! رام چونک پڑا۔ یہ نام اس کے لئے اجنبی نہیں تھا اور پھر اسے خیال آیا کہ رنگا یہاں کا ٹرینر ہے۔ ہٹلر ٹائپ مونچھوں والے کو وہ کیسے بھول سکتا تھا! یہ وہی رنگا تھا جس نے یونائیٹڈ بینک کے باہر اس پر گولی چلائی تھی اور پھر مسلسل اس کے پیچھے پڑگیا تھا۔ چوہے اور بلی کا یہ کھیل ہوٹل راج محل سے شروع ہوا تھا' اور آخر میں وہ رنگا اور اس کے ساتھیوں کی اچھی خاصی مرمت کرکے بھاگ نکلا تھا۔

"مسٹر!" اچانک آپریٹر کی آواز سن کر وہ چونک پڑا۔ "آپ کا نام؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"کرتارا سنگھ۔" رام نے بتایا۔ "دہلی سے آیا ہوں۔"

آپریٹر نے مس پاٹل سے رابطہ قائم کیا اور پھر ریسیور رکھ کر رام سے بولی۔ "آپ اندر جاسکتے ہیں۔ یہاں سیدھے چلے جائیں۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔ "بائیں جانب مڑتے ہی چبوترے پر چھ سات سیڑھیاں دکھائی دیں گی۔ انہیں طے کرنے پر داہنی جانب ایک کیبن ہوگا' مس پاٹل اسی کیبن میں آپ کی منتظر ہیں۔"

رام اس کا شکریہ ادا کرکے آگے بڑھا اور پھر اچانک ہی باہر سے آتے ہوئے رنگا سے ٹکرا گیا۔

"اوہ .... سوری!" رنگا بولا۔ "آپ ....."

رام کے جواب دینے سے پہلے ہی آپریٹر لڑکی بول پڑی۔ "مس پاٹل کے ملاقاتی ہیں۔"

"آئی سی۔" رنگا نے رام کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم شاید پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں؟"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" رام آگے بڑھتا ہوا۔ "میں دہلی میں رہتا ہوں۔"

رنگا اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

جم لینڈ دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ایک حصہ لڑکیوں کے لیے تھا اور دوسرا مردوں کے لئے! ان دونوں حصوں کے درمیان پاٹل کا کیبن تھا۔ کیبن میں دونوں طرف شیشے لگے ہوئے تھے۔ شیشوں پر پردے تھے' جن کی وجہ سے وہ دونوں حصوں پر بہ آسانی نظر رکھ سکتی تھی۔

رام جیسے ہی کیبن میں داخل ہوا' مس پاٹل نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دل کش مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ رام نے محسوس کیا کہ مس پاٹل نے اس کا استقبال ایک اجنبی کی طرح نہیں بلکہ ایک دوست کی طرح کیا ہے۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"دہلی سے کب آنا ہوا؟" مس پائل نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"آج تیسرا دن ہے۔" وہ بولا۔ "آیا تو تھا کھیلوں کے سامان کے لئے کسی ڈسٹری بیوٹر کی تلاش میں' لیکن یہاں تو کچھ اور ہی مل گیا ...... کل رات ٹی وی پر آپ کے جم لینڈ کو دیکھ کر ایک دوسرا ہی خیال آیا ...."

"کیسا خیال؟" مس پائل نے بے تابی سے اس کی بات کاٹی۔

"ہریانہ میں جم لینڈ شروع کرنے کا۔" وہ بولا۔ "لیکن دو باتوں کا مجھے تجربہ نہیں ہے۔"

مس پائل ہنسی اور گنگناتی آواز میں بولی۔ "تجربہ میرے پاس ہے۔ اگر آپ کے پاس اچھی خاصی رقم ہو تو ...."

"کتنا سرمایہ درکار ہوگا؟" رام نے پوچھا۔

"کم سے کم ڈیڑھ لاکھ۔"

"بس؟" رام نے اتنی آسانی سے کہا جیسے ڈیڑھ لاکھ روپے اس کے لئے کوئی حقیقت نہ رکھتے ہوں۔

مس پائل سنجیدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں؟ آپ کو کچھ شک ہے؟" رام نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میں سوچ رہی تھی کہ ...."

"پارٹنر شپ کے متعلق۔" رام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے ... تجربہ آپ کا اور سرمایہ میرا۔" رام مسکرا کر بولا۔

"صرف یہی نہیں۔" مس پائل ذرا جذباتی ہوگئی تھی۔ "اس مقصد کے لئے آپ ہمارے جم لینڈ کا نام بھی استعمال کرسکتے ہیں۔"

رام نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔ "میرا خیال ہے اس معاملے پر ذرا کھل کر باتیں ہونی چاہئیں۔ آپ لنچ کر چکی ہیں ؟"

"نہیں' کیوں؟" وہ بولی۔

"میں بھی کھانا کھائے بغیر آگیا ہوں۔" رام بولا۔ "اگر ہم کسی اچھے سے ہوٹل

میں لنچ کے ساتھ باتیں کریں تو کیسا رہے گا؟"

مس پائل نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔ "جیسا آپ مناسب سمجھیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

ریگا لنچ کرکے واپس آرہا تھا۔ اس نے مس پائل کو کسی اجنبی کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے دیکھا اور ٹھیک اسی وقت اس اجنبی کی پشت دیکھ کر اچانک اسے رام کی قدوقامت یاد آگئی۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ وہ تیزی سے مس پائل کی کار کی طرف لپکا مگر اس وقت تک کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھ چکی تھی۔

وہ بھاگ کر آپریٹر کے کیبن کی طرف آیا اور ہانپتے ہوئے بولا۔ "مس پائل کہاں گئی ہیں ؟"

"لنچ پر۔" آپریٹر نے جواب دیا۔

"کہاں؟"

"یہ تو انہوں نے نہیں بتایا ..... کیوں؟" آپریٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کے ساتھ جو اجنبی تھا ...." ریگا بھاری آواز میں بولا۔ "وہ رام تھا' قاتل رام!"

آپریٹر لڑکی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

جوہو شانتا کروز آکر سریتا ٹیکسی سے اتر گئی اور اپنی سہیلی کلپنا کا انتظار کرنے لگی۔ کلپنا کو فون کرکے اس نے اسی جگہ بلالیا تھا۔ بس اسٹاپ کے قریب وہ خاموش کھڑی تھی کہ اس نے کھار کی طرف سے کلپنا کی کار کو آتے ہوئے دیکھا۔ کلپنا کی کار اس کے قریب آکر رکی تو وہ دروازہ کھول کر کلپنا کے قریب ہی بیٹھ گئی' اور کار پھر چل پڑی۔

"میرا خیال تھا کہ تم دہلی واپس چلی گئی ہو۔" کلپنا نے کار چلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں جاسکی۔" سریتا بولی۔ "سناؤ کیا خبر ہے؟ ابھی تک مجھ سے ناراض ہو؟"

"اس روز سوامی جی کی تقریر سننے مجھے اکیلا جانا پڑا۔ وہاں سے نکلی تو میری کار غائب تھی۔ گھر پہنچی تو ڈنر پر بھی تم نہیں آئی تھیں۔" کلپنا ایک سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

"پھر کار کہاں ملی؟" سریتا نے پوچھا۔

"اسے تو پولیس نے صبح ہی ڈھونڈ نکالا تھا۔" کلپنا نے کہا۔

"میں یہ سوچ کر ڈنر پر تمہارے گھر نہیں آئی تھی کہ پہلی بار اپنے ہونے والے ان سے تم ملو گی اور درمیان میں میرا رہنا مناسب نہیں۔" سریتا نے بات بنائی۔

"یہ تو ٹھیک ہے تم ہمارے درمیان آبھی نہیں سکتیں۔" کلپنا مسکرا کر طنز کرتی ہوئی بولی اور پھر کار کو دائیں جانب موڑ کر کہنے لگی۔ "تم نے ڈانس کی خاطر زندگی بھر شادی نہ کرنے کا عہد کیا ہے۔"

"میری بات چھوڑو۔" سریتا بولی۔ "یہ بتاؤ تمہاری ان سے دوستی ہوگئی؟"

"دوستی!" کلپنا بولی۔ "ہری تو دن میں تین بار مجھے فون کرتا ہے اور ہر شام ٹھیک وقت پر میری خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔"

"پھر تو مجھے اس سے ملنا پڑے گا۔" سریتا ہنس کر بولی۔

"مل کے کیا کرو گی؟" کلپنا نے پوچھا۔

"یہ دیکھوں گی کہ تمہاری جیسی بے وقوف لڑکی کے پنجے میں پھنسنے والے نوجوان کی صورت شکل کیسی ہے۔ وہ دیکھنے میں کیسا لگتا ہے!"

"خوب صورت ہے۔" کلپنا ہنس کر بولی۔ "میری آنکھوں میں دیکھ لو تمہیں نظر آجائے گا' اگر ہمارے درمیان رام نہ آجاتا تو اب تک ہماری شادی ہو چکی ہوتی۔"

رام کا نام سن کر سریتا چونک پڑی۔ "کیا مطلب؟"

"کیا تم اخبار نہیں پڑھتیں؟" کلپنا نے پوچھا۔

"اوہ .... وہ ..... رام!" سریتا جیسے یاد کرتے ہوئے بولی۔

"نہ جانے وہ پھر کہاں سے ٹپک پڑا اور پولیس کا سارا عملہ اس کے پیچھے پڑ گیا جیسے انہیں کوئی اور کام ہی نہ ہو۔" کلپنا نے کہا اور سریتا کانپ گئی۔ "پچھلے تین چار دنوں سے ہری بھی ہر وقت اسی کی باتیں کرتا رہتا ہے۔"

"اس سلسلے میں ہری کیا کہتا ہے؟" سریتا نے پوچھا۔

"وہ کچھ الجھن میں ہے۔" یہ کہہ کر کلپنا نے کار کا رخ اندھیری روڈ پر موڑ دیا۔

"کیسی الجھن؟" سریتا نے بے چینی سے پوچھا۔

"تمہیں کیا دلچسپی ہے؟" کلپنا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

سریتا الجھ گئی' لیکن وہ فوراً ہی بات بناتے ہوئے بولی۔

"تم تو جانتی ہو پراسرار باتوں سے مجھے دلچسپی ہے۔" کلپنا نے کہا۔

"پھر بھی ہری کی الجھن کیا ہے؟" سریتا نے پھر پوچھا۔

"تم خود سوچ لو۔"

"میں کیا جانوں؟"

"واہ!" کار سیدھی سڑک پر بھاگی جا رہی تھی۔ "اتنی ساری جاسوسی کتابیں پڑھ کر بھی تم اس الجھن کا حل تلاش نہیں کرسکتیں!" کلپنا نے کہا۔

سریتا نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "شاید یہ الجھن تاتیا کے متعلق ہو سکتی

ہے۔"

سریتا کی بات سن کر کلپنا حیرت زدہ رہ گئی۔ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ سریتا درست جواب دے کر اسے چونکا دے گی۔ چند لمحوں بعد وہ بولی۔ "بالکل ٹھیک سمجھا ہے تم نے! اب تم ڈانس کرنا چھوڑ دو اور خفیہ پولیس میں بھرتی ہو جاؤ۔"

سریتا اصل موضوع سے ہٹنا نہیں چاہتی تھی لہٰذا پھر بولی۔ "ہری کیا کہتا ہے؟"

"ہری کی سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ پولیس کو اپنی طاقت کا جو استعمال تاتیا کے سامنے کرنا چاہیے' اسے وہ صرف رام کے خلاف ہی کیوں استعمال کر رہی ہے؟" سریتا کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کلپنا نے کار کا رخ ساکی ناکا سے پوائی لیک کی جانب موڑ دیا' پھر بولی۔ "تاتیا اس ملک کے لئے کینسر ہے' اندھیرے کا قاتل! زیر زمین رہ کر وہ برسوں سے غیر قانونی دھندے کر رہا ہے جبکہ رام کا نام تو کچھ دن سے سامنے آیا ہے۔"

کلپنا کی بات سن کر سریتا کو اس بات کا تو یقین ہو ہی گیا کہ پولیس آفیسر ہری نوجوان ہے۔ اس کے خیالات بھی نئے ہیں' وہ نئے انداز سے سوچ سکتا ہے۔ اگر رام کا مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے تو وہ ضرور کوئی اس کا حل نکال سکتا ہے۔ اگر رام اور ہری ایک ہو جائیں تو وہ تاتیا کو اس کے خفیہ ٹھکانے سے باہر نکال سکتے ہیں۔

پوائی لیک کے قریب بنے ہوئے ایک خوب صورت باغ کے پاس آکر کلپنا کی کار رک گئی تو سریتا کار کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔ "یہاں کیوں لائی ہو؟"

"کیوں؟" دوسری طرف سے کلپنا نکلتی ہوئی بولی۔ "تم نے ہی تو فون پر کہا تھا کہ تمہیں کسی پرسکون جگہ پر بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرنی ہیں اور اس جگہ سے بہتر پرسکون جگہ تمھیں بمبئی میں کہیں اور نہیں مل سکتی۔"

سریتا نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ ایک بہت بڑا اور بے حد خوب صورت باغ تھا۔ ہر جگہ پھول ہی پھول کھلے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ باغ کی دوسری جانب ایک بہت خوب صورت بنگلا تھا۔ سریتا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کس کا بنگلا ہے؟"

اس سے پہلے کہ کلپنا اس کی بات کا جواب دیتی باغ کے درمیان بنے ہوئے

ایک چھوٹے سے کیبن سے چوکیدار نکل کر ان کے سامنے آگیا اور دونوں کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔ "آپ کا نام؟"

"کلپنا۔" کلپنا نے اپنا نام بتاتے ہوئے پوچھا۔ "آج یہاں سناٹا کیوں ہے؟"

"مہا کرانسی جی تین دن کے لئے سمادھی میں ہیں۔" چوکیدار نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اس لئے وہ ملاقاتیوں کو درشن نہیں دیں گے۔"

بڈلک سریتا!" یہ کہہ کر کلپنا نے پھر چوکیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ کچھ دیر اس باغ میں بیٹھ سکتے ہیں؟"

چوکیدار نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ چپ چاپ اپنے کیبن کی طرف چل پڑا تھا۔ نرم نرم سبز گھاس پر چلتی ہوئی وہ دونوں ایک سایہ دار درخت کے نیچے آکر بیٹھ گئیں۔ سریتا ایک بار پھر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی سہیلی کلپنا اسے مہاکرانسی سوامی جی کی' ستیہ بھومی' پر لے آئے گی۔ اس بنگلے کا نام یہی تھا۔ جہاں جہاں تک اس کی نظر جاسکتی تھی' وہاں وہاں تک اسے مختلف رنگوں کے پھول دکھائی دے رہے تھے۔ سایہ دار درختوں کے ساتھ ساتھ ہریالی پھیلی ہوئی تھی۔

"یہ جگہ تمہیں کیسی لگی؟" کلپنا نے پوچھا۔

"دل خوش ہو جائے یہ ایسی جگہ ہے۔" سریتا بولی۔ "لگتا ہے مجھے تمہارے مہاکرانسی سوامی جی سے بھی ملنا پڑے گا۔"

"ہری بھی ان سے ملنے کا خواہش مند ہے۔" کلپنا بولی۔ "ایک دن تم دونوں کو ساتھ لے آؤں گی۔"

"کیا ہری کو بھی مذہبی باتوں سے دلچسپی ہے؟" سریتا نے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتی لیکن مہا کرانسی سے مل کر تم دونوں کے خیالات بدل جائیں تو اس پر مجھے حیرت نہیں ہوگی۔ ان کی آنکھوں میں کچھ ایسا جادو ہے کہ پتھر بھی موم ہو جاتا ہے۔"

"اچھا!"

"یہ ابھی پچھلے ہی برس کی بات ہے۔" ایک واقعے کی یاد آتے ہی کلپنا مزید

بولی۔" ایک شخص مہاکرانسی کی جان لینے کی نیت سے یہاں آیا تھا۔ اس کی جیب میں پستول تھا اور اس کا ارادہ اسی پستول سے انہیں شوٹ کر دینے کا تھا۔" سریتا چپ چاپ اس کی اس بات کو توجہ سے سن رہی تھی۔ "مہاکرانسی کی قدم بوسی کے لئے وہ ان کے قریب آیا اور اسی وقت اس شخص سے ایک چھوٹی سے غلطی ہو گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر مہاکرانسی کی طرف دیکھ لیا' اور بس کھیل ختم ہوگیا۔ سب کچھ بھول کر اس نے اپنا پستول مہاکرانسی کے قدموں میں رکھ دیا اور ان کے پیروں سے لپٹ کر رونے لگا۔"

"لیکن۔" کچھ سوچ کر سریتا نے کلپنا سے پوچھا۔" اس شخص کو مہاکرانسی جیسے سادھو کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟"

"کیا لوگوں نے یسوع مسیح کو سولی پر نہیں چڑھایا تھا؟" کلپنا بولی۔ "مہاتما گاندھی کو قتل نہیں کیا گیا تھا ؟"

سریتا یہ دلیل سن کر خاموش رہ گئی۔

○

ہوٹل ستارا کے خوب صورت سوئمنگ پول کی چاروں طرف بچھی ہوئی کرسیوں میں ایک نسبتاً پرسکون جگہ دیکھ کر رام اور مس پاٹل آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

مس پاٹل کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ وہ اٹھائیس تیس سال کی ایک خوب صورت اور پرکشش عورت تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ تیس سال کی عمر میں ہی وہ چالیس سال کا تجربہ رکھتی ہے۔ اس وقت اس نے چست پائنچے کی شلوار اور کریم کلر کرتہ پہن رکھا تھا۔

"ہاں تو مس پاٹل !" بیرا کھانا رکھ گیا تو سوپ کا پیالہ آگے بڑھاتے ہوئے رام' مس پاٹل سے بولا۔" آپ کی پیش کش پر غور کیا جاسکتا ہے' لیکن ایک بات کا آپ کو خیال نہیں ہوگا۔"

کون سی بات ؟" مس پاٹل چمچے سے سوپ اپنے پیالے میں ڈالتی ہوئی بولی۔

یہی کہ آپ کے آرگنائز کیے ہوئے اس ادارے کا نام ذرا بدنام ہے۔" رام رک رک کر آہستہ سے بولا۔

"یہ تو آپ نے ایک نئی خبر سنائی ہے ؟" مس پاٹل ذرا حیرت سے بولی۔

"یہ بات شاید آپ کے لئے نئی ہوگی۔" رام سوپ پیتا ہوا بولا۔ "لیکن ہر کوئی یہ جانتا ہے کہ جم لینڈ کے دو پارٹنر ہیں ایک آپ اور دوسرا سلیپنگ پارٹنر تاتیا ہے۔"

رام کے یہ الفاظ سنتے ہی مس پاٹل پر جیسے بجلی گر پڑی۔ اس کی آنکھیں جیسے حیرت سے پھیل گئیں اور پھر اچانک وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر جانے لگی۔

رام نے پھرتی سے اس کی کلائی پکڑ لی اور بولا۔" ابھی کاروبار کی بات ختم نہیں ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اس کی نازک کلائی کو دبایا اس دباؤ میں دھمکی تھی۔

"کون ہو تم ؟" مس پاٹل دوبارہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"یہ تو آپ جان چکی ہوں گی کہ میں کاروباری نہیں ہوں۔" رام بولا۔

"اسی لیے پوچھ رہی ہوں کہ کیا چاہتے ہو ؟" وہ بولی۔

"وہی جو تم لوگ چاہتے ہو۔" رام بولا۔

"مطلب ؟"

"رام !" رام آہستہ سے بولا۔

"رام ؟" مس پاٹل اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"ہاں۔" رام بولا۔ "اسے زندہ یا مردہ لانے کے لئے ہم نے ایک گینگ کو لاکھ روپے کی پیش کش کی ہے اور ایک دوسرے گینگ کو تم لوگوں نے بھی اتنی رقم کی آفر کی ہے۔ مجھے یہ جاننا ہے کہ تم لوگ اس کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟"

جواب دینے سے پہلے مس پاٹل چند لمحوں تک اس کے چہرے کو گھورتی رہی' لیکن وہ کوئی خاص بات نوٹ نہ کرسکی۔ رام اس وقت سردار جی کے میک اپ میں تھا' اور اپنی آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔

"ہم یعنی کون ؟" کچھ دیر بعد مس پاٹل نے پوچھا۔

"ہم یعنی ایک فرم !" رام بولا۔ "جس نے رام کے پیچھے ایک لاکھ روپیہ لگا دیا

ہے اور اب ہماری فرم وہ لاکھ روپیا وصول کرنا چاہتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے اس گینگ نے تمہارا کام پورا نہیں کیا؟" مس پاٹل نے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔" رام بولا۔

"تو یہ غلطی کس کی ہے؟" مس پاٹل نے پوچھا۔

"ہماری۔"

"کس نے غلط گینگ کا انتخاب کیا؟"

"ہم نے۔" رام بولا۔

"تو پھر میری بات مانو۔" مس پاٹل اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ "تم جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ' اسی وقت بلکہ اسی لمحے!"

"کیوں؟" وہ بولا۔

"اس لئے کہ تم موت کے منہ میں جا رہے ہو۔" مس پاٹل نے کہا۔

رام آہستہ سے ہنسا' یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ بزدل نہیں ہے' پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "میں بزدل نہیں ہوں۔"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تمہیں اس کی تلاش کیوں ہے؟" وہ بولی۔

"ایک کام کے لئے ہم نے اسے ایک لاکھ روپیا بھیجا تھا۔" رام بولا۔ "اور وہ لاکھ روپے وہ یونائیٹڈ بینک کی جنرل برانچ سے وصول بھی کرچکا ہے۔ یہ بات تم لوگوں کو بھی معلوم ہوگی اور اب جب تک وہ لاکھ روپیا میں اس سے وصول نہیں کرلوں گا' اس شہر کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

"لیکن مجھے جو کچھ کہنا تھا' وہ میں کہہ چکی۔" مس پاٹل نے کہا۔

"مگر ابھی مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔" رام بولا۔

"کیا؟"

"تم لوگ درمیان سے ہٹ جاؤ۔" رام کے الفاظ صاف اور سخت تھے۔ "کیونکہ جو لاکھ روپیا تم لوگ وصول کرنا چاہتے ہو' وہ ہمارا ہے اور ہمارے معاملات میں دخل دینے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔"

یہ سن کر مس پاٹل دم بہ خود رہ گئی۔ رام نے چھپے لفظوں میں تاتیا کو وارننگ دی تھی۔ مس پاٹل کی زندگی میں یہ پہلا شخص تھا جس نے بے خوف و خطر تاتیا کو دھمکی دی تھی۔ وہ سوچنے لگی شاید یہ شخص ہوش میں نہیں ہے۔ "ہمیں رام کے روپوں سے کوئی غرض نہیں ہے؟

آخر وہ بولی۔

"اچھا!" وہ بولا۔ "ہمیں یعنی کسے؟"

"میرا خیال ہے تم جانتے ہو!" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

"میں صرف یہی جانتا ہوں کہ جم لینڈ کے وہ پارٹنر بھی اس میں شامل ہیں اور اگر میں چاہوں تو تمہارے اس جم لینڈ میں چوبیس گھنٹے کے اندر تالا لگوا دوں۔"

"مسٹر تارا سنگھ!" مس پاٹل سے رام کی یہ بات برداشت نہ ہوسکی۔ وہ بھاری اور تیز لہجے میں بولی۔ "تم یہ بھی نہیں جانتے کہ تم کیا بک رہے ہو؟"

"میں بالکل ہوش میں ہوں۔" رام بولا۔ "اور اکیلا بھی نہیں ہوں۔ میرے آدمی رام کو اپنے قبضے میں کرکے ہی رہیں گے۔"

"وہ تم لوگوں کے ہاتھ نہیں آئے گا۔" مس پاٹل نے کہا۔ "رام جیسا خطرناک اور چالاک قاتل دوسرا کوئی نہیں ہے۔ ہمارے ہاتھ آکر وہ ایک بار نہیں دو بار نکل چکا ہے' لیکن اب وہ نہیں بچ سکتا! ہمارے آدمی دن رات اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔"

"تو مہربانی کرکے اپنے آدمیوں کو اب واپس بلا لو۔" رام بولا۔

"تم واقعی پاگلوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہیں یہ بھی علم نہیں کہ تم کس کو دھمکیاں دے رہے ہو! مجھے تم پر ترس آرہا ہے۔" مس پاٹل بولی۔

"ترس تو مجھے تم پر آرہا ہے۔" رام سکون سے کہہ رہا تھا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ رام اور ہمارے درمیان تاتیا زبردستی اپنی ناک رگڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"کیا؟"

"ہاں۔" رام بولا۔ "اس کی طرح کتنے ہی لوگ سینہ تان کر ہمارے سامنے آئے اور چلے گئے ان سے کچھ بھی نہ ہوسکا۔"

"وہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کرکے گٹر میں پھینک دے گا اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔" مس پاٹل آنکھیں نکال کر بولی۔

"یہ تمہاری بھول ہے۔" رام اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "تمہاری طرح نادان لوگ اس کی دھونس میں آجائیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے' لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ آج تک رام کو زیر نہیں کرسکا ہے اور ہمارا بھی وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا' کیونکہ ہمارے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا جبکہ ہم اسے اور اس کے آدمیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"اس سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا! خیر تم کیا جاننا چاہتے ہو؟ اس نے پوچھا۔

صرف اتنا کہ وہ رام کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟"

رام نے کہا۔

"اس لیے کہ رام نے تاتیا کو للکارا تھا۔ وہ اس کی برابری کرنے لگا تھا' لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ وہ اندھیرے کے شہنشاہ کی جگہ لینا چاہتا تھا۔ رام دنیا کا خطرناک ترین آدمی بننا چاہتا تھا۔ وہ پیشہ ور قاتل کی حیثیت سے دنیا بھر میں خود کو منوانا چاہتا تھا۔" اتنا کہہ کر مس پاٹل چند لمحوں کے لئے رکی اور پھر بولی۔ "لیکن اب تاتیا اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

رام کے سر میں جیسے دھماکے ہونے لگے۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ اپنے آپ کو قابو رکھتے ہوئے اس نے ایک اور سوال کیا۔ "رام کون ہے؟"

"کیا یہ جانے بغیر ہی تم لوگ اس سے کسی قسم کا معاہدہ کر بیٹھے تھے؟"

"رام کون ہے؟" اس نے مس پاٹل کے سوال پر توجہ ہی نہیں دی۔

"یہ تو دنیا جانتی ہے۔" وہ بولی۔ "وہ یو پی سے یہاں آیا تھا۔ وہاں وہ چھوٹی موٹی چوریاں کرتا تھا اور اکثر تنہا راہگیروں کو لوٹ لیا کرتا تھا۔ پولیس اس کے پیچھے پڑ گئی تو وہ بھاگ کر یہاں آگیا۔ یہاں آکر اس نے جیب تراشی شروع کردی۔ اور پھر آہستہ آہستہ وہ کموٹی پورا جیسے بدنام علاقے کا دادا بن گیا' لیکن اس سے مطمئن نہیں ہوا۔ وہ بمبئی شہر کا دادا بننا چاہتا تھا۔ اسے تاتیا کی برابری کرنی تھی۔ اس نے لوگوں کو قتل کرنے کا دھندا شروع کردیا۔ تاتیا کو نیچا دکھانے کے لئے اس نے اندھا دھند بہت سے لوگوں کا خون کیا۔ تاتیا نے آخری بار اسے وارننگ دی' لیکن اس نے بھی تمہاری طرح تاتیا کا مذاق اڑایا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا! آج کسی چوہے کی طرح وہ اس بل سے اس بل میں چھپتا پھر رہا ہے۔"

اچانک جیسے رام کے سر پر بم پھٹ پڑا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کے درمیان اپنا سر دبا لیا۔ حقیقت اس کے سامنے تھی۔ سب کچھ اسے صاف نظر آرہا تھا۔ دھندلاہٹ دور ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک قاتل کھڑا تھا وہ اس کے سائے کو اچھی طرح دیکھ رہا تھا اور سریتا نے اس سے کہا تھا کہ وہ بے قصور ہے' معصوم ہے۔ اگر سریتا اس وقت یہاں موجود ہوتی تو اسے بھی یقین ہو جاتا کہ وہ کون ہے؟ کیا تھا؟ اور کیا ہے؟

اس کی پیشانی پسینے سے تر ہوگئی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سر سے ہٹا لیا اور دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے والی کرسی خالی پڑی تھی۔ مس پاٹل جانے کب جاچکی تھی۔

مس پاٹل کی تلاش میں اس نے دور دور تک نگاہ ڈالی' سوئمنگ پول میں تیرتے ہوئے کچھ لوگوں پر بھی اس کی نظر پڑی۔ پول کی چاروں طرف بکھری ہوئی میز کرسیوں پر کچھ لوگ اب بھی بیٹھے کھا پی رہے تھے' لیکن ان میں کہیں بھی مس پاٹل نہیں تھی۔

مس پاٹل کے اس طرح غائب ہو جانے سے اسے خیال آیا کہ اب وہ محفوظ نہیں ہے۔ خطرہ اس کے چاروں طرف منڈلا رہا ہے جس طرح بھی ممکن ہو اس جگہ سے فوراً ہی نکل جانے میں اس کی بھلائی ہے۔ بیرے کو بلا کر اس نے بل ادا کیا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔ مس پاٹل کی زبان سے اپنے متعلق اس نے جو کچھ سنا تھا' اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ماضی داغدار ہے۔ جرائم کی ایک لمبی فہرست اس کے نام کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اسے سریتا کا خیال آیا اور سوچنے لگا' وہ بے چاری تو ایک معصوم لڑکی ہے' بالکل ہی بے قصور! سریتا سے محبت کرنے کا اسے کوئی حق نہیں۔ سریتا اور اس کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہوچکی تھی یہ دیوار' ریت' چونے اور سیمنٹ کی دیوار نہیں' مردوں کی دیوار تھی اور انسانی ڈھانچوں کی دیوار تھی جو اس

کے اپنے ہاتھوں سے تعمیر ہوئی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچ لیا کہ وہ سریتا کی زندگی سے نکل جائے گا' بہت دور چلا جائے گا تاکہ وہ اس کے سائے سے بھی محفوظ رہے۔

○

مندر کا پجاری **بھیکو** مندر کے دروازے پر چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ آج نہ جانے کیوں مندر میں پوجا پاٹ کرنے والوں کی بھیڑسی لگی ہوئی تھی۔ دو آدمی اندر سے نکلتے تو چار اور داخل ہو جاتے۔ لوگوں کی اتنی اچھی خاصی تعداد دیکھ کر **بھیکو** کو خوشی ہوتی تھی کیونکہ لوگوں کی جتنی زیادہ تعداد مندر میں آئے گی اتنی ہی زیادہ اسے بھی آمدنی ہوگی' لیکن آج نہ جانے کیوں اسے یہ بھیڑ کھل رہی تھی' شاید اس لئے کہ اس کے پاس ایک گرماگرم خبر تھی جسے وہ جلد سے جلد اگل دینا چاہتا تھا۔

آخر لوگوں کی تعداد کم ہونے لگی' لیکن اندر ابھی تک ایک جوڑا موجود تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ مندر میں داخل ہوگیا۔ اندر آکر وہ بھگوان کی مورتی کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اور آنکھیں بند کرکے بیٹھ گیا۔ "بھگوان!" اس نے اپنے ہونٹ کھولے۔ "تم ہو تو یہ دھرتی ہے' تم ہو تو یہ آسمان ہے' تمہاری کرپا بڑی نیاری ہے بھگوان!"

اچانک پتھر کی مورتی میں جیسے جان پڑگئی۔ اس میں سے آواز نکلنے لگی۔ "سکھی تو ہو **بھیکو**؟"

"جسے بھگوان کا شرن ملا ہو اسے دکھ کس بات کا؟" وہ بولا۔

"پھر آج تمہاری آواز میں اداسی کیوں ہے؟" مورتی سے آواز آئی۔ "تم اطمینان رکھو تمہارے آخری لحات آرام سے گزریں گے اور اس کے لئے میں انتظام کروں گا اور کچھ؟"

بھیکو پجاری نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا' پھر مطمئن ہوکر مورتی سے مخاطب ہوا۔ "سنا ہے رام اپنی یادداشت کھو چکا ہے۔"

○

رات تقریباً ساڑھے آٹھ بجے رام سریتا کے جوہو والے کاٹج پر واپس آیا۔ سریتا اپنے پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی اور شاید لیٹے ہی لیٹے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ دبے قدموں سے اندر آکر وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سامنے ایک چھوٹی سی میز پڑی تھی۔ اس نے ایک کاغذ نکالا اور بال پین سے لکھنے لگا۔ "اچھی سریتا! تمہارے لئے ایک مختصر پیغام ہے۔ اس پیغام کے ہمراہ تمہارے لئے صبح کی فلائٹ سے دہلی کے لئے ایک ٹکٹ بھی ہے اور ہزار روپے بھی۔ گڈ بائی!" اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ سب کچھ صاف تھا ہی۔ وہ سریتا کو اپنی زندگی سے بڑی بیدردی کے ساتھ الگ کر رہا تھا۔ سریتا سمجھ دار ہے' میرا پیغام پڑھ کر سب سمجھ جائے گی۔ اس نے سوچا۔

میز سے ایک لفافہ اٹھا کر اس نے جہاز کا ٹکٹ اور سو سو کے دس نوٹ نکال کر اس میں رکھ دیے' لیکن جونہی وہ اس لفافے کو سریتا کے سرہانے رکھنے گیا' سریتا کی آنکھ کھل گئی۔ "رام!" اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کب آئے؟"

لفافے کو بڑی صفائی سے اپنی جیب میں ڈال کر رام مسکراتا ہوا سیدھا کھڑا ہوگیا اور بولا۔ "بس صرف پانچ ہی منٹ ہوئے ہیں۔"

"مس پاٹل سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"کیا بات ہوئی؟" سریتا نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" یہ کہہ کر وہ پلنگ کے کنارے بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ چلو آج ہم کسی ہوٹل میں کھا آئیں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" سریتا کھڑی ہوگئی۔

رام نے لفافہ تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ کاٹج سے باہر نکل کر انہوں نے گیٹ کو لاک کیا اور ایک طرف چل پڑے۔ جوہو ہوٹل' یہاں سے بالکل ہی قریب تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ چلتے رہے۔

"کیا تم مس پاٹل سے کچھ بھی معلوم نہیں کرسکے؟" سریتا نے پوچھا۔

"کیا تمہیں شک ہے؟" رام چلتے چلتے بولا۔

"کس بات کا؟"

"یہی کہ میں تم سے کچھ چھپا رہا ہوں۔" رام بولا۔

"نہیں۔" سریتا بولی۔ "مجھے امید تھی کہ تمہیں کوئی نہ کوئی کڑی ضرور مل گئی ہوگی۔"

"ہاں' لیکن کچھ بھی نہیں ملا۔" رام ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"تو پھر اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہو؟" سریتا نے کہا۔

"میں پریشان نہیں ہوں سریتا!" وہ بولا۔ "بس ذرا تھک گیا ہوں۔"

جوہو ہوٹل کے آتے ہی وہ اندر داخل ہوگئے اور سمندر کے کنارے لگی ہوئی ایک خالی میز کی طرف آکر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

بیرا جب آرڈر لے کر چلا گیا تو رام اپنی آنکھوں پر سے سیاہ چشمہ ہٹاتا ہوا بولا۔ "سریتا! آج تم بہت خوب صورت نظر آ رہی ہو۔"

سریتا اس کی بات سن کر شرما گئی۔ اس کے پیچھے دور دور تک سمندر پھیلا ہوا تھا جس کی لہریں اچھل اچھل کر شور مچا رہی تھیں۔ سریتا نے گردن گھما کر سمندر کی لہروں کی طرف دیکھا اور بولی۔ "لیکن افسوس کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"کیا اب بھی تم اپنے پرانے خیالات پر قائم ہو؟" رام نے پوچھا۔

"ہاں۔" سریتا مسکرا کر بولی۔ "لیکن ان خیالوں پر میں اٹل نہیں ہوں۔"

"کوئی نئی بات ہوگئی کیا؟" رام ہنس کر بولا اور سریتا شرما کر سمٹ گئی۔ بیرا کھانے کی پلیٹیں میز پر لگانے لگا تھا' اس لیے وہ دونوں خاموش ہوگئے۔ کھانا لگا کر بیرا چلا گیا تو رام اپنی پلیٹ میں فش کٹلیٹ رکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "میرا خیال ہے شاید تمہیں کوئی لڑکا پسند آگیا ہے۔"

"شاید۔" سریتا کٹلیٹ کا ٹکڑا منہ میں رکھتی ہوئی ہنسی۔ "لیکن وہ لڑکا اپنے ماضی سے انجان ہے۔" رام بھی مسکرایا۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" سریتا بولی۔

"وہ کیسے؟"

"اپنے ماضی سے بے خبر آدمی اپنے حال میں زندہ رہتا ہے۔"

"اور فرض کرو کہ اس کی یادداشت واپس آگئی تو؟" رام نے پوچھا۔

"تو!" سریتا کچھ سوچنے لگی اور پھر اچانک ہی اس کا چہرہ اداس ہوگیا۔ اس بات پر تو اس نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ اگر واقعی اس کی یادداشت واپس آگئی اور ماضی کے بند دروازے سے اس کی محبوبہ' منگیتر' یا کوئی بیوی نکل آئی تو کیا ہوگا؟ سریتا سامنے پڑی ہوئی چاول کی پلیٹ کو دیکھنے لگی جس میں سے گرم گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ بہت سارے سوالات شور مچاتے ہوئے اس کے کانوں سے ٹکرانے لگے۔ اب ایک نئی مصیبت اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ یہ نیا سوال تو اس کے پورے وجود کو جھنجھوڑنے لگا تھا۔ اگر واقعی ایسا ہوگیا تو؟ وہ اندر ہی اندر کانپ گئی اور خاموشی سے سمندر کی اچھلتی ہوئی موجوں کا شور سنتی رہی اور پھر یکایک ہی کھانے سے اپنا ہاتھ روک کر کھڑی ہوگئی۔ رام بڑی حیرت سے اس کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے ہی کھڑا ہوگیا اور میز پر کھانا جوں کا توں پڑا رہ گیا۔

سریتا سمندر کی طرف منہ کیے خاموش کھڑی تھی۔ رام پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "سریتا! مجھے معاف کر دو میں تمہیں اداس کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

اچانک سریتا نے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا اور سسک سسک کر رونے لگی۔ پھر روتے ہی روتے وہ کہنے لگی۔ "رام! کیا تمہاری کوئی محبوبہ تھی؟"

"میں نہیں جانتا۔" رام دھیرے سے بولا۔

"یاد کرو!" سریتا بولی۔ "کیا تم شادی شدہ ہو؟"

"مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔" رام بے بسی سے بولا۔ "اور جو چیز سامنے نہ ہو اسے یاد کر کے اداس ہونے کا بھی تو کوئی فائدہ نہیں۔"

"لیکن اگر کوئی ہوئی تو؟" سریتا نے کہا۔

"میں بھی تم سے یہی سوال کرتا آیا ہوں۔" رام اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اگر میں واقعی ایک قاتل ہوا تو؟ اور اس سوال کا جواب میں نے تمہارے اندر تلاش کیا تھا۔ تم بھی اپنے اس سوال کا جواب اپنے اندر ہی تلاش کرو! تمہارا دکھ درد دور ہو جائے گا۔"

سریتا نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اپنے اندر جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے مسکرانے لگی۔ جواب اسے مل چکا تھا' اس نے "ہاں" کہہ کر میز کی طرف اشارہ کیا جہاں ان کا کھانا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

رات گیارہ بجے دونوں کاٹیج تک واپس آگئے اور رام ایک جگہ اچانک ہی رک گیا۔ جدائی کا لمحہ آپہنچا تھا۔ اس کا دل سینے کے اندر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ یہ لڑکی سریتا اس سے پیار کرنے لگی تھی اور اب اسے اسی سریتا سے الگ ہو جانا تھا۔ یہ اس کے لئے ایک مشکل کام تھا' لیکن وہ مجبور تھا' ایک معصوم لڑکی کی زندگی برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آج نہیں تو کل ایک دن اسے پھانسی کے تختے پر چڑھنا ہی ہے۔ اس کی قسمت میں پھانسی کا پھندا لکھا ہی ہوا ہے۔ اور اسے ہر قیمت پر مرنا ہی ہے' پھر وہ کیوں اس بے قصور لڑکی کی زندگی کو خطرے میں ڈالے! سریتا کو الگ کر دینے میں ہی سریتا کی بھلائی تھی۔

"تم اندر جاؤ سریتا!" میں اپنا چشمہ ہوٹل کی میز پر ہی بھول آیا ہوں۔"

"جلدی آنا!" یہ کہہ کر سریتا کاٹیج کا گیٹ کھول کر اندر چلی گئی۔

رام چند لمحوں تک خاموش کھڑا رہا اور پھر یکایک ہی وہ بڑی تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگا۔ اندھیری سڑک پر وہ تیزی سے بھاگتا رہا۔ اسے سریتا سے دور' بہت دور نکل جانا تھا' اب نہ اسے اپنی زندگی سے دلچسپی تھی اور نہ موت کا ہی خوف تھا۔ اب نہ تو تاتیا کی ہی اسے پروا تھی' نہ ماضی' حال اور مستقبل کی ہی کوئی اہمیت اس کی نظر میں تھی۔

کپڑے تبدیل کرکے سریتا اپنے پلنگ پر آکر بیٹھ گئی اور پھر جونہی وہ تکیے کا سہارا لینے لگی اس کی نظر ایک سفید لفافے پر پڑی۔ اس نے لفافے کو کھول کر دیکھا۔ اندر سو سو روپے کے دس نوٹوں کے علاوہ بمبئی سے دہلی تک جانے کے لئے ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی موجود تھا۔ پھر وہ ایک ہی سانس میں رام کی لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ گئی۔ وہ ایک دم کھڑی ہوگئی اور بہت زور سے اپنا پاؤں زمین پر مارا جیسے زمین پھٹ گئی ہو اور ایک رقاصہ کے قدم ناچتے ناچتے اچانک ہی رک گئے ہوں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پلنگ پر بکھرے ہوئے نوٹوں کو دیکھنے لگی۔

○

صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے ہی بمبئی کی سڑکوں پر ہلچل شروع ہوگئی۔ دودھ والوں اور اخبار والوں کی بھاگ دوڑ شروع ہوچکی تھی۔ چرچ گیٹ کے پارسی کنویں کے پاس دودھ والوں کی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں اور دوسری طرف کنویں سے پانی نکالنے والوں کی قطار بھی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی تھی۔ رام دوڑتے دوڑتے تھک گیا تھا۔ اس کی سانس بری طرح پھولنے لگی تھی۔ رات کے سناٹے میں سریتا سے وہ کافی دور نکل آیا تھا۔ سریتا کے لئے اب اسے تلاش کرلینا آسان نہیں تھا۔ وہ اب آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ صبح کا اجالا ابھی پوری طرح نہیں پھیلا تھا۔ اچانک اندھیری سڑک پر اس نے لال لال چمکتی دو آنکھوں کو دیکھا۔ وہ رک گیا لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو یہ کالیا تھا۔

دھیرے دھیرے اپنی دم دبا کر کالیا اس کے قریب آگیا۔ اور اس کے پاؤں چاٹنے لگا۔ رام جہاں کھڑا تھا' وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا۔ وہ اکیلا تھا۔ اس کی ساتھی سریتا اب اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اس اندھیری دنیا میں اب کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔

کالیا کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے خوشی ہو رہی تھی۔ یہ کالیا اب بھی اس کا دوست تھا۔ "دوست!" کالیا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ بولا۔ "تمہارا احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ سریتا نے کہا تھا' سکھ کی طرح دکھ میں بھی جو ساتھ دے وہی سچا دوست کہلاتا ہے۔ تم تو ہمیشہ مصیبتوں اور مشکلوں ہی میں میرے ساتھ رہے ہو' تم واقعی بڑے وفادار ہو۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟ کیا ہو؟ اور ہمارے تعلقات کتنے پرانے ہیں؟ لیکن میں اتنا جان گیا ہوں....." وہ تھوڑی دیر کے لئے رک گیا۔ کالیا اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وفاداری تھی ہمدردی کی جھلک تھی اور محبت کی بھوک تھی۔ "کالیا!" وہ پھر بولا۔ "میں قاتل ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ کیا کسی قاتل کو زندہ رہنے کا حق ہے؟ نہیں نا؟"

کالیا نے اپنے دونوں کان ہلا دیے' لیکن اس کا کوئی مطلب نہیں تھا۔

"میرے گناہ سر چڑھ کر پکار رہے ہیں۔" وہ مزید بولا۔ "کالیا ! کچھ تو بولو ! میرے گناہ میرے ضمیر کو جھنجوڑ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ کھڑا ہوگیا اور بولا۔ "تم میرے ساتھ چلو گے ؟ میں خود کو قانون کے حوالے کر دینا چاہتا ہوں۔"

کالیا بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے کے لئے تیار ہی نظر آرہا تھا۔ رام آگے بڑھ رہا تھا۔ پھانسی کے تختے کی طرف اس کے قدم تیزی سے اٹھتے جا رہے تھے۔ کالیا اس کے ساتھ چلنے کی کوشش میں تقریباً" دوڑ رہا تھا۔ صبح کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ میلا آسمان دھیرے دھیرے رنگ بدلنے لگا تھا۔ پولیس اسٹیشن تک پہنچنے سے پہلے رام کے قدم ایک جگہ رک گئے۔ اس نے کچھ دیکھا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی دم توڑتی ہوئی پھیکی روشنی میں ایک اخبار فروش اخباروں کی کاپیاں الگ الگ کر رہا تھا۔ رام نے دیکھا' اخبار کے پہلے صفحے پر سریتا کی تصویر چھپی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی بڑے بڑے حرفوں میں ایک سرخی لگی ہوئی تھی۔ "پٹھان کے قتل میں ملوث ایک لڑکی۔" اس سرخی کو پڑھ کر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے اخبار خرید لیا اور وہیں کھڑے کھڑے پڑھنے لگا اخبار نے لکھا تھا۔

"پچھلے دو سال سے پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر متعدد لوگوں کی جان لینے والا خطرناک قاتل رام ایک بار پھر بمبئی شہر میں آگیا ہے۔ پولیس اس ک گرفتاری کے لئے اپنا جال مضبوط کر رہی ہے اور کرائم برانچ کا پورا عملہ اس کی ت میں مصروف ہوگیا ہے۔ آخری اطلاع کے مطابق رام نے اپنے ایک پرانے ساتھ شنکر لال کو اس کے گھر کی ہی بالکونی سے نیچے دھکیل کر ختم کر دیا ہے۔ پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شنکر لال نے رام کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ جس وقت یہ قتل ہوا اس وقت قاتل کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی اور پولیس کا کہنا ہے کہ یہ لڑکی اس کی محبوبہ ہوسکتی ہے۔ شنکر لال کے قتل کے بعد وہ دونوں پٹن سی روڈ گئے تھے اور وہاں رام کی محبوبہ جس کا نام سریتا بتایا جاتا ہے' اس نے ایک پٹھان کو قتل کر دیا تھا۔ سریتا کے ہاتھوں ہونے والا یہ پہلا قتل ہے' لیکن یہ سلسلہ کہاں جاکر ختم ہوگا ؟ یہ کہنا مشکل ہے۔ پولیس' رام کے ساتھ سریتا کو بھی تلاش کر رہی ہے۔" یہ خبر پڑھ کر رام حیرت زدہ ہوگیا۔" اسے اپنی گرفت میں لینے کے لئے کسی نے سریتا جیسی معصوم

اور بے قصور لڑکی کو استعمال کیا تھا۔ لیکن کون ہے وہ ؟ پولیس ؟ نہیں' یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جو تفصیل اخبارات میں شائع ہوئی تھی' وہ ضرور پولیس کو کسی نے فراہم کی تھی' مگر کون ؟ پھر وہی سوال اس کے سامنے تھا جس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ اس نے سوچا' یہ چال تاتیا کے سوا اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ یہ بات وہ وثوق سے کہہ سکتا تھا کیونکہ تاتیا اس پر ہاتھ ڈالنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ ایک پل وہ اس ہاتھ آجاتا تھا تو دوسرے ہی پل نکل بھی جاتا تھا۔ ایک دروازے سے وہ داخل ہوتا تھا تو دوسرے دروازے سے نکل بھاگتا تھا۔ تاتیا اسے اپنی مٹھی میں بند کرنا چاہتا تھا' لیکن وہ ہوا کی طرح تھا اور ہوا کو کوئی مٹھی میں بند نہیں کرسکا ہے۔

تاتیا کو جب اس بات کا علم ہوا ہوگا کہ وہ اس کے آدمیوں کا جال توڑ کر نکل بھاگا ہے تو اس نے سریتا کا سہارا لے کر اسے پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ شاید تاتیا جانتا ہوگا کہ سریتا کو بچانے کے لئے رام کھل کر سامنے آجائے گا۔

دوسری بات یہ کہ جب وہ سریتا کی جان بچانے کے لئے پرانی گاڑیوں کے قبرستان تک گیا تھا تو اس بات سے بھی تاتیا نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ وہ سریتا سے کس قدر ہمدردی رکھتا ہے ورنہ موت کے منہ میں سے نکل کر کوئی ایک بار پھر موت کے منہ میں جانے کی نادانی نہیں کرتا۔ سریتا کی جان بچانے کے لئے اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال دی تھی۔

تیسری بات تاتیا نے یہ بھی سوچی ہوگی کہ سریتا اپنے متعلق اخبار کی خبروں کو دیکھ کر خود بوکھلا جائے گی اور ممکن ہے' وہ اپنے دشمنوں کے سامنے بھی آجائے اور دشمنوں کو رام پر ہاتھ ڈالنے کا موقع مل جائے۔ ان سب باتوں کو سوچ کر ہی تاتیا نے سریتا کو خبر کا موضوع بنایا ہوگا۔ ساتھ ہی اس نے پولیس کو بھی معلومات بہم پہنچائی ہوں گی کیونکہ رام کی ضرورت تاتیا کو بھی تھی اور پولیس کو بھی۔ اس مسئلہ پر زیادہ نہ سوچ کر رام نے ایک ٹیکسی لی اور اس بار اس نے کالیا کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ جب وہ واپس جوہو پہنچا تو سریتا کا کاٹج باہر سے بند تھا۔ سریتا دہلی جانے کے لئے گھر سے نکل چکی تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا دہلی جانے والی فلائٹ کو ابھی ایک گھنٹے کی دیر تھی۔

اس نے کالیا کو وہیں کاٹج کے دروازے پر چھوڑ دیا اور اسی ٹیکسی میں ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔ ابھی کافی وقت تھا اور یہاں سے ایئرپورٹ بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ صبح کے چھ بج چکے تھے اور اب دھوپ آہستہ آہستہ اونچے اونچے مکانوں کے منڈیروں سے ٹکرانے لگی تھی۔

ٹیکسی کا کرایہ ادا کرکے وہ بڑی تیزی سے ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہوا۔ سریتا اندر لاؤنج میں جانے کی تیاری میں تھی۔ رام نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ سریتا حیرت زدہ سی اسے دیکھتی رہ گئی۔ رام اس وقت صرف ہانپ رہا تھا کچھ کہنے کی طاقت اس میں نہیں تھی۔

اچانک سریتا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور نفرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"پلیز!" آخر رام کے ہونٹ کھلے۔ "واپس چلو سریتا!"

"نہیں!" وہ بولی۔

"میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

"تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوا؟" وہ بولی۔ "میرے احسانوں کے باوجود تم مجھے بیدردی سے ٹھکرا کر چلے گئے!" سریتا کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

اچانک رام کو خیال آیا کہ وہ ایک ایسی جگہ پر کھڑے ہیں جہاں ہر کسی کی نگاہ ان پر پڑسکتی ہے لہٰذا اس نے وقت ضائع کیے بغیر اخبار کا وہ صفحہ سریتا کے سامنے کر دیا۔ سریتا اپنی تصویر اور اخبار کی سرخی پڑھ کر حیران رہ گئی اور پھر آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ دونوں واپس کاٹج میں آگئے تھے۔ کالیا رام کو دیکھتے ہی اچھلنے کودنے لگا تھا۔ کمرے میں آکر سریتا پلنگ کے کنارے بیٹھ گئی اور رام ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دونوں گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے خاموش بیٹھے تھے۔ صرف کالیا ہی کاٹج کے باہر اچھل کود میں مصروف تھا۔

"سریتا!" آخر رام ہی نے خاموشی کو توڑا۔ "جب تک یہ الجھن سلجھ نہیں جاتی ہم دونوں الگ نہیں ہوسکتے۔ اب تو ساتھ رہ کر ہی ہمیں اپنے دشمنوں سے لڑنا ہوگا۔"

سریتا اس کی طرف دیکھ کر بولی۔ "دشمن کون ہے؟"

"تاتیا" وہ بولا۔ "اور تاتیا کون ہے یہ نہ میں جانتا ہوں اور نہ تم جانتی ہو۔"

سریتا نے کوئی جواب نہیں دیا تو رام پھر بولا۔ "مگر پھر بھی میں نے اس کی ایک خفیہ گوٹ پر فتح حاصل کرلی ہے۔"

"کون سی گوٹ؟" سریتا نے پوچھا۔

"جم لینڈ۔"

"تمہارا اشارہ شاید مس پاٹل کی طرف ہے۔" سریتا بولی۔

"ہاں۔" پھر رام نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "مس پاٹل کے کہنے کے مطابق میں ایک پیشہ ور قاتل ہوں اور میں نے تاتیا جیسے تجربہ کار اور ہوشیار قاتل کو للکارنے کی جرات کی تھی اس لیے تاتیا نے اپنے کتے میرے پیچھے چھوڑ دیے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ کچھ دیر کے لئے رکا اور پھر کہنے لگا۔ "سریتا! میں نہیں چاہتا تھا کہ تم یہ سب باتیں جان جاؤ اور تمہیں تکلیف پہنچے اس لئے میں تمہیں خاموشی سے چھوڑ کر نکل گیا تھا۔ میں یہ بھی چاہتا تھا کہ تم دہلی واپس جاکر اپنی زندگی پھر سے شروع کرو، لیکن اس وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ میری زندگی سے الگ ہوکر بھی تم سکھ سے نہیں رہ سکو گی۔ بھگوان کی قسم سریتا اب میں تاتیا کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"تم کیا کرو گے!" سریتا نے پوچھا۔

"یہ وقت بتائے گا۔"

یکایک اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سریتا نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا اور بولی۔ "ہیلو!"

فون دہلی سے آیا تھا۔ دوسری طرف سے اس کے ڈیڈی بول رہے تھے۔

وہ چونک پڑی۔ "یس ڈیڈی! جی ...... جی میں بالکل خیریت سے ہوں۔ نہیں نہیں .... وہ بالکل غلط ہے۔"

رام اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ سریتا کا چہرہ پل پل رنگ بدل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کبھی کبھی حیرت سے کھل جاتی تھیں اور کبھی بند ہونے لگتی تھیں۔ ریسیور

رکھ کر وہ رام کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے ؟" رام نے پوچھا۔

"میرے ڈیڈی تم سے واقف ہیں۔" وہ بولی۔

"واقعی ؟" رام کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔

"ہاں۔" سریتا بولی۔ "انہوں نے کہا ہے کہ ہم دونوں کو یہاں سے کہیں نہیں جانا ہے۔ وہ آج شام کی فلائٹ سے ہماری مدد کے لئے آرہے ہیں۔"

"لیکن تمہارے ڈیڈی مجھے کس طرح جانتے ہیں ؟" رام نے پوچھا۔

"وہ تو آ ہی رہے ہیں معلوم ہو جائے گا۔" سریتا بولی۔ "مجھے امید ہے ان کے آنے سے ہماری پریشانی دور ہو جائے گی اور شاید تمہارے ماضی سے بھی پردہ ہٹ جائے۔ ممکن ہے تم جو سوچ رہے ہو ویسا نہ ہو"

کیا تمہیں اب بھی شک ہے ؟" رام حیرت سے بولا۔ "میں تمہیں ایک ثبوت دے چکی ہوں کہ شری برزاج کا قتل تم نے نہیں کیا۔"

"لیکن یہ ثابت ہوچکا ہے کہ شری برزاج کو قتل کرنے کے لئے مجھے ایک وزنی لفافہ دیا گیا تھا۔" رام نے کہا۔

"نہیں' اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔" سریتا بولی۔

"لیکن لوگ تو یہی کہتے ہیں۔"

"کہتے ہوں گے !" سریتا نے بے پروائی سے کہا۔

رام کو یوں محسوس ہوا کہ اس کی الجھن کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ وہ اس طرح متلاشی نگاہوں سے در و دیوار کو دیکھنے لگا جیسے اس کا ماضی اس کاٹج میں کہیں کھو گیا ہو۔

"رام !" اس کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے سریتا نے اسے تسلی دی۔ "اب تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ کل تک تم جان چکے ہو گے کہ ....."

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی رام بول پڑا۔ "لیکن سوال یہ ہے کہ آنے والے کل کا سورج ہمارے لیے طلوع ہو گا یا نہیں !"

سریتا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش تھی اور رام سوچ رہا

تھا کہ سریتا کی خبر اخبار میں شائع ہوجانے کے بعد اب ان لوگوں کا یہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔ کسی بھی وقت پولیس یہاں چھاپا مار سکتی تھی یا پھر پولیس سے پہلے تاتیا کے کتے اس کاٹج پر حملہ کرسکتے تھے۔ کسی بھی پل کچھ ہو سکتا تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ کیا ہوگا !

یکایک کچھ سوچ کر رام اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر اس نے لپک کر سریتا کا میک اپ بکس اٹھالیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اس نے جلدی جلدی اپنا حلیہ تبدیل کیا۔ اس کا شیو تو یوں بھی دو دن سے بڑھا ہوا تھا۔ اپنے چہرے اور بالوں کے اسٹائل میں ذرا سی تبدیلی کرنے کے بعد اس نے سریتا کو اشارہ کیا۔ سریتا اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پر بیٹھ گئی۔ رام نے اس کے بالوں کو الٹ کر اس کا اسٹائل بدل دیا۔ آئی بروپنسل کی مدد سے اس نے سریتا کی بھوؤں کو مزید گہرا اور ترچھا کر دیا جس کی وجہ سے سریتا کے چہرے میں بھی اچھی خاصی تبدیلی پیدا ہوگئی۔

ابھی وہ اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اچانک کال بیل کی آواز سن کر وہ چونک اٹھا۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ کون ہوسکتا ہے ؟ وہ سوچنے لگا۔

سریتا اسٹول سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے رام کی طرف دیکھا اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ رام نے ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اب وہ خود دبے پاؤں کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے ایک سوراخ سے جھانک کر دیکھا اور پھر ایک لڑکی کا چہرہ اسے دکھائی دے گیا۔ اس نے ایک بار پھر بڑے غور سے دیکھا اور پھر اچانک اس کے سر پر ہتھوڑے سے برسنے لگے لیکن اس کی نگاہ اب بھی اس لڑکی کے چہرے کو دور سے دیکھ رہی تھی۔ کیا یہ لڑکی اس کے ماضی کے دھندلکے میں سے اپنے چہرے کی جھلک دکھا رہی ہے ؟ پھر یکایک اس نے کچھ سوچے بغیر بے دھڑک دروازہ کھول دیا۔ سفید سوتی ساری میں ملبوس یہ لڑکی گھروں گھروں گھومنے والی ایک سیلز گرل تھی۔ اس کے داہنے کندھے پر کپڑے کا ایک تھیلا جھول رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں خرگوش مارکہ اگر بتی کے دو بڑے پیکٹ تھے۔ یہ ایک نئی کمپنی کا مال تھا۔ ایک اگر بتی رات بھر جلتی تھی جس کی خوشبو سے مچھر بھی بھاگ جاتے تھے۔

"جناب!" رام کی طرف دیکھے بغیر اس سیلز گرل نے اپنے تھیلے میں سے اگر بتی کا ایک فری سیمپل نکالا اور پھر جیسے ہی اس نے رام کے چہرے کو دیکھا تو بس دیکھتی ہی رہ گئی۔ "رام!" چند لمحوں کے بعد وہ بولی۔

"ہاں۔" رام کے ہونٹ جیسے خود بہ خود حرکت میں آگئے۔

"مجھے نہیں پہچانا؟" وہ بولی۔ "میں گکو ہوں۔"

رام نے ایک بار پھر بڑے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا ایک بار پھر اس کے سر میں دھماکے سے ہونے لگے۔ گکو! اس نے دل ہی دل میں اس نام کو دہرایا' لیکن اسے کچھ بھی یاد نہیں آیا۔ پھر بھی اسے یقین سا ہونے لگا کہ یہ لڑکی اس کے ماضی کی دھند لکے سے نکل کر جیسے اچانک اس کے سامنے آکھڑی ہوئی ہے۔

گکو کو اندر آنے کا اشارہ کرکے اس نے دروازہ بند کرلیا' اب اسے ساتھ لے کر سریتا والے کمرے میں آگیا اور پھر پوچھا۔ "گکو کون؟"

"میرا خیال ہے تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" گکو بولی۔

"نہیں نہیں' میں بالکل ٹھیک ہوں۔" رام فوراً بولا۔ "میں تو تمہیں کبھی نہیں بھول سکتی۔" گکو بولی اور قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ "تم نے تو مجھے نئی راہ دکھائی ہے۔ آج میں خوش ہوں تو اس کے ذمے دار تم ہو۔ نہیں تو میں کیا کرتی؟ ایک ٹھکرائی ہوئی لڑکی' کموٹی پورا کی ایک سستی طوائف!"

رام' سریتا کے ساتھ پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ سریتا بھی بڑی حیرت سے گکو کو دیکھ رہی تھی۔

"تم طوائف تھیں؟" رام بولا۔ "تو پھر میں کیا تھا؟"

"کیا تم دکھوں کے وہ دن بھول گئے ہو؟" گکو نے پوچھا۔

"شاید!"

"میں نہیں مان سکتی!" وہ بولی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ تم نے ٹومی کو تو پہچان لیا ہے۔" گکو نے کہا۔

"ٹومی کون؟" رام حیرت سے بولا۔

"وہی اپنا کالا کتا!" گکو نے کہا۔ "اسے میں نے ابھی باہر ہی دیکھا تھا۔ کیا تم اسے بھی نہیں جانتے؟"

"گکو!" رام بے بسی سے بولا۔ "مجھے یہ نہیں جانتا کہ ٹومی کون ہے؟"

یہ سن کر گکو جیسے کچھ الجھن میں پڑگئی۔ اس کے چہرے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ شاید اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ رام جو کچھ کہہ رہا ہے' وہ سچ ہے۔

آخر وہ کچھ دیر کے بعد بولی۔ "ان دنوں تم یوپی سے نئے نئے آئے تھے۔ تمہارے سر پر چھت کا سایہ نہیں تھا۔ رات میرے کمرے کے باہر چبوترے پر تم سویا کرتے تھے۔ تمہاری آمدنی کا ذریعہ جیب تراشی تھا۔ دن کے وقت تم بس اسٹاپ کی بھیڑ میں لوگوں کی جیبیں کاٹتے رہتے تھے۔"

سریتا بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ گکو کہہ رہی تھی۔ "ایک رات کسی گاہک کے ساتھ میرا جھگڑا ہوگیا۔ وہ شراب کے نشے میں چور تھا۔ جب وہ مجھے مارنے لگا تو تم اچانک بیچ میں کود پڑے۔ تم نے مار مار کر اس کی حالت خراب کردی۔ وہ گاہک کموٹی پورا کی تیسری گلی کا دادا شنکر تھا۔ دوسرے دن سے لوگ تمہیں دادا ماننے لگے اور پھر میں نے تمہیں اپنے کمرے میں رہنے کے لئے جگہ دے دی۔ سارا دن تم باہر رہا کرتے اور کافی رات گئے میرے کمرے میں آکر سو جایا کرتے۔ پھر ہم دونوں دن بھر کی تھکن بھلا دیا کرتے تھے۔ ان دنوں ...... ہم ...... ہم کتنے خوش تھے رام!"

یہ سن کر سریتا تھرتھرا گئی اور پہلی بار اس نے بڑی عجیب نگاہوں سے رام کی طرف دیکھا۔ اس وقت رام نے بھی چور نگاہوں سے سریتا پر نگاہ ڈالی اور اس کے چہرے کو کھلی ہوئی کتاب کی طرح پڑھنے لگا۔ اسے یوں لگا کہ گکو کو گھر کے اندر بلا کر اس نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے' لیکن وہ مجبور تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

"پھر....." گکو نے کہنا شروع کیا۔ "مجھے تم سے محبت ہوگئی تھی' لیکن تم پیار کے بندھن میں بندھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ تم بڑے ضدی تھے۔ تمہارے سر پر ایک دھن سوار ہوگئی تھی۔ تم تاتیا کی برابری کرنا چاہتے تھے۔ تاتیا نے تمہیں اس

سے باز رکھنا چاہا اور تم نے تاتیا کو للکارا۔ تم یہ نہیں جانتے تھے کہ تاتیا کون ہے؟ پھر کسی طرح تمہیں یہ شک ہوگیا کہ ڈسکو ڈن ہل' تاتیا کا ایک اڈا ہوسکتا ہے۔ تم نے اپنا دماغ لڑایا اور وہاں تم نے مجھے ویٹرس کی ملازمت دلا دی۔ اس طرح میں کموٹی پورا کے گڑھے سے نکل کر باہر کی دنیا میں آگئی۔" گکو کی آواز میں ایک عجیب سا جوش تھا اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک آگئی تھی۔ چند لمحوں تک وہ خاموش رہی اور پھر کہنے لگی۔ "ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ ڈسکو ڈانسر دینا' تاتیا کی رکھیل ہے اور یہ راز میں نے تمہیں چپکے سے بتا دیا۔ تم اسی دن سے دینا کے پیچھے لگ گئے۔ دینا کو تم نے اپنی محبت کے جال میں پھنسا لیا اور پھر اسی سے تمہیں شری براج کے قتل کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔ شری براج کا قتل تاتیا خود کرنا چاہتا تھا' لیکن اس سے پہلے کہ تاتیا شری براج کو قتل کرنے کے لئے جائے تم اچانک گم ہوگئے۔ پھر میں ڈسکو ڈن ہل کی نوکری چھوڑ کر سیلز گرل بن گئی۔ میں آج سے پہلے یہ نہیں جان سکی کہ تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو! آج تمہیں دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے' مگر اس بات پر افسوس بھی ہو رہا ہے کہ تمہاری یادداشت گم ہوگئی ہے۔ افسوس کہ تم مجھے بھی بھول چکے ہو جب کہ میں نے دن رات تمہاری خدمت کی ہے۔ میں نے تمہیں وہ پیار دیا تھا جو آج تک کسی کو نہیں دیا' اور..... اور آج میں ہی تمہارے سامنے اجنبی کی طرح بیٹھی ہوں۔" یہ کہہ کر گکو رو پڑی۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے وہ کچھ دیر تک سسکتی رہی' پھر اٹھ کر باتھ روم کی طرف چل دی۔

سریتا' رام کی طرف عجیب نظروں سے دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی۔ رام جسے میں دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگی ہوں' یہی رام ایک طوائف کے ساتھ ایک عرصہ تک اپنی راتیں گزار چکا ہے! آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ ماضی کا دروازہ کھول کر آخر اس کی محبوبہ اس کے پاس پہنچ ہی گئی۔ دوسری طرف رام دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اپنی تکلیف کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت اس کی حالت بڑی قابل رحم تھی۔ سریتا یہ فیصلہ نہیں کرسکی کہ اسے رام سے محبت کرنی چاہئے یا نفرت؟

○

گکو نے باتھ روم کا دروازہ اندر سے بند کرلیا تھا اور اب وہ بڑی ہوشیاری

سے کموڈ کے پیچھے ٹائم بم سیٹ کر رہی تھی۔ ٹھیک بارہ منٹ بعد وہ بم اس کاٹیج کو اڑا دیتا۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ چپ چاپ باہر آگئی۔ اور رام سے مخاطب ہوئی۔ "رام! میں جانتی ہوں کہ اب تم مجھے نہیں چاہتے لیکن جب بھی تمہیں میری ضرورت ہو بے دھڑک میرے پاس آجانا۔ میرے گھر کے دروازے ہمیشہ تمہارے لئے کھلے رہیں گے۔"

یکایک رام اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "لیکن ابھی تک تم نے مجھے اپنا پتا نہیں بتایا!"

"اوہ۔" کہہ کر اس نے خرگوش مارکہ اگر بتی کا ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا اور بولی۔ "میں اس کمپنی کی سیلز گرل ہوں۔"

رام نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ وہ اسے اپنے اور قریب کرتا ہوا بولا۔ "اس علاقے میں مچھر نہیں ہوتے پھر یہاں تم یہ اگر بتی کیوں بیچنے......"

رام کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ گکو نے اچانک اس کے پیٹ میں گھٹنا مارا چوٹ اتنی شدید تھی کہ رام کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ وہ دہرا ہوگیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ دبا رکھا تھا۔ گکو نے دوسری ضرب اس کی گردن پر لگائی اور رام گکو کے قدموں میں ڈھیر ہوگیا۔ سریتا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا تھا۔ کہ وہ بے وقوف کی طرح دیکھتی رہ گئی تھی۔

باتھ روم کے اندر سیٹ کئے ہوئے ٹائم بم کے اسٹاپ واچ کی سوئی آہستہ آہستہ اپنے چکر پورے کرتی جا رہی تھی۔ گکو بڑی تیزی سے چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ لیکن اچانک رام نے اس کا پاؤں پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ وہ نیچے گر پڑی۔ سریتا ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آچکی تھی۔ وہ جیسے ہی رام کی مدد کے لئے آگے بڑھی' رام اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہوگیا' لیکن گکو کھڑی نہ ہوسکی۔ رام کا ایک پاؤں اس کے پیٹ پر تھا۔

گکو نے اپنے دونوں ہاتھوں سے رام کے پیر کو ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوئی۔ رام نے اپنی جیب سے پستول نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو وہ کانپ گئی۔ رام نے ایک ہاتھ سے اس کے بال پکڑ کر ایک جھٹکے سے

اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اب گکو دیوار سے چپکی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کی پیٹھ رام کی طرف تھی اور رام نے پستول کی نال اس کی پیٹھ پر رکھ دی تھی۔ "گکو!" رام کہہ رہا تھا۔ "آج کل ہر چیز میں ملاوٹ ہوتی رہتی ہے۔ لوگ سچی بات میں جھوٹ بھی ملانے لگے ہیں۔ تمہاری یہ بات درست ہوسکتی ہے کہ تم نے مجھے اپنے کمرے میں آسرا دیا تھا لیکن یہ غلط ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ راتیں بھی گزاری ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ تمہاری وجہ سے مجھے ڈسکو ڈانسر وینا کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں' لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ تم میری وفادار تھیں۔ تمہاری یہ بات بھی درست ہے کہ وینا سے معلومات حاصل کرکے میں اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں شری برناج کا قتل ہونے والا تھا لیکن اس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ تم لوگ میرے ساتھ ڈبل گیم کھیل رہے ہو' دھوکا کر رہے ہو! مجھے غلط تاریخ اور غلط دن بتا کر تم لوگ میری جان لینا چاہتے تھے لیکن میں مرا نہیں زندہ رہ گیا۔"

ٹائم بم کی اسٹاپ واچ کی سوئی آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی آٹھ چکر مکمل کرچکی تھی۔ آٹھ منٹ گزر چکے تھے۔ قیامت کی گھڑی آنے میں اب صرف چار منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اور یہ راز گکو کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا اس لئے وہ دھماکے کا تصور کرتے ہی کانپ گئی۔

"بتاؤ!" رام بولا۔ "تمہیں یہاں کا پتا کس نے دیا تھا؟"

"ناتیا کو معلوم ہوگیا ہے کہ تم سمندر کنارے کے اس علاقے میں کہیں چھپے ہوئے ہو۔" گکو جلدی جلدی بتانے لگی۔ "تمہاری تلاش میں اس نے کئی لڑکیوں کو ادھر ادھر پھیلایا ہے۔ مجھے بھی سیلز گرل بنا کر تمہاری تلاش میں ہی بھیجا گیا تھا۔ اچانک میری نظر ٹوی پر پڑی اور میں یہاں آگئی۔"

ناتیا کون ہے ؟" رام نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی' کوئی بھی نہیں جانتا۔ پلیز! اب مجھے جانے دو۔"

رام نے اس کی آخری بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ پستول کی نال اس کی پیٹھ میں چبھاتا ہوا وہ بولا۔ "اس کام کے لئے تمہیں احکام کہاں سے ملتے تھے؟"

گکو کے ہونٹ کانپنے لگے تھے۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ دھماکا

ہونے میں صرف تین منٹ رہ گئے تھے۔ پل پل اسٹاپ واچ کی سوئی آگے بڑھتی جا رہی تھی اور موت پل پل قریب آتی جا رہی تھی۔

یکایک رام ایک جھٹکے سے اس کا چہرہ اپنے سامنے کرتا ہوا گرج کر بولا۔ "بتاؤ! ورنہ گولی مار دوں گا!"

"نہیں! نہیں!" گکو ڈرتے ہوئے بولی۔ "لال.... لال..... حویلی سے مجھے حکم ملا تھا۔"

رام کو ابھی اور بھی بہت کچھ پوچھنا تھا لیکن اس کی حسرت پوری نہیں ہوئی۔ گکو نے اچانک ہی اس کے پستول والے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا تھا۔ ایک پل کے لئے رام پستول اٹھانے کے لئے جھکا اور اسی پل گکو نے قریب کی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔

دراصل رام بھی یہی چاہتا تھا۔ وہ گکو کی جان لینا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ چاہتا تھا کہ گکو خود کسی طرح نکل جائے تاکہ وہ چپکے سے اس کا پیچھا کرسکے اور یہ دیکھ سکے کہ وہ کہاں جاتی ہے' کس سے ملتی ہے' لیکن وہ اس طرح بھاگ نکلے گی یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔

"اب ہمارا ایک پل بھی یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے سریتا کا ہاتھ تھام لیا۔ دشمنوں کو ان کے ٹھکانے کا علم ہوچکا تھا۔ گکو سے اس کا پتا لے کر ناتیا کے کتے کسی وقت بھی یہاں آسکتے تھے۔

وہ دونوں کاٹیج سے باہر نکل آئے۔ چند قدموں کے فاصلے پر ایک درخت کے نیچے انہوں نے کالیا کی لاش پڑی ہوئی دیکھی۔ گکو نے کاٹیج میں داخل ہوتے وقت اپنی حفاظت کی غرض سے کالیا کو ختم کردیا تھا۔ رام کا بے زبان مگر سچا اور وفادار دوست مرچکا تھا۔ اس کی لاش دیکھ کر رام کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

ٹھیک اسی وقت ایک زور دار دھماکا ہوا اور اپنے پیچھے انہوں نے کاٹیج کو کھنڈر کے ڈھیر میں تبدیل ہوتے دیکھا۔ جو کچھ باقی رہ گیا تھا اسے آگ کے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

رام سریتا کا ہاتھ پکڑ کر اندھا دھند ایک طرف دوڑنے لگا۔ کاٹیج میں لگی ہوئی

آگ بلند ہونے لگی تھی۔ ان کے بھاگنے کے لئے سڑک سیدھی تھی۔ دونوں اس طرح بھاگ رہے تھے۔ جیسے موت ان کے تعاقب میں ہو۔ سڑک پار کرنے کے بعد چوراہا آتے ہی رام نے گگو کو پارلے اسکیم والی سڑک پر جاتے دیکھ لیا۔ رام، سریتا کے ساتھ ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا۔

رام دیکھنا چاہتا تھا کہ گگو کہاں جاتی ہے؟ کچھ دور آگے جاکر گگو نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اپنے پیچھے کسی کو نہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوگیا اور پھر وہ ایک گلی میں داخل ہوگئی۔ رام اور سریتا درخت کی اوٹ سے نکل کر بڑی تیزی سے اس گلی تک آگئے۔ گلی بالکل سیدھی تھی یہاں سے وہ گگو کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔

گگو نے ابھی آدھی گلی ہی پار کی تھی کہ کہیں سے ایک گولی چلی۔ قریب کے کسی مکان سے کسی نے اس کے سر کا نشانہ لے کر گولی چلائی تھی۔ گولی لگتے ہی اس کا سر ٹکڑے ہوگیا اور وہ گلی کے درمیان میں ڈھیر ہوگئی۔ سریتا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آج سے پہلے اس نے بے شمار جاسوسی کہانیاں پڑھی تھیں اور بے شمار بھیانک ناول اس کی نگاہوں سے گزرے تھے، لیکن آج جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس سے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ وہ سوچنے لگی، کیا انسان کی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں؟

تھوڑے ہی دیر پہلے گگو نے زندہ رہنے کے لئے اپنی طاقت اور ہمت کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا اور اب صرف ایک گولی نے اس کی ساری ہمت اور ساری طاقت کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ گگو کا انجام دیکھ کر سریتا کانپ گئی۔ رام نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ وہ سوچ رہا تھا، اس کے سامنے کوئی ایک مسئلہ نہیں ہے۔

مس پاٹل نے اس سے ایک بات سچ ہی کہی تھی کہ تاتیا سے دشمنی مول لے کر اسے کچھ نہیں ملے گا، وہ بے سکون ہو جائے گا۔ وہ ایک چوہے کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ چھپتا پھر رہا تھا اور تاتیا آرام سے اپنے تخت پر بیٹھا، اپنے آدمیوں پر حکومت کر رہا تھا۔ تاتیا کون ہے؟ یہ سوال اب بھی اس کے ذہن میں پہلے ہی کی طرح الجھا ہوا تھا۔ آج سے پہلے بھی تو کوئی اسے تلاش نہیں کرسکا تھا، پولیس بھی نہیں، رام کبھی نہیں! لیکن اب تک رام نے کچھ حساب لگا ہی لیا تھا۔ بہت ساری بھولی ہوئی یادیں تازہ ہوچکی تھیں۔ مثلاً یہ کہ وہ یوپی کا رہنے والا ہے اور یوپی ہی سے بمبئی آیا تھا۔ بمبئی میں اس نے جیب تراشی سے اپنی زندگی کا آغاز کیا اور پھر آہستہ آہستہ وہ گناہوں کی زندگی میں گہرائی تک دھنستا چلا گیا۔ وہ اپنے آپ کو ایک مشہور اور خطرناک قاتل کی حیثیت سے منوانا چاہتا تھا، لیکن بمبئی کا تاتیا پورے بھارت کا خطرناک ترین قاتل تھا اور جب تک وہ تاتیا کو اپنے راستے سے ہٹا نہ دیتا اس کا پہلا نمبر ہونا مشکل تھا۔ یہ بات اس کی ضدی طبیعت کو گوارا ہی نہ تھی کہ وہ تاتیا کے بعد دوسرے نمبر پر رہے۔ وہ اسی لئے ہمیشہ تاتیا کو للکارتا ہی رہا۔ اس کے لئے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ تاتیا ایک خواب کی طرح تھا، اور خواب خواب ہی ہوتا ہے! تاتیا کا کوئی بھی روپ اس کے سامنے نہیں تھا۔ اس کی کسی بھی شکل سے وہ آشنا نہیں تھا۔

تاتیا کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ اپنے شکار کو زمین کے اندر سے ڈھونڈ کر مچھر کی طرح مسل دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اور رام کو ابھی تک یہ اطمینان تھا کہ اس کی جان اس وقت تک سلامت تھی۔ یہ بھی کوئی معمولی اطمینان نہیں تھا۔ تاتیا کے لئے بھی یہ تکلیف معمولی نہیں تھی، اتنا تو رام جان ہی چکا تھا۔

رام کو ختم کرنے کے لئے اس نے اپنی پوری طاقت لگا دی تھی۔ پھر بھی رام ابھی تک اس کی گرفت میں نہیں آسکا تھا۔ رام اب خود کو قانون کے حوالے کر دینے پر تیار نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ جب تک تاتیا پردے کے پیچھے سے نکل کر میرے سامنے نہیں آجاتا، میری جنگ جاری رہے گی۔

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ اس کے سامنے سر چھپانے کا تھا۔ آخر یہاں سے کہاں جائے؟ سر چھپانے کی جو ایک جگہ تھی، وہ تو جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوچکی تھی۔ اب جلد سے جلد ایک نئی اور محفوظ جگہ کی تلاش بہت ضروری تھی۔

اسے مغل دربار ہوٹل کی یاد آگئی۔ اس علاقے میں اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ہر مہینے اسے وہاں سے ہفتہ ملا کرتا تھا۔ مغل دربار کا مالک اس کا اپنا آدمی تھا۔ وہاں وہ زیادہ نہیں تو دو ایک دن گزار ہی سکتا تھا۔ ایک ٹیکسی روک کر وہ سریتا کے ساتھ کموٹی پورا کی طرف روانہ ہوگیا۔ سریتا ابھی تک گگو کا انجام دیکھ کر گھبرائی ہوئی

تھی اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ کسی جوتشی نے کچھ عرصے قبل اسے بتایا تھا کہ تمہاری زندگی میں ایک زبردست تبدیلی آئے گی۔ تمہارے خیالات اور تمہاری سوچ الٹ پلٹ ہوکر رہ جائے گی۔ اس وقت جوتشی کی یہ بات سن کر وہ ہنس پڑی تھی کیونکہ وہ ایک اچھی رقاصہ تھی۔ اسٹیج اور رقص اس کی زندگی تھی۔ اس سے پہلے وہ خوش اور مطمئن تھی۔ کہاں وہ روشنی سے بھرپور زندگی اور کہاں یہ قتل و غارت گری!

"کیا سوچ رہی ہو؟" رام نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

رام کی آواز سن کر اس نے اپنا چہرہ گھمایا اور بولی۔ "سوچ رہی ہوں میری ریشمی زندگی کو اچانک یہ کیا ہوگیا؟ ان اونچے نیچے راستوں پر ابھی میں اور کتنے دنوں تک دوڑتی رہوں گی؟ کیا اس کا انجام کبھی نہیں ہوگا؟"

رام بھاگتی ہوئی ٹیکسی کی کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا بولا۔ "مجھے تو انجام بہت قریب نظر آرہا ہے۔"

"سچ؟"

"ہاں!" وہ کہہ رہا تھا۔ "ایک کے بعد ایک کڑی ملتی جا رہی ہے اور ہر نئی کڑی ہمیں ناتیا کے اور زیادہ قریب لے جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت ناتیا بھی یہی سوچ رہا ہوگا۔"

"کیا؟" سریتا نے پوچھا۔

"وہی جو تم سوچ رہی ہو کہ انجام کب ہوگا؟ یہ جنگ کب تک جاری رہے گی؟"

ٹیکسی کے کموٹی پورا میں داخل ہونے سے پہلے ہی رام نے پولیس کی ایک وین اور دو جیپوں کو دور سے دیکھ لیا۔ ہوٹل مغل دربار پر پولیس نے چھاپا مارا تھا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو واپس چلنے کے لئے کہا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے رفتار دھیمی کردی۔ کموٹی پورا پر اس وقت سناٹا چھایا ہوا تھا۔ رام کو دور دور تک پولیس کے سپاہی نظر آرہے تھے۔ رام کی تلاش میں پولیس کموٹی پورا کے ہر گھر کی تلاشی لے رہی تھی۔ ٹیکسی اب گرانٹ روڈ کی طرف بھاگ رہی

تھی۔

"اب؟" سریتا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

رام نے فوراً ہی ایک فیصلہ کرلیا۔ وہ ڈرائیور سے بولا۔ "بنشرا فاطمہ گیسٹ ہاؤس۔"

اچانک ان حالات کے بدل جانے سے سریتا کچھ اور بھی گھبرا گئی تھی۔ اگر چند گھنٹے پہلے وہ لوگ کموٹی پورا میں آچکے ہوتے تو اس وقت وہ حوالات کی سلاخوں کے پیچھے ہوتے۔

ٹیکسی اپنی رفتار سے دوڑتی جا رہی تھی۔ سریتا نے اپنی ایک الجھن کے متعلق بڑے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ "پولیس صرف تمہارے ہی پیچھے کیوں لگی ہوئی ہے؟ وہ ناتیا کو کیوں نہیں ڈھونڈتی؟"

"اس کی وجہ تو بالکل صاف ہے۔" رام بولا۔ "اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ پولیس کے بڑے بڑے آفیسر اگر اس کی جیب میں ہوں تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں۔"

"یہ سوال ہری کو بھی پریشان کر رہا ہے۔" سریتا بولی۔

"ہری کون؟"

"میری سہیلی کلپنا کا ہونے والا شوہر، کرائم برانچ کا نوجوان آفیسر!"

"اس کے متعلق تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" رام نے پوچھا۔

"تمہاری غیر حاضری میں ایک بار میں کلپنا سے ملی تھی۔" سریتا بولی۔ "میری یہ خواہش ہے کہ تم ایک بار ہری سے مل لو۔"

"خیال برا نہیں ہے۔" رام کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اگر تمہارا ہری مجھے یہ یقین دلا دے کہ ہماری ملاقات خفیہ رہے گی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

فاطمہ گیسٹ ہاؤس ایک سستا اور چھوٹا سا گیسٹ ہاؤس تھا۔ فلمی دنیا میں اپنی قسمت آزمانے کے لئے نوجوان لڑکے دور دور سے بمبئی آتے تھے۔ انہی نوجوانوں کا یہ پسندیدہ گیسٹ ہاؤس تھا۔ آج کے کچھ مشہور ہیرو پہلے پہل جب بمبئی آئے تھے تو وہ اس گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرے تھے، لیکن رام نے اس کا انتخاب کسی اور وجہ سے کیا

تھا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ تاتیا کے کتے اس کی یہاں موجودگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ یہ گیسٹ ہاؤس شہر کے بالکل درمیان میں واقع تھا۔ جہاں سے ہر جگہ بہ آسانی جایا جاسکتا تھا۔

فاطمہ گیسٹ ہاؤس میں ایک کمرہ بک کرانے کے بعد رام نیچے ایک ہوٹل سے کھانے پینے کا سامان لے آیا۔ دونوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ بھاگ دوڑ کی وجہ سے دونوں تھک بھی چکے تھے۔ کھانا کھاتے ہی سریتا تو لیٹ گئی' لیکن رام کچھ سوچ کر فاطمہ گیسٹ ہاؤس سے باہر آگیا۔ کچھ فاصلے پر ایک بڑا جنرل اسٹور تھا۔ رام نے چند ضروری چیزیں خریدیں جن میں میک اپ کا بھی کچھ سامان تھا۔ کمرے میں واپس آکر وہ بھی سوگیا۔ تقریباً" بارہ گھنٹے کی گہری اور لمبی نیند کے بعد جب ان کی آنکھ کھلی تو اس وقت صبح کے ساتھ بج رہے تھے۔

منہ ہاتھ دھونے کے بعد انہوں نے ناشتا کیا پھر اگلے اقدامات کے متعلق غور کرنے لگے۔

"سریتا!" رام نے دن بھر کے پروگرام کی تفصیل بتاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "آج تمہیں کلپنا سے رابطہ قائم کرکے ہری سے میری ملاقات کی راہ پیدا کرنی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمہارے ڈیڈی بمبئی آچکے ہوں گے اور کاٹج راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے۔ انہیں بھی تلاش کرنا ضروری ہے کیونکہ تمہارے کہنے کے مطابق وہ مجھ سے واقف ہیں۔ میری زندگی کی سب سے بڑی الجھن کو وہ سلجھا سکتے ہیں۔ ماضی سے پردہ اٹھتے ہی میں ایک کھلی ہوئی کتاب بن جاؤں گا۔ پھر نہ تمہیں کوئی شکایت ہوگی اور نہ ہی مجھے کوئی شک!"

"ٹھیک ہے۔" سریتا بولی۔ "لیکن ڈیڈی کو کہاں تلاش کیا جائے؟"

رام کچھ دیر سوچ کر بولا۔ "کیا نام ہے ان کا؟"

"ونگ کمانڈر بترا۔" سریتا نے جواب دیا۔

"فوجی ہیں؟" رام نے پوچھا۔

"ہاں مگر......"

"وہ تھری سولجرز میں سے ایک تو نہیں ہیں؟" اچانک رام بول اٹھا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ بولی۔

"وہ میری بھلائی چاہتے ہیں' یہ تو سچ ہے نا؟"

"ہاں فون پر تو انہوں نے یہی کہا تھا۔"

"پھر تو وہی ہوں گے!" یہ کہتا ہوا رام جوش میں آگیا' پھر بولا۔ "اب ان سے رابطہ قائم کرنے میں مجھے کوئی مشکل نظر نہیں آتی۔ آئندہ کل کے اخبار میں تم ایک اطلاع شائع کرا دو۔"

"کیسی اطلاع۔" سریتا نے حیرت سے پوچھا۔

"صرف ایک سطر!" رام بولا۔ "فوجی کا ہم استقبال کرتے ہیں۔"

"لیکن صرف اتنی سی بات سے انہیں کیسے علم ہوگا کہ ہم یہاں ہیں؟"

"آسان سی بات ہے۔" رام بولا۔ "تمہارے ڈیڈی ہماری اطلاع پڑھ کر خود ہی ہمیں بتائیں گے کہ ہم ان سے کہاں مل سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"ہماری ہی طرح اطلاع شائع کرا کے۔" رام بولا۔

"اوہ!" سریتا سمجھ گئی۔ "اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں یہاں سے سیدھا لال حویلی کی طرف جاؤں گا۔"

وہ بولا۔

"تم جانتے ہو وہ کہاں ہے؟" سریتا نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ہم ایک بار اس کے قریب سے گزر چکے ہیں۔" رام بولا۔ "اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو یہ وہی لال حویلی ہے جو انگریزوں کے زمانے میں بنی ہے۔"

پھر وہ دونوں باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگے۔ جانے سے پہلے دونوں نے اپنے اپنے چہروں میں تبدیلی کی۔ سریتا نے اپنے کھلے ہوئے بالوں کا جوڑا بنالیا' کنپٹی کی دونوں طرف اور پیشانی کے اوپر درمیان میں سفید رنگ کا استعمال کرکے اس نے اپنی عمر دس پندرہ سال بڑھائی' آنکھوں پر بھی اس نے سنہرے فریم کی سیاہ عینک لگائی تھی۔ رام نے بھی سفید رنگ کا استعمال کیا تھا۔ کان کے اوپر کے بال سفید نظر آرہے تھے۔

اس کا شیو بھی اب خاصا بڑھ گیا تھا۔ اس وقت دیکھنے میں وہ کوئی کلرک نظر آ رہا تھا۔ اس نے بھی اپنی آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔ فاطمہ گیسٹ ہاؤس کی مالکن فاطمہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی' شوہر کے انتقال کے بعد اس گیسٹ ہاؤس کی تمام ذمے داریاں اس نے سنبھال رکھی تھیں۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اس نے جیسے ہی ان اجنبی چہروں کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ رام قریب آکر اس کے شک کو رفع کرنے کے لئے مسکرا کر بولا۔ "ہمیں ایک فلم میں مختصر سا رول ملا ہے اور شوٹنگ کا آج پہلا دن ہے۔ اس لئے ہم تیار ہو کر جا رہے ہیں۔"

"آل دی بیسٹ فاطمہ نے کہا۔"

دونوں گیسٹ ہاؤس سے باہر آگئے۔ ٹیکسی اسٹینڈ نزدیک ہی تھا۔ دونوں ایک ہی ٹیکسی میں بیٹھ گئے کیوں کہ دونوں کا راستہ ایک ہی تھا۔ وارڈن روڈ آتے ہی رام' لال حویلی سے کچھ فاصلے پر اتر گیا اور سریتا اسی ٹیکسی میں فورٹ کے علاقے کی طرف چل پڑی۔ وہ کل کے اخبار میں اطلاع شائع کرانے کے لئے ٹائمز کے دفتر جا رہی تھی۔ یہاں سے فورٹ ایریا میں کلپنا سے ملاقات کرنا بھی آسان تھا۔

لال حویلی کا بڑا پھاٹک سڑک کی طرف تھا لیکن اصل حویلی وہاں سے پچاس فٹ اندر کی طرف تھی۔ حویلی اور پھاٹک کے درمیان ایک لمبا باغیچہ تھا۔ درمیان میں سڑک تھی جس کی دونوں جانب فوارے لگے ہوئے تھے۔

رام حویلی کے پھاٹک کے سامنے والی فٹ پاتھ پر بس اسٹاپ کے شیڈ میں کھڑا ہوا پھاٹک کے اندر نظر دوڑا رہا تھا۔ اندر دو منزلہ چوکور عمارت کے سوا اسے اور کچھ دکھائی نہیں دیا۔ حویلی کافی پرانی نظر آ رہی تھی جس پر عرصے سے رنگ و روغن کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

ابھی رام حویلی کو دیکھ کر اس کے متعلق کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ پھاٹک کے اندر کھڑی ہوئی آسٹن کار میں کچھ ہلچل سی ہوئی۔ حویلی سے نکل کر کوئی باہر جا رہا تھا۔ کون ہوگا؟ اس نے دل ہی دل میں خود سے سوال کیا۔ زیادہ سوچنے کا موقع نہیں تھا۔ وہ بس اسٹاپ کے شیڈ سے نکل کر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھا اور ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

پھاٹک سے نکل کر آسٹن کار ایک طرف بڑھ گئی تھی۔ کچھ فاصلہ رکھ کر اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے چلنے کے لئے کہا۔ آسٹن کار کا ماڈل بھی کم از کم تیس سال پرانا تھا۔ حویلی کے رنگ کی طرح آسٹن کا رنگ بھی اڑا اڑا سا تھا۔ رام نے دیکھا تھا اس آسٹن کو ایک بوڑھا شخص ڈرائیو کر رہا تھا۔ ٹیکسی اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ حاجی علی کے مزار کے قریب سے گزرتی ہوئی آسٹن مہا لکشمی کی طرف مڑ گئی اور آدھے راستے کے بعد وہ ایک گلی میں داخل ہوگئی۔ رائفل کلب گلی کے آخری سرے پر تھا۔ رام نے اپنی ٹیکسی گلی کے باہر ہی رکوالی۔ کرایہ دینے کے بعد وہ پیدل ہی گلی میں داخل ہوگیا۔ اس نے دور سے دیکھا تو آسٹن سے نکلنے والا بوڑھا اسے تندرست اور اچھی صحت کا مالک نظر آیا۔ بدن مضبوط تھا اور کمر بالکل سیدھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کے کندے والی بندوق تھی۔ ہر چیز رام کو پرانی ہی نظر آ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا یہ پرانا بوڑھا تاتیا کا ساتھی ہو سکتا ہے؟ لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

بوڑھے کو رائفل کلب کے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ کچھ آگے بڑھا۔ کچھ فاصلے تک جا کر وہ پھر کھڑا ہو گیا۔ اس جگہ سے وہ کلب کے اندر کا منظر اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ گیٹ کے چاروں طرف دیواریں تھیں۔ اور اندر کا بڑا لان اونچے اونچے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ لان میں ادھر ادھر بہت ساری میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں جن پر کلب کے ممبر بیٹھے بیئر پی رہے تھے۔ وہ بوڑھا بھی اپنی رائفل کے ساتھ ایک کرسی کھینچ کر ان لوگوں میں شامل ہوگیا۔ اب اس کے ہاتھ میں بھی بیئر کا جگ تھا جسے اس نے ہونٹوں سے لگالیا۔ بیئر پینے کے ساتھ ساتھ وہ بوڑھا اپنے ساتھیوں سے کچھ باتیں بھی کر رہا تھا جسے رام اتنی دور سے نہیں سن سکتا تھا' لیکن ایک بار تیز ہوا کی وجہ سے اسے "جوانو" اور "کانتی" یہ دو الفاظ سنائی دیے۔ ان سے وہ کوئی نتیجہ نہیں نکال سکا' لیکن اچانک اسے بوڑھے کا نام معلوم ہوگیا۔ دوسری میز پر بیٹھے ہوئے کسی شخص نے اسے "ہریش" کہہ کر پکارا تھا اور بوڑھے نے پلٹ کر اپنا ہاتھ ہلایا تھا۔ پھر وہ بوڑھا زیادہ دیر تک وہاں نہیں بیٹھا۔ اپنی کلائی کی گھڑی دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا۔ رام ہوشیار ہوگیا۔ ہریش پر ہاتھ ڈالنے کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ وہ تیزی سے واپس ہوا۔ اور گلی سے باہر نکل آیا۔ یہ گلی گھوڑے کی نال کی طرح تھی

جس میں ایک طرف سے جانے کا راستہ تھا اور دوسری طرف سے باہر نکلنے کا۔ گلی کے باہر ہرمیش کی آسٹن کار کھڑی ہوئی تھی جسے اسٹارٹ کرکے ہرمیش جیسے ہی آگے بڑھا' تو رام فوراً" گلی کے دوسرے راستے میں داخل ہوگیا۔ آسٹن اب گھوم کر اس کے سامنے سے آرہی تھی۔

یہ گلی بہت زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ آسٹن ابھی کچھ دور تھی۔ اسے دیکھ کر رام گلی میں اس طرح پھسل کر گرا جیسے کیلے کے چھلکے پر پاؤں پڑگیا ہو۔ ہرمیش نے کار اپنی کار کو بریک لگا دیا۔ رام آہستہ آہستہ کھڑا ہوا اور لنگڑاتا ہوا کار کی طرف آگیا؟"

رام نے جواب دینے کی بجائے جھپٹ کر کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں پستول آگیا تھا۔ ہرمیش بوکھلا گیا۔ وہ اس نئی افتاد کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ رام بول اٹھا۔ "**فریکچر** ہوا نہیں ہے لیکن ہوسکتا ہے!" اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔

"کون ہو تم؟" ہرمیش پیچھے پلٹ کر بولا۔

"تمہاری موت!" رام دھیرے سے غرایا۔ "اگر میری بات نہیں مانو گے تو تمہیں اسی جگہ ختم کردوں گا!"

ہرمیش پر اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے پھرتی سے رام کی کلائی کو پکڑ لیا۔ رام کا ہاتھ پستول سمیت اوپر اٹھتا چلا گیا۔ رام نے اپنا بایاں ہاتھ اس کی گردن پر رکھ دیا اور بولا۔ "کون ہو تم؟"

"اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ میں کون ہوں تو ایسی بے وقوفی کبھی نہ کرتے۔" ہرمیش بولا۔

"بکومت!" رام غرایا۔ "مجھ پر تمہاری دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

ہرمیش نے موقع دیکھ کر اس کے پستول والے ہاتھ کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور پستول رام کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گر پڑا۔ ہرمیش کے دونوں ہاتھ اب خالی تھے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے رام کا سر پکڑ لیا اور پھر اپنا فولادی سر اس کے سر

سے ٹکرا دیا۔ ٹکر لگتے ہی رام کو چکر سا آگیا۔ ہرمیش کی گردن پر سے اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔ اپنے سر کو جھٹکے سے پیچھے ہٹا کر وہ سیٹ کے نیچے سے اپنا پستول اٹھانے کے لیے جھکا۔ ہرمیش فوراً اگلی سیٹ پر گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر اس کی طرف جھکا اور اس کی پیٹھ پر ایک زوردار گھونسا جما دیا۔ گھونسا کھا کر رام کو یوں لگا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی کا جوڑ جوڑ الگ ہوگیا ہو۔ اس بوڑھے کی طاقت دیکھ کر اسے حیرت ہو رہی تھی۔ اگر رام کو اس کی طاقت کا اندازہ پہلے سے ہوتا تو وہ اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوئی اور ہی ترکیب کرتا لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔

کچھ سوچ کر وہ اچانک سیٹ کے نیچے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا سر ہرمیش کے سینے سے ٹکرایا۔ ہرمیش جیسے اچھل کر اسٹیرنگ سے ٹکرا گیا۔ رام نے اس کے سینے پر اپنا پستول رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر بوڑھا ہرمیش یکایک زور زور سے ہنسنے لگا اور ہنستے ہوئے ہی بولا۔ "تم مجھے مار نہیں سکو گے نوجوان!" اس کے لہجے میں خوداعتمادی اور یقین کی جھلک تھی۔

"میں اس وقت ٹریگر دبا سکتا ہوں!" رام دانت پیس کر بولا۔

"پھر بھی میری موت سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا' یہ میں جانتا ہوں۔" ہرمیش بولا اور یہ حقیقت تھی رام اس کی جان لینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس سے کچھ معلوم کرنے آیا تھا۔ اس کی موت سے رام کو واقعی کوئی فائدہ نہ ہوتا بلکہ نقصان ہی ہوتا تھا اور شاید ہرمیش یہ جان گیا تھا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" اچانک بوڑھے ہرمیش نے پوچھا۔

"ناتیا کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟" رام مجبوراً اصل مقصد پر آگیا۔

"صرف اتنا ہی کہ میں اس کی موت کا منتظر ہوں۔" ہرمیش نے کہا۔

ہرمیش کی بات سن کر رام کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے جو کچھ سنا تھا وہ سچ تھا یا جھوٹ؟ کس لئے؟" رام نے پوچھا۔

"پہلے پستول ہٹاؤ۔" ہرمیش بولا۔

کچھ سوچ کر رام نے اپنا پستول والا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

"ٹھیک۔" ہرمیش سرک کر اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا بولا۔

"تمہیں جواب سننا ہو تو پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو۔"

"میں اس کا پابند نہیں ہوں۔" رام بولا۔

"تو کیا میں تمہارا پابند ہوں؟" یہ کہہ کر ہرمیش نے کار اسٹارٹ کر دی۔

رام کو یہ جری اور طاقتور بوڑھا کچھ عجیب سے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ پچھلی سیٹ پر رام موجود ہے اور اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول بھی ہے' اس کے باوجود اپنی مرضی سے کار اسٹارٹ کر کے گلی سے باہر نکل آیا۔

"میں تاتیا کی موت کا خواہشمند ہوں' یہ جان کر تمہیں حیرت کیوں ہوئی؟" ہرمیش نے کار چلاتے ہوئے بے فکری سے کہا۔

"کیونکہ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" رام نے کہا۔ "مگر ابھی تک مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں آیا ہے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ تمہاری لال حویلی تاتیا ہی کا ایک خفیہ اڈا ہے۔" رام بولا۔

"کیا؟" یہ کہہ کر اس نے کار سڑک کے ایک کنارے کھڑی کر دی۔

رام کار کا دروازہ کھول کر باہر آیا' پھر اگلا دروازہ کھول کر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ہرمیش بولا۔ "کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟"

"ہاں۔" رام نے اثبات میں جواب دیا اور بولا۔ "لیکن اس سے پہلے مجھے تم یہ بتاؤ کہ تاتیا کی موت سے تمہیں دلچسپی کیوں ہے؟"

"اس نے میرے اکلوتے بیٹے کی جان لی ہے۔" ہرمیش نے بتایا۔

"کب؟"

"چند مہینے پہلے۔"

"کس لیے؟"

"پچھلے الیکشن میں راجیہ سبھا کے ایک وزیر کی حیثیت سے اس کا چناؤ ہوا تھا' وہ لیڈر تھا۔" ہرمیش بتا رہا تھا۔

"لیکن وہ لاکھوں میں ایک تھا۔ ظلم کے خلاف اس کی آواز سب سے پہلے اٹھا

کرتی تھی۔ لوٹ کھسوٹ اور اقربا پروری کے خلاف اس نے سخت اقدامات کیے تھے۔ ریلوے کے محکمے میں اس کی وجہ سے کوئی ہیرا پھیری نہیں ہو رہی تھی۔ حساب کتاب کے کھاتے اس کے ہاتھ میں تھے۔ ریلوے کے تقریباً سبھی افسران رشوت خور تھے ان سبھوں سے یہ برداشت نہیں ہوا اور تاتیا کی معرفت انہوں نے۔۔۔۔"

"تم شری بزاج کے متعلق تو نہیں کہہ رہے ہو؟"

"ہاں۔" ہرمیش بولا۔ "پرکاش بزاج میرا ہی بیٹا تھا۔"

یہ سن کر رام دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں ہی بالکل خاموش تھے۔

رام کی بھولی ہوئی یادیں اس کے دماغ سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایک بار پھر جوالا مکھی پھٹنے کے لیے تیاری کر رہا تھا۔ یادوں کی دھند اس کے دماغ کے آس پاس چکرا رہی تھی۔

پرکاش بزاج کے قتل سے دو دن قبل ہی رام کو قتل کرنے کی ایک زبردست کوشش کی گئی تھی۔ دو دن پہلے آخر وہ اس جائے واردات پر کیوں گیا تھا؟ بس اسی سوال کا جواب اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

گگو کے ذریعے وہ ڈسکو ڈانسر وینا تک پہنچا تھا۔ اور وینا سے حاصل ہونے والی خفیہ معلومات کے ذریعے وہ تاتیا کو قتل کرنے کھنڈالہ گھاٹ کی طرف گیا تھا' لیکن اس وقت وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ دہرا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور اس کے ہی قتل کا سامان کیا جا رہا ہے۔

تاتیا خود رات کی چادر اوڑھے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ کھنڈالہ گھاٹ پر پوزیشن سنبھالے بیٹھا تھا۔ رام خون میں نہا گیا۔ دو گولیاں اس کے جسم میں اتر گئی تھیں لیکن اس کی قسمت میں شاید ابھی موت نہیں لکھی تھی۔ شرمین اور ڈاکٹر شاہ پور جی نے بڑی محنت سے اسے موت کے منہ سے واپس کھینچ لیا تھا۔

یہاں تک تو سب کچھ صاف تھا لیکن وہ بھاری لفافہ ابھی تک راز کے پردوں میں ہی چھپا ہوا تھا۔ شری پرکاش بزاج کے قتل کے لیے شنکر لال نے لی وانگ کی معرفت اسے ہزاروں روپے سے بھرا ہوا لفافہ بھیجا۔ آخر کیوں؟"

اچانک اندر کا جوالا مکھی پھٹ پڑا اور رام کا سر بری طرح جھٹکے کھانے لگا۔

ہریش پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "رام دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں سے اپنے سر کو پیٹ رہا تھا۔ اچانک جوالا مکھی جیسے سرد ہو گیا اور ہونے والا دھماکا رک گیا۔ اس نے بڑے غور سے ہریش کو دیکھا۔"

"کیا ہوا؟" ہریش بولا۔۔۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"اب ٹھیک ہے۔" رام دھیرے سے بولا۔

"چند لمحوں تک تو میری سانس ہی رک گئی تھی۔" بوڑھا ہریش کہہ رہا تھا۔ "اچانک تم پوربی زبان میں کچھ بڑبڑانے لگے تھے اور تمہارا چہرہ بھی کچھ عجیب سا ہو گیا تھا تمہیں کوئی بیماری ہے کیا؟"

رام اس معاملے پر زیادہ بولنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ صرف "ہاں۔" کہہ کر ٹھہر گیا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ تمہارے بیٹے کی جان بچانے کے لیے ہی میں نے خود کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ہریش واقعی حیرت سے بولا۔

رام نے اسے پوری تفصیل کچھ اس طرح سے بتائی تھی کہ شری بزاج کا قتل ہونے والا تھا۔ یہ خبر اسے اندھیری دنیا کے مخبروں سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ قتل ناتیا خود کرنے والا تھا اور ناتیا کو اسی جگہ ختم کر دینے کا یہ موقع رام چھوڑنا نہیں چاہتا تھا' اس لیے اس نے شری پرکاش بزاج کے پرائیویٹ سیکرٹری سے ایک خفیہ ملاقات کی۔"

"ناتیا ایک قتل کا معاوضہ سوا لاکھ روپے لیتا ہے۔" اس نے سیکرٹری سے کہا تھا۔۔۔ "اور اس قتل کو روکنے اور قاتل کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے میری فیس صرف پچیس ہزار روپے ہے۔"

"سوال پچیس ہزار روپے کا نہیں ہے۔" سیکرٹری الجھن سی محسوس کرتے ہوئے بولا تھا۔ "سوال یہ ہے کہ بزاج صاحب کو کس طرح منایا جائے؟ وہ ایسی باتوں پر توجہ ہی نہیں دیتے بلکہ وہ ایسے دوروں پر سیکرٹری تک کو اپنے ساتھ نہیں رکھتے۔"

"اس کا مطلب ہے وہ کھنڈالہ جائیں گے؟"

"ہاں تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ وہاں نئی ریلوے لائن بچھائی جا رہی ہے جس میں کافی ہیرا پھیری ہو رہی ہے۔ وہ جب تک اپنی آنکھوں سے سب کچھ نہیں دیکھ لیتے انہیں چین نہیں آئے گا۔" سیکرٹری نے بتایا۔

"یعنی کہ وہ موت کے منہ میں جائیں گے ہی؟" رام بولا۔

سیکرٹری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے خاموش دیکھ کر رام نے کہا۔ "کیا سوچ رہے ہیں؟"

آخر طویل خاموشی کے بعد سیکرٹری نے فیصلہ کر لیا۔ پچیس ہزار روپے رام کو دینا اس کے اختیار میں نہیں تھا اور رام بغیر معاوضہ لیے کوئی کام نہیں کرتا تھا' کیوں کہ اس کے بھی کچھ ساتھی تھے جن سے وہ اکثر کام لیا کرتا تھا۔ ان سب لوگوں کا خرچ بھی اسی کے ذمے تھا۔ آخر بات پندرہ ہزار روپوں پر طے ہو گئی۔ پندرہ ہزار روپے کا سیل بند لفافہ سیکرٹری' شنکر لال کے پتے پر روانہ کرنے والا تھا۔ شنکر لال رام کا آدمی تھا۔ شنکر لال اس رقم کو لی وانگ کے ذریعے رام تک پہنچا دیتا۔

اس قسم کی احتیاط سے رام کو بہت سے فائدے تھے۔ جرائم کی دنیا کے لوگ اس سے یہ سمجھتے تھے کہ اس قسم کے جو لفافے رام کے نام آتے ہیں ان میں کسی کے قتل کا ہی معاوضہ ہوتا ہے اور رام ایک پیشہ ور قاتل ہے۔ وہ خود بھی یہ چاہتا تھا کہ ملک بھر کے مجرموں پر اس کی دھاک بیٹھ جائے۔ کبھی کبھی کسی کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو رام اپنا سینہ ٹھونک کر یہ افواہ پھیلا دیتا کہ یہ قتل اس نے خود کیا ہے یہ جرم اس کا ہے۔

کم سے کم اس کے ساتھی اس کی بات پر یقین کر لیتے تھے۔ اور پھر انہی لوگوں کے ذریعے جرائم کی دنیا میں افواہیں پھیلنے لگتیں اور ناتیا پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا۔ قتل ناتیا کرتا تھا اور بدنام رام ہوتا تھا۔ جب ناتیا کبھی ناکام ہوتا تو بھی رام کی طرف سے اس پر ضرب پڑتی اور وہ جھنجلا جاتا۔ ایسے موقعوں پر رام کہا کرتا تھا کہ اس مچھر کی کیا مجال ہے کہ میرے کسی آدمی پر ہاتھ ڈال سکے۔ ایسے جملے سن کر لازمی تھا کہ ناتیا اپنے تمام ہتھیاروں سمیت اس پر حملہ آور ہو جائے۔

یہاں تک ہی رام کو یاد آ سکا تھا۔ اس کے بعد جیسے کوئی چیز اس کے گلے میں

آکر اٹک گئی تھی۔ اگر اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں سے اپنے سر پر گھونسے نہ مارے ہوتے تو ممکن تھا کہ بھولی ہوئی ساری یادیں واپس آ جاتیں۔ پھر بھی ماضی کا کچھ حصہ اسے نظر آ گیا تھا۔ ایک دروازہ کھل چکا تھا۔ "تھری سولجرز اینڈ سن۔" کا راز بھی کھل چکا تھا' یونائیٹڈ بینک سے ملنے والی ایک لاکھ کی رقم کا اسرار بھی ظاہر ہو چکا تھا۔ وہ کون تھا؟ اور کس لیے ناتیا کے پیچھے پڑا ہوا تھا؟ ناتیا نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟ ان سارے سوالوں کے جواب گہرے تھے جنھیں وہ گہری دلدل سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

پرکاش بزاج کے سیکرٹری کے متعلق سن کر ہرمیش کو تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ سیکرٹری واقعی وفادار آدمی تھا۔ پرکاش بزاج کی موت کے بعد وہ صرف تین ہی مہینے بمبئی میں رہا پھر سرکاری ملازمت اور عہدہ چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے اپنے گاؤں چلا گیا اور گمنامی کی زندگی گزارنے لگا۔

"نوجوان!" ہرمیش اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو پونچھتا ہوا بولا۔ "میرا بیٹا حق کے لئے لڑتا ہوا مارا گیا ہے تو کیا ہوا؟ سچ تو ابھی تک زندہ ہے تم زندہ ہو! ایک بیٹا گیا تو کیا ہوا' دوسرا بیٹا مل گیا کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام جان کر آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" رام صاف لہجے میں بولا۔ بلکہ اس سے نقصان ہو گا۔ غلطی سے بھی اگر میرا نام آپ کی زبان پر آ گیا تو ناتیا کی ڈائری میں آپ کا نام درج ہو جائے گا۔"

"تو پھر میں تمہیں کس نام سے پکاروں۔" ہرمیش نے سوال کیا۔

"مجھے آپ کمار کہہ سکتے ہیں۔" رام نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" ہرمیش بولا۔ "اب مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟"

"ثبوت؟" رام اس وقت تک اصل بات کو بھول ہی گیا تھا۔

"کیوں؟ تم نے ہی تو کہا تھا کہ میرا گھر ناتیا کی خفیہ کمیں گاہ یا اڈا ہے۔"

"اوہ ہاں۔" رام یاد کرتا ہوا بولا۔ "ناتیا کے گروہ کی ایک لڑکی میرے ہاتھ لگ گئی تھی مجھے اسی نے یہ بتایا تھا۔"

"کیا بتایا تھا اس نے؟" ہرمیش نے پوچھا۔

"یہی کہ مجھ پر حملہ کرنے کے لیے اسے لال حویلی سے احکام ملے تھے۔"

یہ سن کر ہرمیش کچھ سوچنے لگا' پھر بولا۔ "یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ میرے گھر میں میری بیوی کے علاوہ اگر کوئی ہے تو وہ صرف ایک آیا ہے۔"

"لیکن میں نے ایک مالی کو بھی دیکھا ہے۔" رام بولا۔

"مالی کی طرح دو اور بھی نوکر ہیں۔" ہرمیش بولا۔ "جو صرف ایک دو گھنٹوں کے لیے آتے ہیں اور اپنا کام کر کے چلے جاتے ہیں۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کی آیا ان لوگوں سے ملی ہوئی ہو؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیوں کہ وہ ساٹھ سال کی بڑھیا ہے اور اس کی ایک آنکھ بھی موتیا سے خراب ہو رہی ہے۔" ہرمیش نے بتایا۔

"کیا اس سے میں ایک بار مل سکتا ہوں؟" رام نے پوچھا۔

یہ سن کر ہرمیش کو ہنسی آ گئی۔ وہ بولا۔ "اس بڑھیا سے مل کر اگر تمہیں اطمینان ہو سکتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" یہ کہہ کر ہرمیش نے کار اسٹارٹ کر دی۔

وارڈن روڈ سے ہو کر وہ بیچ کنڈی پہنچا اور کار کی رفتار دھیمی کر دی۔ پھر کار لال حویلی کے گیٹ پر آکر کھڑی ہو گئی۔ ہرمیش نے کار سے باہر نکلنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کیوں کہ وہ بوڑھی آیا فوارے کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی اور مالی اسے تازہ پھول توڑ کر دے رہا تھا۔ پھولوں کا گچھا لے کر وہ واپسی کے لیے مڑی اور کار کی طرف دیکھے بغیر حویلی کے اندر چلی گئی۔

"کیا خیال ہے؟" ہرمیش نے رام کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ ٹھیک کہتے تھے۔" رام بولا۔ "میرا خیال تھا کہ وہ جوان ہو گی۔ اچھا اب میں چلوں گا۔" یہ کہہ کر رام کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

ہرمیش بھی باہر نکل کر اس کی طرف بڑھا اور اس کی کلائی پکڑ کر بولا۔

"دروازے تک آئے ہو تو اندر نہیں آؤ گے؟"

"میری پریشانی آپ سمجھ سکتے ہیں۔ اب تک میں ایک کڑی سے دوسری کڑی جوڑتا رہا ہوں۔ اچانک زنجیر ادھوری رہ جائے گی' یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔"

"ناامید نہ ہو۔" ہرمیش اسے اپنے ساتھ حویلی کے اندر لے جاتا ہوا بولا۔ "تم اکیلے نہیں ہو شاید تم نہیں جانتے کہ میرے بیٹے نے ظلم کے خلاف جو آواز اٹھائی تھی میں اس آواز کو اور بلند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے ظالموں کی جو فہرست تیار کی ہے ان میں ملک کے چند غداروں کے علاوہ تاتیا کا نام سب سے پہلے ہے۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے بڑے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ ڈرائنگ روم کو دیکھ کر رام کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی راج محل میں آ گیا ہو۔ کمرہ خوبصورت ڈھنگ سے سجا ہوا تھا۔ قیمتی فرنیچر' فرش پر خوبصورت کارپیٹ اور چھت سے جھولتا ہوا خوبصورت فانوس' دیواروں پر آرٹ کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہوئی بڑی بڑی تصویریں اس کے علاوہ ایک طرف کی دیوار پر برسوں پرانی تلواریں' خنجر' ڈھال وغیرہ قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ رام ان سب چیزوں کو حیرت سے دیکھتا ہوا ہرمیش کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اور ہاں---" ہرمیش آرام سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "تاتیا کے متعلق میں نے ایک فائل تیار کر رکھی ہے میرا خیال ہے اس فائل سے تمہیں کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔"

"اس میں کیا خاص بات ہے؟" رام نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اس کا بچپن' اس کی جوانی بلکہ اس کی پوری سوانح اس فائل میں ہے۔ یہ ساری معلومات میں نے پچھلے بیس برس کے اخباروں سے کاٹ کاٹ کر جمع کی ہیں۔ میں نے ایک پوری کہانی لکھ ڈالی ہے جس میں جیل اور پولیس کی رپورٹ بھی شامل ہے۔"

"پھر تو وہ فائل بڑی اہم ہو گی۔" رام بولا۔

"کیوں نہیں۔" یہ کہہ کر ہرمیش کھڑا ہو گیا اور ایک دروازے سے اندر چلا

گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو واقعی اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ وہ رام کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اپنی زندگی کے بہت سارے سال میں نے وطن کی آزادی کی نذر کیے ہیں۔ اس کی مٹی میں میرا لہو بھی شامل ہے۔" پھر اس نے اس فائل کو رام کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "آج میں اپنے لہو کی ایک ایک بوند کا حساب اپنے ملک کے لیڈروں سے مانگ رہا ہوں۔ کیا ہم یہ دن دیکھنے کے لیے اپنا خون بہاتے رہے ہیں؟"

بوڑھی آیا اندر سے شربت کے دو گلاس لے کر آئی اور چھوٹی سی میز پر رکھ کر پھر واپس چلی گئی۔

"شاید مسز ہرمیش موجود نہیں ہیں۔" موقع پا کر رام نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"ہر جمعرات کو وہ مہاکرانسی سوامی جی کے درشن کو جاتی ہے اور آج جمعرات ہے۔" ہرمیش نے جواب دیا۔

"کس جگہ؟" رام نے پوچھا۔

"پوائی لیک' مہاکرانسی کی کوٹھی ستیہ بھوی وہیں ہے۔" ہرمیش اٹھا اور باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "تم فائل پڑھو میں ذرا کپڑے بدل کر آتا ہوں۔"

رام نے شربت کا گلاس اٹھا کر پہلا گھونٹ لیا اور پہلے صفحے سے فائل پڑھنی شروع کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ تاتیا کا باپ ایک نڈر اور بہادر شکاری تھا۔ شکار کی تلاش میں وہ ایک دن گھنے جنگل میں گیا۔ اچانک اسے اپنی اطراف میں شیروں کی موجودگی کا احساس ہوا اور وہ چونک پڑا مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ بہ یک وقت چار خوفناک شیروں سے لڑنا آسان نہیں تھا۔ انجام کار وہ شیروں کا نوالہ بن گیا۔ تاتیا کی عمر اس وقت صرف پانچ برس کی تھی۔ اس کی ماں کا انتقال اس کا جنم ہوتے ہی ہو گیا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد وہ یتیم ہو گیا۔ گھر میں جو کچھ بھی تھا وہ دور و نزدیک کے رشتے داروں نے بانٹ کھایا اور اس طرح اس کا گھر بھی نہ بچا۔

ننھے تاتیا کو اپنے نام نہاد رشتے داروں کے رحم و کرم پر اور بھیک مانگ کر

گزارا کرنا پڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی پڑوسی اسے روٹی دے دیا کرتے تھے۔ انہی دنوں ایک سادھو کی نظر اس پر پڑ گئی۔ سادھو اسے لے کر اپنے آشرم میں آ گیا۔ آشرم میں اسے تینوں وقت کھانے کے لیے مل جاتا لیکن اسے کام بھی کرنا پڑتا تھا لہٰذا وہ جلد ہی تھک گیا۔ اس کی نگاہیں تو آشرم سے باہر لگی ہوئی تھیں۔ ایک دن اسے موقع مل گیا۔ آشرم کی تجوری میں سے نوٹوں کی گڈیاں لے کر وہ غائب ہو گیا۔ دراصل وہ سیدھا بمبئی آ گیا اور وہ بھی بے ٹکٹ۔ نوٹوں کا بنڈل اس کے پاس سلامت تھا جسے ایک جیب کترے نے صاف کر دیا۔ ایک بار وہ پھر بے آسرا اور بے سہارا ہو گیا لیکن اس بار وہ بمبئی شہر میں تھا۔

اس نے کاروں کو صاف کرنا اور دھونے کا کام شروع کر دیا۔ رات کے وقت وہ شراب کے اڈے پر بھی کام کرنے لگا۔ روز بہ روز ترقی کرنے لگا۔ دس سال کی عمر تک تو چرس وغیرہ کی اسمگلنگ کرنے میں وہ ماہر ہو گیا۔ پندرہ سال کی عمر میں اس نے چوریاں کرنی شروع کر دیں۔ دھیرے دھیرے وہ لال باغ کے دادا کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا۔ اس وقت لال باغ کا اصل دادا پانڈے اس کا واحد حریف تھا۔ ایک دن اس نے پانڈے کو قتل کر کے اپنا راستہ صاف کر لیا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا قتل تھا۔ اس سلسلے میں پولیس نے اسے گرفتار بھی کر لیا لیکن کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بے قصور چھوٹ گیا۔ پچیس سال کی عمر تک وہ تین بار پولیس کی گرفت میں آیا لیکن اسے سزا صرف ایک بار ہی ہوئی اور وہ بھی دو برس کی۔

جیل سے نکل کر اس نے سب سے پہلے اس جج کا خون کر دیا جس نے اسے دو سال کی سزا سنائی تھی۔ اب وہ ایک قاتل کی حیثیت سے سامنے آ گیا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کی دھاک لال باغ اور پار کے علاقوں سے نکل کر شہر میں پھیلتی چلی گئی۔ ہر گلی کوچے میں اس کا نام پھیلتا جا رہا تھا۔ اس کی تصویریں ہر پولیس اسٹیشن میں لگا دی گئی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ پولیس کی گرفت میں نہیں آ سکا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے چہرے کو پلاسٹک سرجری کروا کے بالکل ہی تبدیل کر لیا ہے۔

آج کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تاتیا کون ہے؟ اس کے خاص دوست اور ساتھیوں تک کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ تاتیا کون ہے اور اس کی شکل کیسی

ہے؟ جب بھی تاتیا کو ان کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ٹیلی فون پر ان سے رابطہ قائم کر لیتا ہے۔ اس کے تمام ساتھی اس کے بے حد وفادار ہیں۔ اس کی ایک اہم وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ تاتیا اپنے ساتھیوں کا ہر طرح خیال رکھتا ہے۔ شاید وہ جانتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں۔ جب بھی اس کا کوئی ساتھی گرفتار ہوتا ہے تو تاتیا اس کے لیے بڑے سے بڑا وکیل فراہم کرتا ہے۔

رام تاتیا کی فائل پڑھ کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ بوڑھا ہرمیش باتھ روم سے باہر آ گیا تھا۔ اس وقت ہرمیش نے ایک ڈھیلا ڈھالا کرتہ اور پاجامہ پہن رکھا تھا۔ وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا تو رام بولا۔ ”اس کا مطلب ہے، تاتیا کا چہرہ اب کیسا ہے یہ پولیس بھی نہیں جانتی۔“

”ہاں۔“ ہرمیش بولا ”اگر چہرہ ہی سامنے نہ ہو تو گرفتار کیسے کیا جائے؟“

”اس کے متعلق آپ نے کیا سوچا ہے؟“ رام نے پوچھا۔

”ابھی تک تو کچھ بھی نہیں سوچا بلکہ کچھ سوجھا ہی نہیں ہے۔“ ہرمیش بولا۔ ”لیکن اب سوچوں گا تم ساتھ ہو اس لیے کارروائی اب آگے بڑھے گی۔ یہ فائل پڑھ کر تم کس نتیجے پر پہنچے؟“

”اس میں صرف دو باتوں پر غور کیا جا سکتا ہے۔“ رام اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے بولا۔ ”اس نے اپنا چہرہ تبدیل کر لیا ہے، یعنی اس نے ایک نیا چہرہ اپنایا ہے اور ایسا کرنے سے پیشتر اس نے یقیناً سرجری کے ڈاکٹر کو کوئی چہرہ یا تصویر دکھائی ہو گی کہ وہ اس طرح کا چہرہ اپنے لیے چاہتا ہے۔“

”ٹھیک ہے اگر ہم مان لیں کہ ایسا ہوا ہو گا تو؟“ ہرمیش نے پوچھا۔

”تو شاید اس نے دو چہروں کو پسند کیا ہو گا۔“

رام بولا۔ ”سادھو کا چہرہ یا شکاری کا!“

”کیوں؟“ ہرمیش نے پوچھا۔

”کیوں کہ ان دونوں چہروں کا اثر اس کے بچپن پر پڑا ہے۔“ رام بولا۔

”تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔“ ہرمیش کچھ سوچ کر بولا۔ ”میں اس بارے میں اپنی بیوی سے بھی بات کروں گا۔“

یہ سن کر رام نے اسے حیرت سے دیکھا۔ اسے حیرت تھی کہ ہرمیش کی بیوی کا ان باتوں سے کیا تعلق ہے؟ اس نے پوچھا۔ "کیا آپ کی بیوی کو بھی تاتیا سے دلچسپی ہے؟"

"اسے ہر اس بات سے دلچسپی ہے جس میں میری دلچسپی ہو۔ آج بھی میں بڑھاپے کی دہلیز سے میلوں دور ہوں تو اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ یہ اس کی محبت ہے اسی کا پیار ہے۔" یہ کہہ کر ہرمیش اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور خواب گاہ کی طرف چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ پھر ڈرائنگ روم میں واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی۔ تصویر فریم میں لگی ہوئی تھی۔ وہ اپنے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لو تم خود ہی دیکھ لو تصویر میں بھی اس کی آنکھوں سے محبت برس رہی ہے۔"

رام اس تصویر کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں اور دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ اسے یوں لگا کہ ایک بار پھر جوالا مکھی پھٹنے کے لیے ابل رہا ہے۔ اس بار رام نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک یہ جوالا مکھی آپ ہی آپ نہیں رکتا وہ اسے روکنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ لاوے کو بہنے دے گا اور دھماکے سنتا رہے گا۔ سرخ پتھروں کو ٹوٹ ٹوٹ کر اپنے سر پر برسنے دے گا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے محسوس ہوا کہ یہ مشکل ہے۔ اس کے سر پر جیسے ضربیں پڑنے لگیں۔ کھوپڑی جیسے پھٹنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ صوفے پر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا فرش پر کارپیٹ بچھا ہوا تھا جس پر گر کر وہ اپنا ماتھا رگڑ رہا تھا۔

ایک بار پھر جیسے اچانک ہی جوالا مکھی کے دہانے پر سختی سے کوئی چٹان آ پڑی اور دہانہ بند ہو گیا۔ آدھا لاوا بہہ چکا تھا اور آدھا لاوا ابھی اندر ہی رہ گیا تھا۔ اس کا جسم بری طرح پسینے میں بھیگ گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے ہرمیش کی طرف دیکھا۔ ہرمیش عجیب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا پھر دورہ پڑ گیا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں بیماری ہی ایسی ہے۔" رام نے جواب دیا۔ "کبھی کبھی دن میں دو تین بار دورہ پڑ جاتا ہے تو بہت دنوں تک سکون رہتا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ ٹھہر گیا اور پھر اس فریم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اس عورت سے آپ کی شادی کو چھ مہینے

ہوئے ہوں گے۔"

"ہاں' یہ میری دوسری بیوی ہے۔" ہرمیش حیرت سے بولا۔ "مگر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہے؟"

رام کو جو شک تھا وہ جاتا رہا۔ یہ عورت وہی تھی ڈسکو ڈن ہل کی ڈانسر وینا' پھر بھی اس نے اپنی تسلی کے لیے پوچھ ہی لیا۔ "کیا اس کا نام وینا ہے؟"

"ہاں۔" ہرمیش حیرت سے بولا۔ "کیا تم اس سے واقف ہو؟"

"ہاں۔" یہ کہہ کر رام نے ایک انکشاف کیا۔ "چھ مہینے قبل یہ تاتیا کی محبوبہ تھی۔"

"نہیں؟" ہرمیش تقریباً چیخ اٹھا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔"

"یہ ہو چکا ہے ہرمیش صاحب!" رام دھیرے سے بولا۔ "اور اگر میرا خیال درست ہے تو وہ آج بھی تاتیا سے قریب ہے۔ آپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہ آج بھی آپ کے گھر میں اس کا دفتر چلا رہی ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو میں اس کو جان سے مار دوں گا۔" ہرمیش غصے سے بولا۔

"اس سے اپنا ہی نقصان ہو گا۔" رام نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ہمارا اصل نشانہ تاتیا ہے۔ تاتیا کے ساتھی نہیں۔ ایک بار اگر تاتیا کو مسل دیا گیا تو اس کے ساتھی آپ ہی آپ اپاہج ہو جائیں گے۔"

"لیکن میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔" ہرمیش اب بھی غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ "میری بیوی اور میرے ہی بیٹے کے قاتل کی محبوبہ! میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔"

"آپ اس وقت جذباتی ہو رہے ہیں۔" رام بولا۔ "سکون سے کام لیں اور اطمینان سے سوچیں' وینا کو ختم کر کے ہم خود ہی پاؤں پر کلہاڑی مار لیں گے۔"

ہرمیش نے اپنی سرخ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

رام کہہ رہا تھا اس وقت ہم تاتیا کے کتنے قریب آ چکے ہیں اور وینا کو ختم کر کے ہم اس سے بہت دور ہو جائیں گے۔ اس بات پر سوچنا ضروری ہے۔"

ہرمیش ابھی تک غصے سے کانپ رہا تھا لیکن رام کی یہ دلیل سن کر اس کی

عقل کچھ کام کرنے لگی تھی وہ بولا۔ ”بتاؤ مجھے کیا کرنا ہو گا؟“

”جیسے آپ کو کچھ معلوم ہی نہ ہو‘ بالکل ہی انجان بنے رہنا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے پوچھا۔ ”آپ کا ٹیلی فون کہاں ہے؟“

”کچن میں۔“ ہرمیش نے جواب دیا۔

”کچن میں؟ کس لئے؟“

”تاکہ میری نیند میں خلل نہ پڑے اور دوسری وجہ یہ کہ میری بیوی زیادہ تر کچن ہی میں مصروف رہتی ہے اس لیے اسے بھی آسانی ہوتی ہے۔“

”یہ انتظام بھی شاید اسی نے کیا ہو گا۔“ رام نے کہا۔

”ہاں۔“ اور اس کے ساتھ ہی ہرمیش کو یاد آگیا۔ وینا نے خود اپنی سہیلیوں سے باتیں کرنے کا بہانہ بنا کر ٹیلی فون خواب گاہ کی بجائے کچن میں رکھ لیا تھا۔ اب کڑی ملتی جا رہی تھی۔ یہ سب باتیں کس قدر معمولی اور سیدھی سی تھیں لیکن پھر بھی ان کے اندر کتنی گہری سازش چھپی ہوئی تھی۔ ”اب بھی میرا دل نہیں مانتا۔“ ہرمیش بولا۔

”تو پھر پہلا کام آپ یہ کریں کہ ٹیلی فون دوبارہ خواب گاہ میں رکھوا لیں۔“ رام بولا۔ اس نے چال چلنے کی ابتدا کر دی تھی۔ اور دو دن تک آپ گھر سے باہر نہ جائیں بلکہ ٹیلی فون کے قریب ہی رہیں۔ تاتیا کے ساتھیوں پر میں اتنا دباؤ ڈالوں گا کہ انہیں یہاں سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پڑے گی اور اس طرح آپ کے دل سے شک دور ہو جائے گا۔“

”پھر؟“ ہرمیش نے پوچھا۔

”پھر دارومدار آپ کی بیوی پر ہے۔ ٹیلی فون پر اطلاع ملنے پر وہ کیا قدم اٹھاتی ہے اور کہاں جاتی ہے؟ شاید وہ باہر جانے کے لیے تیار ہو جائے ایسی صورت میں پوچھیں کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟“

”کیا وہ سچ سچ بتا دے گی؟ کہاں جا رہی ہے؟“ ہرمیش بولا۔

”شاید۔“ رام بولا۔ ”باقی کچھ ہمیں بھی سوچنا ہو گا۔“

”مگر تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ اگر مجھے تم سے ملنا ہو تو کیسے تم سے

رابطہ قائم کروں؟“ ہرمیش سے کہا۔

رام اسے فاطمہ گیسٹ ہاؤس کا پتا بتاتے ہوئے بولا۔ ”میں تین نمبر کمرے میں ٹھہرا ہوں۔ گیسٹ ہاؤس میں فون بھی ہے۔ میں اگر نہ ملوں تو کمرے میں میرے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے‘ آپ اسے پیغام دے سکتے ہیں۔“ اتنا کہہ کر رام اٹھ کھڑا ہوا اور ہرمیش سے اجازت لے کر ڈرائنگ روم سے باہر آگیا۔

ہرمیش کو اچانک یوں محسوس ہوا جیسے واقعی بہت بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس وقت اسے اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ وہ رام کو دروازے تک ہی رخصت کرنے کے لیے آتا۔ وہ صوفے پر بیٹھا ہی رہ گیا۔ رام کے چلے جانے کے بعد اسے وہ دن یاد آنے لگے جب اس کے چاروں طرف تنہائی بکھری ہوئی تھی۔ اپنی اس تنہائی سے اکتا کر وہ کبھی ہوٹل میں جا کر بیٹھ جاتا تو کبھی کسی بار میں بیٹھ کر دل بہلا لیتا۔

اسی طرح ایک دن وہ ڈسکو ڈن ہل میں جا کر بیٹھا تھا۔ ان دنوں وینا ڈسکو ڈن ہل میں ڈانس کیا کرتی تھی اور نوجوان طبقے میں بڑی مقبول بھی تھی۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے پھرتے تھے۔ وہ ہر ایک کو اپنا دیوانہ بنا دیتی تھی۔ ہرمیش اس کا رقص دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اور اسے اس ڈسکو ڈانسر سے دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی۔ وینا جوان تھی۔ خوبصورت تھی اور اس کے جسم میں لچک تھی۔ ہرمیش اسے دیکھ دیکھ کر اپنی جوانی کو یاد کرکے رہ جاتا تھا۔ وہ گھنٹوں وہاں بیٹھ کر اپنا جی بہلاتا۔ ایک رات وہ ڈسکوڈن ہل سے گھر جانے کے لیے اٹھا تو بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی۔ موقع دیکھ کر اس نے وینا سے کہا۔ ”کہاں جانا ہے آپ کو۔“

”الٹ ماؤنٹ روڈ۔“ وینا نے کہا تھا۔

”میں وارڈن روڈ پر رہتا ہوں اور ماؤنٹ روڈ وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو——“ ہرمیش کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ وینا جھٹ سے اس کی کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

تفصیلی طور پر دونوں کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ پھر ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ وینا روزانہ ہی اپنا پروگرام ختم کر کے اس کی کار میں اپنے گھر تک جانے لگی۔ وینا کو معلوم ہو چکا تھا کہ بوڑھا ہرمیش لاکھوں کی جائیداد کا مالک ہے۔ اس کا بیٹا پرکاش

بزاج شادی کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اتنی بڑی جائیداد کا تنہا ہی وارث ہے۔ اگر درمیان سے یہ کانٹا نکل جائے تو پھر وینا ہی تمام جائیداد کی تنہا وارث بن جائے گی اور اس کی تمام عمر آرام سے گزر جائے گی۔ یوں بھی ان دنوں پرکاش بزاج کے سر پر موت کے سائے پھیلے ہوئے تھے کیوں کہ وہ اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کی وجہ سے بہت مقبول ہوتا جا رہا تھا۔ اسی سبب اس کے دشمنوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

انہی دنوں ہرمیش بھی وینا کے متعلق کچھ جان گیا تھا کہ وہ سورت کے ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہے مگر اب رقص و سرود کی زندگی سے نکل کر وہ ہمیشہ کے لیے کسی کی ہو جانا چاہتی ہے۔ رقص کا پیشہ بھی اس نے بڑی مجبوری میں اپنایا تھا۔ یہی وہ دن تھے جب پرکاش بزاج کو قتل کر دیا گیا۔ اس قتل کے متعلق وینا کو پہلے سے علم تھا اگر وہ چاہتی تو اس قتل کو روک سکتی تھی لیکن وہ یہی تو نہیں چاہتی تھی۔ اس کی راہ کا کانٹا خود بہ خود دور ہو رہا تھا۔

خوشی نام کی چیز ہرمیش کی زندگی سے دور ہو گئی۔ اکیلے پن اور تنہائی میں اس کے دن گزرنے لگے لیکن وینا سے شادی کرنے کے دوسرے ہی مہینے اس میں بڑی تبدیلی آ گئی کیوں کہ وینا نے اسے اتنی محبت اور پیار دیا کہ وہ ہر غم کو بھولتا چلا گیا۔ وینا ہرمیش کی معمولی معمولی باتوں کا بھی خیال رکھتی۔ اس کی ہر ضرورت کا اسے احساس تھا۔ کھانے میں اسے کیا پسند ہے اور کیا نہیں؟ اس پر بھی اس کی گہری نظر تھی۔ وہ اسے زیادہ سگریٹ بھی نہیں پینے دیتی تھی۔ ہرمیش کو دل ہی دل میں خوشی ہوتی لیکن آج خوشیوں کے جھولے میں جھولتے ہوئے ہرمیش کو یوں لگ رہا تھا جیسے جھولے کی رسی ٹوٹ گئی ہو اور وہ دھڑام سے زمین پر آ گرا ہو۔ اس کے ذہن میں لاوا سا پک رہا تھا۔ اس لاوے کی حدت سے اسے اپنا پورا بدن جلتا محسوس ہونے لگا۔

دوپہر کے وقت جب وینا واپس آئی تو ہرمیش اپنی خواب گاہ میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس وقت تک ذہنی طور پر وہ کچھ سنبھل گیا تھا اور ایک اچھے اداکار کی طرح اس نے اپنے جذبات کو چھپا لیا۔

"ارے!" خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی وینا بول اٹھی۔ "یہ ٹیلی فون پھر یہاں کیسے آ گیا؟"

"میں لایا ہوں۔" ہرمیش دھیرے سے بولا۔ "شملہ رائفل کلب سے ایک ضروری کال آنے والی ہے۔"

"اوہ ڈارلنگ!" یہ کہہ کر وینا اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ اس نے ہرمیش کے گلے میں ڈال دیے اور بولی۔ "کیا تمہیں شک تھا کہ تمہارا نجی فون آنے پر میں تمہیں نہیں بتاؤں گی؟"

"شاید۔" ہرمیش نے مذاق کیا۔ "تم مجھے بے انتہا چاہتی ہو تم سے جدا ہو کر میں شملہ رائفل کلب کے مقابلے میں شرکت کروں، یہ بات بھلا تمہیں کیسے برداشت ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" وینا بڑے پیار سے بولی۔ "کیا تم امید رکھتے ہو کہ میں اتنی دور تمہیں اکیلا جانے دوں گی؟"

"نہیں--- میں نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔" ہرمیش بولا۔

"ٹھیک اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

ہرمیش نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو!" یہ کہہ کر اس نے ریسیور وینا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا فون ہے۔"

وینا نے ریسیور ہاتھ میں لیا۔ ہرمیش نے دیکھا وہ کچھ گھبرائی ہوئی سی ہے۔ دوسری جانب سے مس پاٹل اس سے پوچھ رہی تھی۔ "فون کس نے اٹھایا تھا؟"

"میرے شوہر نے۔" وینا بولی۔ "آئی ایم ویری سوری! آج میں پارٹی میں نہیں آ سکوں گی۔" اتنا کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ہرمیش کی طرف دیکھنے لگی۔

ہرمیش اس طرح کتاب پڑھنے میں مصروف تھا جیسے اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"میری ایک سہیلی کا فون تھا۔" ہرمیش کے نہ پوچھنے پر بھی وہ خود ہی بول اٹھی۔ "آج اس نے مجھے لنچ پر بلایا تھا لیکن میں بھول گئی۔ وہ اب بھی میرا انتظار کر رہی ہے۔"

"تو چلی جاؤ۔" ہرمیش دھیرے سے بولا۔

"لیکن تم جب گھر پر ہوتے ہو تو کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔" وینا کے لہجے سے ظاہر ہونے والی محبت اسے آج کچھ بناوٹی سی لگ رہی تھی۔ اس کے بعد وینا فوراً ہی کچن میں چلی گئی۔ ہریش زیر لب مسکرانے لگا۔ کچن میں آ کر وینا نے فریج سے پانی کی ٹھنڈی بوتل نکالی اور سارا گلاس خالی کر دیا۔ گھر کی اس بدلتی ہوئی کیفیت پر اسے ٹھنڈے دل سے غور کرنا تھا۔ مس پاٹل کا فون بے حد اہم اور نجی فون تھا کیوں کہ وہ فون پر کچھ گھبرائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ ضرور کوئی اہم بات ہو گئی تھی ورنہ مس پاٹل اسے فون کبھی نہ کرتی۔ مس پاٹل کو جانے کیا واقعہ پیش آیا تھا اس نے یہ ضرور سوچ لیا تھا کہ بہت جلد مس پاٹل سے تنہائی میں ملاقات کرنا ہو گی مگر کہاں؟ کب؟ وہ زیادہ دیر تک نہ سوچ سکی۔ اس نے قدموں کی آہٹ سنی تھی۔ یکایک اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو کچن کے دروازے پر ہریش کھڑا تھا۔ ہریش کو دیکھ کر وہ اس طرح چونک پڑی جیسے دروازے پر کوئی اجنبی کھڑا ہو۔

ہریش نے اس کی حالت پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ بڑی دھیمی آواز میں بولا۔ "تمہارا فون ہے۔"

"کہہ دو کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔" وینا نے کہا۔

"لیکن اسے معلوم ہے کہ تم گھر پر ہو۔"

یہ فون بھی مس پاٹل کا ہی ہونا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ اسٹول سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہریش اس کے پیچھے ہی پیچھے آیا تھا لیکن اس بار وہ خواب گاہ میں داخل نہیں ہوا بلکہ وہ ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ وینا ٹیلی فون پر بات کر لے۔ وینا خواب گاہ کی طرف دوڑ گئی۔ اسے اس وقت خوشی ہو رہی تھی کہ ہریش ڈرائنگ روم ہی میں رک گیا تھا۔ اب وہ اطمینان سے بات کر سکے گی۔

"ہیلو!" وہ ریسیور اٹھا کر بولی۔ دوسری طرف سے مس پاٹل کی آواز نہ پہچان کر وہ پھر بولی۔ "فون کرنے کے لیے میں نے منع کیا تھا پھر بھی۔۔۔"

"لیکن میں مس پاٹل کی سیکرٹری ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سوری!" وینا دبی ہوئی آواز میں بولی۔ "کہو کیا بات ہے؟"

مس پاٹل آپ کے گھر آنے کے لیے یہاں سے نکل چکی ہیں۔۔۔ سیکرٹری نے

بتایا۔ پھر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

وینا ریسیور رکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اتنا تو سمجھ ہی گئی تھی کہ معاملہ کسی حد تک سنگین ہے، نہیں تو مس پاٹل اتنی بے چین ہو کر اس کے گھر آنے کی بے وقوفی کبھی نہ کرتی۔ چند ہی منٹوں میں اب وہ یہاں آ جائے گی اور انہی چند منٹوں میں اسے ذہنی طور پر تیار ہو جانا چاہیے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کم بخت ٹیلی فون ایک دن کے لیے ہٹا اور مصیبت آ گئی۔ اگر اس وقت فون کچن میں ہوتا تو یہ مصیبت کھڑی نہ ہوتی اور وہ ہریش کی آنکھوں پر پٹی باندھنے میں اب بھی کامیاب ہو جاتی۔ ویسے تو ہریش بینا ہو کر بھی نابینا ہی تھا۔ وینا کو خبر نہ تھی کہ اب ہریش کی آنکھیں پوری طرح کھل چکی ہیں۔

خواب گاہ سے نکل کر وینا ڈرائنگ روم میں آ گئی اور اپنا منہ لٹکا کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ہریش نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ "کیا ہوا؟"

"ڈارلنگ مجھے پارٹی میں جانا ہی ہو گا۔" وہ بولی۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ میں نے تو تمہیں اجازت دے دی ہے۔"

"تم نے کب منع کیا تھا۔" وینا نے بڑے پیار سے کہا۔ "لیکن آج میں چاہتی ہوں کہ تم شوہر کی حیثیت سے اپنا حق استعمال کرو اور مجھ سے کہہ دو کہ نہیں آج تمہیں نہیں جانا ہے۔"

"تمہاری جگہ اگر کوئی دوسری عورت ہوتی تو میں اپنا حق ضرور استعمال کرتا۔" ہریش بولا۔

"تو میں جاؤں؟" وہ جلدی سے بولی۔

"ضرور لیکن جانا کہاں ہے؟" ہریش نے پوچھا۔

وینا کے چہرے پر بڑی تیزی سے ایک لکیر ابھری لیکن دوسرے ہی پل وہ لکیر غائب ہو گئی کیوں کہ ہریش نے آج پہلی بار اس سے یہ سوال کیا تھا اور پہلی بار ہی اس نے اپنے شوہر ہونے کا اسے احساس دلایا تھا۔ یہ سوچ کر اسے اپنی بے وقوفی پر غصہ آنے لگا۔

"تم اگر بتانا نہیں چاہتی ہو تو یہ الگ بات ہے۔" ہرمیش اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"میں سوچ رہی ہوں آج تمہیں ہو کیا گیا ہے؟" وینا رواروی میں یہ بات کہہ گئی۔

اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر ایک بار پھر ہرمیش دل ہی دل میں ہنس دیا اور بولا۔ "مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا' میرا خیال ہے تمہی کچھ پریشان ہو۔"

وینا اسے اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے بولی۔ "اس کی وجہ تم جانتے بھی ہو کہ میں جانا نہیں چاہتی۔"

"تو پھر مت جاؤ۔"

"لیکن میری ایک سہیلی کار لے کر آ رہی ہے اور میں مجبور ہوں۔ پھر بھی میری مجبوری پر تم مسکرا رہے ہو؟" وینا نے ایک ادا سے یہ بات کہی اور پلٹ کر خواب گاہ میں تیار ہونے چلی گئی۔

ہرمیش نے پھر کتاب اٹھائی اور پڑھنے کی اداکاری شروع کر دی۔ ابھی تک وہ یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ رام نے آخر ایسا کون سا جادو کیا تھا کہ تاتیا کے ساتھیوں میں کھلبلی مچ گئی ہے۔

وینا خواب گاہ سے باہر نکلی۔ اس وقت اس نے جامنی رنگ کی ساری پر اسی سے میچ کرتا ہوا بلاؤز پہن رکھا تھا۔ ڈرائنگ روم سے نکل کر وہ کچن کی طرف گئی۔ چولھے پر چائے کا پانی کھول رہا تھا۔ وہ ہرمیش کے لیے چائے لے کر آ گئی تو ہرمیش نے پوچھا۔ "ابھی تک تم نے بتایا نہیں کہ کہاں جاؤ گی؟"

"اوہ!" وہ بولی اور ٹھیک اسی وقت باہر سے کسی کار کا ہارن سنائی دیا۔

یہ بتانا تو میں بھول ہی گئی' ہم پارلے سکیم میں کھلے ہوئے ایک نئے ہوٹل روڈلینڈ میں جا رہے ہیں۔"

"کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہماری ایک سہیلی لندن سے واپس آئی ہے۔ ہم سب پارٹی میں ایک دوسرے سے ملیں گے۔ اچھا اب میں جا رہی ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

ہرمیش فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کھڑکی کا پردہ ہٹا کر اس نے دیکھا تو باہر پیلے رنگ کی ایک **امبسیڈر** کار میں ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ کار کے شیشے کی وجہ سے وہ اس کا چہرہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا تھا لیکن کار کا نمبر اس نے ذہن نشین کر لیا۔

وینا کے بیٹھتے ہی وہ کار چل پڑی تھی۔ ہرمیش کھڑکی سے ہٹ کر فوراً ہی خواب گاہ میں آ گیا۔ پھر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر اس نے فاطمہ گیسٹ ہاؤس کا نمبر ملایا۔ رام اس وقت اپنے کمرے ہی میں تھا اور سریتا کا انتظار کر رہا تھا۔ سریتا کو اس نے دو کام سونپے تھے۔ ایک تو اسے اخبار ٹائمز میں اطلاع کا ایک چھوٹا سا اشتہار دینا تھا تاکہ اس کے ڈیڈی سے رابطہ قائم ہو سکے۔ دوسرا کام کلپنا کے ذریعے اس کے منگیتر کرائم برانچ کے افسر ہری سے اس کی ملاقات کا انتظام کرنا تھا لیکن ابھی تک سریتا واپس نہیں آئی تھی۔ سریتا نے اتنا ضرور کیا تھا کہ وقت مقررہ پر فون کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دے دی تھی۔ اخبار ٹائمز کا کام ہو گیا تھا۔ اشتہار وہ دے چکی تھی جو کل کے اخبار میں شائع ہونے والا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کلپنا سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ شام پانچ بجے تک اسے دوبارہ فون کرے گی یا خود واپس آ جائے گی۔

اچانک اس کے کمرے کے دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ سمجھ گیا کہ ضرور کوئی فون آیا ہے۔ فاطمہ گیسٹ ہاؤس کا فون نیچے کاؤنٹر پر تھا۔ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا کلرک کسی کا فون ہوتا تو وہ اس کے کمرے کی گھنٹی بجا دیا کرتا تھا۔ رام فوراً نیچے آ گیا۔ کاؤنٹر پر رکھا ہوا ریسیور اس نے اٹھا لیا اور بولا۔ "ہیلو۔"

"مائی سن۔" دوسری طرف سے ہرمیش کی آواز وہ پہچان گیا تھا۔ ہرمیش کہہ رہا تھا۔ "تمہاری ترکیب کام کر گئی۔ وینا کسی لڑکی کے ساتھ ابھی گھر سے باہر گئی ہے۔"

"اس نے جگہ کا نام بتا دیا؟" رام نے پوچھا۔

"پارلے اسکیم ہوٹل وڈلینڈ۔" ہرمیش بولا۔ "لیکن مجھے یقین نہیں ہے کہ اس نے سچ ہی بتایا ہو گا۔" پھر ہرمیش نے اسے کار کا نمبر' اس کا رنگ اور ماڈل وغیرہ سب کچھ بتا دیا۔

"رام یہ سب سن کر بولا۔ "مجھے معلوم تھا وہ سچ نہیں بولے گی' مگر خیر پارلے

اسکیم کی طرف جانے کے لیے اسے اسی گیسٹ ہاؤس کے پاس سے گزرنا ہو گا اور کچھ؟"

"ابھی تک میں یہ سمجھ نہیں سکا کہ تم نے کیا جادو کیا ہے!" ہرمیش بولا۔

"میں جم لینڈ کے انکم ٹیکس کنسلٹنٹ کے دفتر تک چلا گیا تھا۔" رام بولا۔

"کیوں؟"

"اسے یہ بتانے کہ جم لینڈ کے حساب کتاب میں کافی ہیرا پھیری ہے اور اس کے دوسرے پارٹنر کی بلیک منی اسی جم لینڈ کے ذریعے سفید ہو رہی ہے۔ مجھے اگر پچاس ہزار روپے نہیں دیئے گئے تو چوبیس گھنٹے کے اندر انکم ٹیکس کا چھاپا پڑے گا اور مس پاٹل کے ساتھ وہ بھی جیل کی ہوا کھائے گا۔" رام نے بتایا۔

"اسے تمہاری بات پر یقین آگیا؟" دوسری جانب سے ہرمیش نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں! کیوں کہ میں نے اپنا تعارف خفیہ پولیس کے آفیسر کی حیثیت سے کرایا تھا۔" رام بولا۔ "اس سے ان کے خیمے میں آگ لگ جائے تو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ میں نے مس پاٹل کو بھی فون کیا تھا کہ اس کے دونوں ٹرینز ایک بہت بڑے جرم میں ملوث ہیں۔ یہ سن کر وہ بوکھلا گئی۔

"اچھا۔" یہ کہہ کر ہرمیش نے فون بند کر دیا۔ کاؤنٹر کلرک اس وقت کاؤنٹر کے پیچھے ایک کونے میں بیٹھا ہوا کسی کام میں مصروف تھا۔ رام گیسٹ ہاؤس سے باہر نکل آیا۔ کچھ دور آگے چل کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا لیکن اس نے ڈرائیور سے ٹیکسی چلانے کے لیے نہیں کہا۔ شہر کی جانب سے آنے والی کاروں پر اس کی نگاہ جمی ہوئی تھی۔ چند ہی منٹ بعد اسے پیلی **ایمبسڈر** کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو اشارہ کیا اور ٹیکسی چل پڑی۔ اس کے اور اس پیلی **ایمبسڈر** کے درمیان دو اور کاریں آگے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔ رام نے یہ فاصلہ جان بوجھ کر برقرار رکھا تھا۔ رام ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ پارلے اسکیم آتے ہی پیلی **ایمبسڈر** کار سمندر کی جانب مڑ گئی اور کچھ دور آگے جا کر **بھیکو** کے مندر کے پاس جا کر رک گئی۔ رام نے ٹیکسی ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا۔

دور سے اس نے دیکھا کہ وینا اور مس پاٹل نے مندر کے دروازے پر کھڑے ہوئے **بھیکو** سے کچھ باتیں کی تھیں۔ پھر وینا کو واپس جانے کا اشارہ کرتے ہوئے **بھیکو** مس پاٹل کو مندر کے اندر لے گیا۔ وینا کچھ پریشان پریشان سی دکھائی دے رہی تھی۔ اور اس کی نگاہیں کسی ٹیکسی کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ پھر جوہو کی طرف سے آتی ہوئی ایک خالی ٹیکسی کو روک کر وہ اس میں بیٹھ گئی۔ رام اپنی جگہ کھڑا بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ پجاری نے اسے واپس کیوں بھیج دیا؟ دوسرا سوال یہ تھا کہ اسے وینا کے پیچھے جانا چاہیے یا اسی جگہ ٹھہرنا چاہیے۔ اس نے فوراً ہی ایک فیصلہ کر لیا۔ اب وہ دبے قدموں سے چلتا ہوا مندر کے دروازے تک آگیا تھا۔ اس نے محتاط ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ پھر اس نے احتیاط سے مندر کے اندر جھانکا۔ کرشن بھگوان کی قد آدم مورتی کے سامنے **بھیکو** بیٹھا ہوا تھا۔ کرشن بھگوان کی مورتی کے قدموں میں کئی اور چھوٹی بڑی مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ رام کو اچانک بڑی حیرت ہوئی **بھیکو** کرشن بھگوان کی مورتی سے باتیں کر رہا ہے۔ دیوی دیوتاؤں سے وابستہ بہت سی عجیب باتیں وہ سن چکا تھا لیکن آج سے پہلے اس نے کوئی ایسا عجیب منظر اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تو پتھر کی مورتی کے ہونٹوں سے آواز نکل رہی تھی۔

"ہے بھگوان!" **بھیکو** کہہ رہا تھا۔ "تم ہو تو یہ دھرتی ہے، تم ہو تو یہ آسمان ہے، تمہاری کرپا بڑی نیاری ہے۔"

"اور کچھ؟" کرشن بھگوان کی مورتی سے آواز نکلی۔

"ہاں بھگوان!" **بھیکو** جلدی سے بولا۔ "تمہارے حکم کے مطابق میں نے مس پاٹل کو جنت کا راستہ دکھا دیا ہے۔"

"تم نے ٹھیک ہی کیا ہے۔ بھگت اس کا وقت کب کا پورا ہو چکا تھا، دشمنوں پر وہ ہمارے بہت سے راز کھول چکی تھی۔"

"مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس کا وقت اتنی جلدی پورا کیسے ہو گیا؟" **بھیکو** کا جملہ پورا ہوا ہی تھا کہ رام اس پر آفت بن کر ٹوٹ پڑا۔ گردن پر ایک ہاتھ لگتے ہی وہ جہاں بیٹھا تھا اسی جگہ خاموشی سے ڈھیر ہو گیا۔

"بھگت!" بھگوان کرشن کی مورتی بول رہی تھی۔ اسے جنت کا راستہ تم نے ٹھیک سے دکھایا ہو گا اس کا مجھے یقین ہے۔"

"تاتیا!" رام مورتی کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا۔ "اب تمہارا وقت بھی پورا ہو چکا ہے۔"

پل بھر کے لیے سناٹا پھیل گیا۔ کرشن بھگوان کی مورتی خاموش تھی۔

رام پھر بولا۔ "میں تمہاری موت ہوں تاتیا دوسروں کو مہرہ بنا کر کھیل کھیلنے والے مرد نہیں کہلاتے۔ اگر تم مرد ہو تو میرے سامنے آ جاؤ۔"

"بھگت؟" کرشن بھگوان کی مورتی سے پھر آواز نکلی۔ "بھگوان تو انسانوں کے دل کے اندر ہوتے ہیں۔ دل کی آنکھ کھول مورکھ۔ تجھے ہمارے درشن ہو جائیں گے۔" اس کے ساتھ ہی کھٹ سے ایک آواز ہوئی اور ایسا لگا جیسے لائن کٹ گئی ہو۔

رام بڑی تیزی سے کرشن بھگوان کی مورتی کے پیچھے آ گیا۔ پھر وہ ٹٹول ٹٹول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ دھندلی دھندلی روشنی میں اس نے دیکھا' اس کے ہاتھ میں بجلی کا ایک تار آ گیا ہے۔ تار کا دوسرا سرا پیچھے والی کوٹھری کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ رینگتا ہوا بہت آہستگی سے اس کوٹھری کے دروازے تک آ گیا اور پھر اچانک اس نے دروازے پر ایک زوردار لات ماری۔ دروازہ کھل گیا۔ کوٹھری میں گھپ اندھیرا تھا۔ چند لمحوں بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوئیں تو حیرت سے پھیل گئیں۔ بکرے کی طرح ذبح کی ہوئی مس پاٹل کی لاش اس کے سامنے پڑی ہوئی تھی۔ مس پاٹل کی گردن اس کے جسم سے الگ ہو چکی تھی۔ رام یہ دیکھ کر کانپ اٹھا۔ زیادہ دیر یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ یہ سوچ کر وہ فوراً ہی مندر سے باہر نکل آیا۔

مندر سے کچھ دور پیدل چل کر اس نے سوچا کہ اسے سریتا سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ سریتا نے اسے بتایا تھا کہ اگر بہت ضروری ہو تو وہ ہوٹل قندیل کے ریسٹورنٹ روم میں فون کر کے مس کلپنا کی سہیلی کو بلا لے۔ اس نے ہوٹل قندیل کا فون نمبر بھی اسے بتایا تھا۔ ممکن ہے وہ ابھی تک وہیں ہو۔ اس خیال کے آتے ہی وہ ایک فون بوتھ میں داخل ہو گیا اور پھر جلد ہی اسے سریتا کی آواز سنائی دی۔ کیا خبر ہے؟ اس نے سریتا سے پوچھا۔

"میں نے کلپنا کو رضامند کر لیا ہے۔" سریتا نے کہا۔ "ہری آج رات تمہیں المنڈا پارک میں ملے گا اور کچھ؟"

کلپنا کے ذریعے ہری کو ایک گرما گرم خبر کا تحفہ اپنی طرف سے دے دو۔ رام بولا۔

"کون سی خبر؟" سریتا نے پوچھا۔

"جوہو پارلے اسکیم کا مندر تاتیا کا ایک خفیہ اڈا ہے۔ رام کہہ رہا تھا۔ اس کے پجاری نے مس پاٹل کو مندر میں قتل کر دیا ہے اور لاش ابھی تک وہیں پڑی ہے۔ پجاری بھی شاید وہیں بے ہوشی کی حالت میں مل جائے۔"

سریتا نے خاموشی سے فون رکھ دیا اور واپس اپنی میز پر آ گئی جہاں کلپنا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سریتا سے پوچھا۔ "کس کا فون تھا؟"

"رام کا۔"

"کیا کہا اس نے؟" کلپنا نے پوچھا۔

سریتا نے ساری بات اسے بتا دی جسے سن کر کلپنا حیرت زدہ رہ گئی۔ جب سے اس نے سریتا کی تصویر اخبار میں دیکھی تھی اس وقت سے اس کا ذہن یہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہی نہیں تھا کہ اس کی سہیلی کسی قاتل سے ملی ہوئی ہو گی اور وہ کوئی قتل بھی کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ہری سے اس نے زوردار بحث بھی کی تھی۔ ہری نے اس سے صرف اتنا ہی کہا تھا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ تمہاری سہیلی بے قصور ہے میں کیسے مان لوں کہ اس نے خون نہیں کیا۔"

"لیکن اس کے متعلق کچھ تو تمہارا خیال ہو گا؟" کلپنا نے پوچھا تھا۔

"لیکن میں تمہاری سہیلی سے ایک بار بھی نہیں ملا' ۔ بات تم کیوں بھول جاتی ہو۔" ہری نے کہا تھا۔

اس کی یہ بات درست بھی تھی کسی کے چہرے کو دیکھ کر زیادہ تو نہیں مگر کچھ تو اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔ ہری اگر ایک بار سریتا کو دیکھ لے تو اسے یقین آ جائے گا کہ وہ بے قصور ہے۔ لیکن سریتا کو تلاش کہاں کیا جائے؟ اخبار میں تصویر شائع ہوتے ہی وہ غائب ہو گئی تھی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ سریتا بمبئی ہی میں ہے یا

واپس دہلی چلی گئی ہے۔

آج سریتا کا اچانک فون آیا تھا جس کے نتیجے میں دونوں اس وقت ہوٹل قندیل کے ریسٹورنٹ روم میں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ یہاں آکر بھی وہ سریتا کو پہچان نہیں سکی تھی کیوں کہ سریتا کا حلیہ اور چہرہ بڑی حد تک بدلا ہوا تھا۔ اس کے سر کے آدھے بال سفید دیکھ کر تو وہ اسے کوئی ادھیڑ عمر عورت ہی سمجھی تھی۔ سریتا خود ہی اٹھ کر اس کے قریب آئی تھی جسے دیکھ کر کلپنا بری طرح چونک گئی تھی۔ پھر سریتا نے اسے ایک کے بعد ایک ہونے والے واقعات تفصیل سے بتائے تھے۔ کلپنا کو اس کی کہانی کسی جاسوسی کہانی سے زیادہ سنسنی خیز لگ رہی تھی۔ پھر بھی اسے یقین تھا کہ سریتا نے جو کچھ کہا تھا وہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ کلپنا اسی لیے ان دونوں کی مدد کے لیے فوراً ہی راضی ہو گئی تھی۔ شام کے وقت ہری اس سے ملنے کے لئے گھر آنے والا تھا اور اپنے اسی وقت کو اس نے رام کی ملاقات کے لیے مقرر کر لیا تھا۔ ابھی تک ہری سے اس کی بات نہیں ہوئی تھی۔ سریتا سے یہ وعدہ اس نے اپنی طرف سے کیا تھا کیوں کہ اسے یقین تھا' ہری اس کی بات نہیں ٹالے گا۔ دوسری بات یہ کہ ملاقات صرف رام کے بھلے کے لئے ہی نہیں تھی بلکہ اس میں ہری کا بھی فائدہ تھا۔

○

پبلک ٹیلی فون بوتھ سے رام نے دوسرا فون ہرمیش کو کیا۔ وینا گھر واپس آ چکی تھی۔ وہ کچھ الجھی الجھی اور پریشان سی تھی۔ ہرمیش نے اس سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ صبح سے جو کتاب اس نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اس کے پڑھنے میں مصروف تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے چوبیس گھنٹے کے اندر وہ اس کتاب کو پڑھ لینا چاہتا ہے۔

"تمہارے شملہ رائفل کلب کی کال آگئی؟" آخر وینا نے پوچھ ہی لیا۔

ہرمیش سمجھ گیا کہ وینا ٹیلی فون کو یہاں سے ہٹا کر پھر کچن میں لے جانا چاہتی ہے۔ اس نے سر اٹھائے بغیر "نہیں" کہہ دیا۔

دل ہی دل میں اپنی تقدیر کو کوستی ہوئی وینا جیسے ہی کچن کی طرف بڑھی ٹیلی فون

کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ہیلو!" ہرمیش نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ دوسری طرف سے رام پوچھ رہا تھا۔

"آپ کی وینا گھر آگئی؟"

"ہاں۔"

"غور سے سنئے۔" رام نے پرزور آواز میں کہا۔ "آپ کی بیوی وینا جم لینڈ کی مالکن مس پاٹل کے ساتھ جوہو پارلے اسکیم کے مندر میں گئی تھی۔ یہ مندر تاتیا کا ایک اڈا ہے۔ مس پاٹل کو وہاں قتل کیا جا چکا ہے۔"

"وجہ؟" ہرمیش نے حیرت سے پوچھا۔

"اس نے تاتیا کے احکام کی خلاف ورزی کی تھی۔ اس کے بہت سے راز وہ جانے انجانے میں مجھے بتا چکی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ بوکھلا کر آپ کے گھر بھاگی چلی آئی۔ یہ اس کی آخری اور خطرناک غلطی تھی۔" رام نے بتایا چند لمحوں بعد ہرمیش کو پھر اس کی پرجوش آواز سنائی دی۔ "آپ یقین کریں گے کہ میں نے تاتیا سے آج پہلی بار باتیں کی ہیں۔"

"اچھا!" اپنی حیرت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے ہرمیش بولا۔

پھر رام نے دوسری طرف سے اسے مختصر تفصیل بتا دی اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریسیور رکھ کر ہرمیش نے وینا کی طرف دیکھا۔ وینا اس سے کچھ فاصلے پر کچن کے دروازے پر کھڑی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہرمیش کے قریب آگئی اور بولی یہ کس کا فون تھا؟"

جواب دینے سے پہلے ہرمیش نے وینا کے چہرے کا جائزہ لیا اور پھر دھیرے سے بولا۔ "تمہاری سہیلی کا خون ہو گیا ہے۔"

"کہاں؟" وینا بے اختیار اچھل پڑی۔

"وڈلینڈ ہوٹل میں۔" ہرمیش نے دھیرے سے کہا۔

وینا سمجھ گئی ہرمیش بھی تقریباً اسی کی طرح سچ بولنا سیکھ گیا ہے۔ بازی الٹ چکی تھی اور تاش کے پتے صاف نظر آ رہے تھے وہ دم سادھے چپ چاپ کھڑی تھی۔

ہرمیش نے ہاتھ بڑھا کر رائفل اٹھا لی۔ چیمبر میں کارتوس ڈال کر ہرمیش نے اسے بند کر دیا اور بولا۔ "اپنی موت کا انتخاب کر لو اپنے ہاتھوں سے مرنا چاہتی ہو یا پھر میرے ہاتھوں سے؟"

وینا نے رائفل لینے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

ہرمیش نے کچھ سوچے بغیر رائفل اس کے ہاتھ میں تھما دی اور بولا۔ "وینا!"

"کہو!" وینا کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"تم جانتی ہو، میں نے تم سے محبت کی ہے، آسمان جتنی محبت اور سمندر کی گہرائیوں سے زیادہ گہری محبت!" ہرمیش بولا لیکن وینا خاموش تھی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہرمیش مزید بولا۔۔۔

"اس کے بدلے میں تم سے ایک جواب کی امید تو رکھ سکتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں تم کیا سوال کرو گے!" وینا نگاہ اٹھا کر بولا۔

"مرنے سے پہلے کیا مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"یہ جان کر تمہیں کیا فائدہ ہو گا۔" وہ بولی۔

"ابھی میں نے اپنے بیٹے کا انتقام نہیں لیا ہے۔" ہرمیش نے کہا۔

"بھول جاؤ! ہرمیش!" وینا ذرا تیز آواز میں بولی۔ "میں نہیں چاہتی کہ بیٹے کے پیچھے باپ بھی چلا جائے۔"

"نہیں!" ہرمیش بولا۔ "مجھے اور زیادہ دن زندہ رہنے کا بہانہ مل جائے گا۔" اس کی آواز کانپنے لگی تھی۔ "نہیں تو اس حویلی کی تنہائی اور یہاں کا سناٹا مجھے کھا جائے گا۔"

ہرمیش کی بات درست تھی۔ وہ اسے دیوی سمجھتا تھا اور وہ ناگن نکلی۔ شربت کے پیالے میں زہر بھرا ہوا تھا اور آج تک وہ اس زہر کو امرت سمجھ کر پیتا رہا تھا۔

اس خوبصورت دھوکے کے سہارے وہ اب تک زندہ رہا تھا اور اب تو یہ خوبصورت دھوکا بھی نہیں رہا تھا۔

"وینا مرنے سے پہلے تو میری بات مان لو اور اپنے گناہوں کا کچھ تو کفارہ ادا کر لو۔ یہ میری تم سے آخری گزارش ہے۔" ہرمیش بولا۔

"ٹھیک ہے۔" وینا کچھ سوچ کر بولی۔ "تاتیا کا راز جاننے کے لیے تمہیں مہاکرانسی سوامی جی کے چرنوں میں جانا ہو گا۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور پھر اچانک وہ رائفل سمیت کچن میں چلی گئی۔ چند لمحوں کے اندر ہی ایک بھیانک دھماکا ہوا اور پھر فوراً ہی وہاں سناٹا طاری ہو گیا، ایک بھیانک خاموشی چھا گئی۔

رات کے نو بجے رام المنڈا پارک سے واپس آیا۔ سریتا فاطمہ گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ رام اوپر جانے سے پہلے نیچے کے ایک ریستوران میں کھانے کا آرڈر دے آیا تھا۔ جب وہ کپڑے تبدیل کرکے باتھ روم سے باہر نکلا تو ریسٹورنٹ کا بیرا کھانا لے کر آچکا تھا۔ وہ دونوں کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کھانے کے دوران ہی میں سریتا نے پوچھا۔ "ہری سے کیا بات ہوئی؟"

"میں نے ایک گھنٹے تک اس کا انتظار کیا مگر وہ نہیں آیا۔" رام نے بتایا۔

"لیکن کلپنا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا!" سریتا بولی۔

"شاید اچانک کوئی ضروری کام آپڑا ہوگا۔" رام نے کہا۔

"تم سے ہونے والی یہ ملاقات بھی تو ضروری تھی۔"

"شاید وہ کام اس سے بھی زیادہ ضروری ہو۔" رام نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے بولا۔ "پولیس افسر کی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔"

"لیکن ہری بھروسے والا شخص ہے۔" سریتا بولی۔ "شام کے وقت کلپنا سے پھر میں نے پروگرام کنفرم کرلیا تھا۔"

"کل پھر فون کرکے پوچھ لینا۔" رام بولا۔

سریتا نے کچھ سوچ کر رام کا مشورہ مان لیا۔ "اور کیا خبر ہے؟" اس نے رام سے پوچھا۔

رام نے دن بھر کی کہانی اسے تفصیل سے سنا دی۔ پیلی **ایمبسڈر** کار کا پیچھا کرتے ہوئے وہ پارلے سکیم کے مندر تک پہنچ گیا تھا۔ وہ مندر تاتیا کا خفیہ اڈا تھا اور وہیں مس پاٹل کو قتل کر دیا گیا تھا اور وہیں سے اس نے تاتیا کو للکارا تھا۔

"اب؟" سریتا اٹھ کر ہاتھ دھوتے ہوئے بولی۔

"ہمارے پاس اب صرف ایک ہی کڑی رہ گئی ہے۔" رام نے کہا۔ "اور وہ ہے ہرمیش کی بیوی وینا!" اتنا کہہ کر وہ بھی کھڑا ہوگیا اور ہاتھ دھوتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں پبلک فون بوتھ سے ایک فون کرلوں۔"

سریتا جانتی تھی کہ ضروری اور خفیہ ہاؤس کے لئے گیسٹ ہاؤس کا فون خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ رام اسٹیشن چلا گیا۔ اسٹیشن وہاں سے قریب ہی تھا۔ اس نے فون بوتھ کے اندر داخل ہوکر ہرمیش کی لال حویلی کا نمبر ملایا۔

"ہیلو!" اسے ہرمیش کی آواز سنائی دی۔

"کوئی خبر؟" رام نے پوچھا۔

"کمار تمہیں ابھی یہاں آنا پڑے گا۔" ہرمیش اس کی آواز پہچان کر بولا۔

"ابھی؟"

"ہاں۔"

"اچھی بات ہے۔" ریسور رکھنے سے پہلے اس نے بتا دیا کہ آدھے گھنٹے تک وہ وہاں پہنچ جائے گا۔ وہیں سے اس نے گیسٹ ہاؤس میں فون کرکے سریتا کو بلایا اور اس سے کہہ دیا کہ وہ اس کا انتظار نہ کرے اسے دیر بھی ہوسکتی ہے۔ ٹیکسی اسٹینڈ اسٹیشن کے باہر تھا۔ اب اس کی ٹیکسی وارڈن روڈ کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔

ہرمیش اس کے انتظار میں دروازے پر ہی کھڑا تھا۔ ٹیکسی سے اتر کر رام سیدھا اس کے قریب آگیا اور اس سے پہلے کہ رام اس سے کوئی سوال کرتا ہرمیش نے بڑی سرد سی آواز میں کہا۔ "وینا نے خودکشی کرلی ہے۔"

رام یہ سنتے ہی سناٹے میں رہ گیا۔ یہ خبر اس کے لئے واقعی دھماکہ خیز تھی۔ چند لمحوں تک وہ دونوں ہی خاموش کھڑے رہے۔ "کیا ہوا تھا؟" آخر رام نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

جواب میں ہرمیش نے ساری تفصیل بیان کردی۔ "ویسے مرنے سے پہلے وہ اپنا بوجھ کچھ ہلکا کرگئی ہے۔" اندر کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے ہرمیش بولا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں" اس نے کیا کہا تھا؟ رام نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"اس نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ تاتیا کا راز جاننے کے لئے تمہیں مہاکرانسی سوامی جی کے چرنوں میں جانا ہوگا۔" ہرمیش نے بتایا۔

یہ سنتے ہی رام کے دماغ میں بجلی سے کوند گئی اور وہ جلدی سے بولا۔ "اس کا مطلب ہے' میرا خیال بالکل صحیح تھا۔"

"کیا؟"

"آپ کو یاد ہوگا کہ تاتیا کی فائل پڑھ کر میں نے کہا تھا کہ تاتیا کے بچپن پر دو آدمیوں کا اثر بہت زیادہ رہا ہے' ایک تو اس کا باپ جو شکاری تھا اور دوسرا سادھو جو اسے اپنے آشرم میں لے گیا تھا۔ پلاسٹک سرجری کے لئے اسے ان دو چہروں میں سے ہی کسی کا انتخاب کرنا چاہئے۔" اتنا کہہ کر رام کچھ دیر رکا' پھر بولا۔ "مہاکرانسی سوامی جی ہی تاتیا کا نیا روپ ہے نیا چہرہ ہے!"

ہرمیش اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

رام نے مزید کہا۔ "میں نے آپ کو فون پر بتایا تھا کہ تاتیا سے بات کی ہے' میں نے اسے پردے سے باہر نکلنے کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا کہ بھگت! بھگوان تو انسانوں کے دل میں ہوتے ہیں' دل کی آنکھیں کھول مورکھ! تجھے درشن ہو جائیں گے۔ یہ الفاظ بھی یقیناً" کسی سادھو یا سوامی ہی کے ہوسکتے ہیں۔"

باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں اب کچن کے دروازے تک آگئے تھے۔ ابھی تک وینا کی لاش اسی جگہ فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ ہرمیش نے اس کی لاش پر بہت سارے پھول بکھیر دیے تھے۔

آپ نے پولیس کو اطلاع دے دی؟" رام نے پوچھا۔

"نہیں۔" ہرمیش کی آواز کانپ رہی تھی اور لہجہ اداسی میں ڈوبا ہوا تھا۔" اس کا چہرہ میں جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا' دیکھ لیا ' اب پولیس کو فون کروں گا۔ تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں کل مہاکرنسی سوامی جی کے درشن کے لئے اس کی کوٹھی ستیہ بھومی جاؤں گا۔" رام نے جواب دیا۔

"کیا میں تمہاری کوئی مدد کرسکتا ہوں؟" ہرمیش نے پوچھا۔

رام کچھ سوچ کر بولا۔ "وینا کی موت کی خبر آپ ایک دن تک روکے رکھ سکتے ہیں؟"

"تمہارا مطلب ہے میں پولیس کو خبر نہ کروں؟" ہرمیش نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟" ہرمیش نے پوچھا۔

"یہ خبر میں خود تاتیا کو سنانا چاہتا ہوں۔" رام نے وجہ بتاتے ہوئے کہا۔ "اس سے کہوں گا کہ وینا کو میں نے قتل کیا ہے۔ یہ سن کر وہ ضرور بوکھلا جائے گا۔ یہ آخری صدمہ وہ برداشت نہیں کرسکے گا اور میں یہی چاہتا ہوں کہ وہ دہل اٹھے۔"

ہرمیش رضا مند ہوگیا۔ اسے اندر ہی اندر خوشی ہو رہی تھی۔ ایک دن اور اسے مل گیا تھا' مزید ایک دن وہ اپنی بیوی کے چہرے کو دیکھ سکے گا۔ یہ اس کے لئے خوشی کی بات تھی۔

○

سریتا تقریباً چیخ اٹھی۔

رام رات کو دیر سے آیا تھا اس لئے ابھی تک اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ سریتا صبح کا اخبار ہاتھ میں لے کر سرخی دیکھ رہی تھی کہ اچانک اسے چکر سا آگیا اور پھر وہ چیخ پڑی۔ سریتا کی آواز سن کر رام ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سریتا سے کوئی سوال کرتا' سریتا نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔ رام کی آنکھیں ایک سرخی پر ٹھہر گئیں۔ "کرائم برانچ کے نوجوان انسپکٹر ہری لال کو کسی نے قتل کر دیا۔" اس خبر کے ساتھ ہری کی ایک مسکراتی ہوئی تصویر بھی شائع ہوئی تھی۔ جس کے نیچے اس واقعے کی پوری تفصیل کچھ اس طرح سے تھی۔" ہری لال عرف ہری کرائم برانچ کے ایک نوجوان آفیسر کو مشہور اور انتہائی خطرناک پیشہ ور قاتل تاتیا کے متعلق کچھ اہم معلومات حاصل ہونے والی تھیں۔ اسی سلسلے میں وہ گھر سے المنڈا پارک جانے کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اس کی جیپ ماہم سے گزر کر کرشن چندر روڈ پر سگنل کی وجہ سے رک گئی تھی۔ اسی وقت ایک کار اس کے قریب آکر ٹھہر گئی۔ اس کار میں سوار قاتل

نے سائیلنسر لگے ریوالور سے اس کے سر کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ پھر وہ کار ایئرپورٹ روڈ کی طرف بھاگتی دیکھی گئی تھی۔

"تعجب ہے۔" خبر پڑھ کر بے اختیار رام کے منہ سے نکلا۔

سریتا کچھ عجیب انداز سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں اپنی سہیلی کلپنا کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ ہری سے مل کر کلپنا کتنی خوش تھی اور کس قدر مطمئن نظر آتی تھی! ہری کے متعلق باتیں کرتے ہوئے وہ کبھی نہیں تھکتی تھی۔ کتنا پیار ہوگیا تھا اسے ہری سے! سریتا کو یوں لگا جیسے ہری اسی کی وجہ سے بے موت مارا گیا ہے۔ اگر اس نے کلپنا کے ذریعے ہری کو المنڈا پارک میں رام سے ملاقات کے لئے نہ بلایا ہوتا تو ہری آج زندہ ہوتا۔

"نہیں سریتا!" رام جیسے اس کے خیالات کو پڑھتا ہوا بولا۔ "اس میں تمہیں اداس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن ..... لیکن میری ہی وجہ سے اس کی جان گئی ہے' یہ تم بھی جانتے ہو! یہ حقیقت ہے! میں بھی جانتی ہوں' کلپنا بھی جانتی ہے؟"

رام اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "لیکن تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ ایک نہ ایک دن یہ ہونا ہی تھا۔ تمہیں یاد ہے' کلپنا نے تمہیں بتایا تھا کہ خفیہ پولیس کے ایک اجلاس میں ہری نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ پولیس' ناتیا کو نظرانداز کرکے اپنی ساری طاقت رام کو گرفتار کرنے پر آخر کیوں صرف کر رہی ہے؟ وہ ناتیا کو اپنا نشانہ بنانا چاہتا تھا اور ناتیا نے اسے نشانہ بنا دیا۔ ناتیا اسی وقت سے اس کے پیچھے لگ گیا تھا۔"

رام کی یہ دلیل بالکل ہی نظرانداز کر دینے والی نہیں تھی۔ پھر بھی سریتا کا دل نہیں مان رہا تھا کیوں کہ ہری کا قتل ٹھیک اسی وقت ہوا تھا جب وہ رام سے ملاقات کے لئے جا رہا تھا۔ اگر اس ملاقات کا پروگرام نہ ہوتا تو؟ کلپنا کی حالت اس وقت کیا ہوگی' اس کا تصور کرتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"سریتا!" رام اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے' وہ ہوکر ہی رہتا ہے۔ ہری کی قسمت میں شاید گزشتہ کل ہی موت لکھی ہوئی تھی۔"

سریتا پر اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ سسک سسک کر رونے لگی۔

رام اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ہر رات کے بعد صبح ضرور ہوتی ہے۔ دکھ اور سکھ تو زندگی کے دھوپ چھاؤں ہیں۔ میری طرف دیکھو!"

سریتا نے دھیرے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں ایک اچھی خبر سناتا ہوں۔" یہ کہہ کر رام نے اخبار کا ایک صفحہ اس کے سامنے کر دیا اور بولا۔ "پڑھ لو۔"

"کیا ہماری دی ہوئی اطلاع شائع ہوگئی ہے؟" سریتا نے پوچھا۔

"ہاں۔" رام بولا۔ "جو ترکیب ہم نے آزمائی تھی وہی ترکیب تمہارے ڈیڈی نے بھی آزمائی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک اطلاع انہوں نے بھی دی ہے۔" یہ کہہ کر رام نے ایک جگہ انگلی رکھ دی۔ سریتا نے دیکھا' اشتہار کے خانے میں ایک اطلاع شائع ہوئی تھی۔ "اپنا گھر اب اپنا نہیں رہا تو کیا ہوا' تم تو میری ہو۔"

اس اطلاع کے نیچے ایک فون نمبر بھی درج تھا۔ جلد سے جلد ان سے رابطہ قائم کرنا ضروری تھا اس لئے سریتا تیار ہوکر پنٹوا اسٹیشن فون کرنے چلی گئی۔ رام اس کے انتظار میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ اس کی سوچ کا مرکز ناتیا ہی تھا' ناتیا عرف مہاکرانسی سوامی جی! اس مہاکرانسی نے پورے بمبئی کے نوجوانوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ صرف یہی نہیں' اس کے درشن کے لئے دور دراز کے شہروں سے بھی نوجوان آنے لگے تھے۔ جوان لڑکے اور لڑکیاں اس کی تصویر لاکٹ میں لگا کر اپنے گلے میں پہننا فخر کی بات سمجھتے تھے۔

اگر ان تمام نوجوان بھگتوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس شخص کو وہ اپنا سوامی مانتے ہیں' وہ شخص بدنام زمانہ پیشہ ور قاتل ناتیا ہے تو ان کی حالت کیا ہوگی؟ رام سوچ رہا تھا لیکن اس کا اصل مسئلہ یہ نہیں تھا۔ مسئلہ تو کچھ اور ہی تھا۔ مہاکرانسی کو وہ اپنی گرفت میں لینا چاہتا تھا۔ لیکن یہ آسان نہیں تھا۔ رام کی حیثیت سے وہ مہاکرانسی کی کوٹھی ستیہ بھومی میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ مہاکرانسی کے درشن کرنے

کے لئے اسے کوئی نئی چال چلنا ہوگی۔

پھر کچھ دیر غور و فکر کے بعد ترکیب اس کی سمجھ میں آ ہی گئی۔ بڑے اور امیر لوگوں کو مہاکرانسی سوامی وقت ضائع کئے بغیر فوراً" اپنے درشن دے دیا کرتا تھا۔ دل ہی دل میں تمام پروگرام طے کر کے وہ مطمئن ہوگیا۔ کچھ ہی دیر بعد سریتا کمرے میں داخل ہوئی تو رام نے پوچھا۔ "ڈیڈی سے بات ہوگئی ؟"

"ہاں۔" سریتا نے کہا۔ "وہ صرف تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"صرف مجھ سے ؟"

"ہاں تم سے!" بولی۔ "تم سے تمہاری ساری کہانی سن کر وہ فیصلہ کریں گے کہ کس طرح تمہاری مدد کی جائے! پھر وہ تمہیں ساتھ لے کر یہاں آئیں گے اور یہاں سے ہم سب پولیس اسٹیشن جائیں گے۔"

رام چپ چاپ اس کی باتیں سنتا رہا۔ سریتا نے اسے، وہ جگہ بھی سمجھا دی جہاں اس کے ڈیڈی رام سے ملنا چاہتے تھے۔"

رام ایک ٹیکسی لے کر اس جگہ روانہ ہوگیا۔ سریتا کے ڈیڈی ونگ کمانڈر مسٹر بترا دلی میں کسی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ملاقات کے لئے انہوں نے وشی ہی کے قلعے کا انتخاب کیا تھا۔ یہ ایک سنسان جگہ تھی جس کے آس پاس گھنے درخت اور جھاڑیاں وغیرہ تھیں۔ قریب ہی دریا بہتا تھا۔ قلعے کی کچھ دیواریں کھڑی ہوئی تھیں۔

دوپہر کے بارہ بج کر دس منٹ پر رام اس قلعے تک پہنچ گیا۔ ٹیکسی کو رخصت کر کے اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر قلعے کی چاروں طرف ڈالی اور اسے پہلی بار یہ خیال آیا کہ آخر مسٹر بترا نے اس سے ملاقات کے لئے ایسی سنسان جگہ کا انتخاب کیوں کیا ہے؟ اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ مگر اس نے سوچا کہ شاید مسٹر بترا پولیس اور دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے الگ رہ کر اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ رام ایک مفرور شخص تھا۔

قلعے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے آس پاس ایک چکر لگا کر دیکھ لینا ضروری سمجھا۔ ملاقات کے لئے ساڑھے بارہ بجے کا وقت مقرر ہوا تھا۔ ابھی اس کے پاس پندرہ بیس منٹ تھے۔ احتیاط کی خاطر وہ سامنے کے دروازے کی بجائے قلعے کے

پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ دھیرے دھیرے وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ سیڑھیاں نظر آتے ہی وہ اوپر چڑھنے لگا۔ اس کی تیز آنکھیں اچھی طرح اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ زینہ ختم ہوتے ہی اس نے دور دور تک نگاہ ڈالی' لیکن اسے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے مسٹر بترا کو ایک درخت کے سائے میں کھڑے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس سنسان جگہ پر اور کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا۔ اس لئے اسے یقین ہوگیا کہ یہی مسٹر بترا ہیں۔

جس جگہ وہ کھڑا تھا' وہاں سے وہ صاف دیکھ سکتا تھا کہ سریتا کے ڈیڈی مسٹر بترا کا قد بہت لمبا نہیں ہے۔ اس وقت انہوں نے سفید پتلون اور چار جیبوں والی پھول دار بش شرٹ پہن رکھی تھی۔ ان کی صحت اچھی تھی اور جسم کسا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ انہوں نے پشت پر باندھ رکھے تھے اور ان کی نگاہ قلعے کے بڑے دروازے کی جانب لگی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے بارہ بجنے میں اب بھی آٹھ منٹ باقی تھے۔ رام نے دیکھا انہوں نے اپنی بش شرٹ کی داہنی جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکالا تھا۔ انہوں نے اس کو چیک کیا۔ شاید پستول بھرا ہوا ہی تھا۔ مطمئن ہوکر انہوں نے وہ پستول دوبارہ بش شرٹ کی نچلی جیب میں رکھ لیا۔ رام بڑی حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کیا اس کا استقبال پستول کی گولیوں سے کیا جانے والا تھا؟ وہ کچھ سوچ نہ سکا۔ پھر بھی مسٹر بترا سے ملنا اس کے لئے نہایت ضروری تھا۔ مگر کچھ احتیاط بھی لازمی تھی۔

مسٹر بترا کی آنکھیں قلعے کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ رام سیڑھیوں سے اتر کر دوبارہ نیچے آگیا۔ اب وہ احتیاط سے مسٹر بترا کے عقب میں بڑھ رہا تھا۔ بے آواز قدموں سے چلتا ہوا وہ مسٹر بترا کے بالکل پیچھے آکر کھڑا ہوگیا اور پھر جیسے ہی مسٹر بترا نے کلائی کی گھڑی دیکھنے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھایا' رام نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ان کی جیب سے پستول نکال لیا۔ مسٹر بترا نے جھٹکے سے اپنا چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا تو رام مسکراتا ہوا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بتائیں آپ میری کیا مدد کرسکتے ہیں ؟"

مسٹر بترا نے ایک پل اس کی طرف دیکھا اور پھر بولے۔ "مجھے تو یہ امید ہی

نہیں تھی کہ تم میرے سامنے آنے کی ہمت کرو گے۔"

"کیوں ؟ کس لیے ؟"

"کیوں کہ تم نے کرنل اللہ رکھا کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ ان کے خون پسینے کی کمائی ایک لاکھ روپے تم بینک سے نکلوا کر غائب ہو گئے !" یہ کہہ کر مسٹر بترا غصے سے اپنے دانت پیسنے لگے' پھر بولے۔ "لیکن تمہاری بے شرمی کی مجھے داد دینا چاہیے۔"

"کرنل اللہ رکھا !" رام ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔ اس کی یادداشت مچلنے لگی تھی۔ سر کے اندر دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ جوالا مکھی ابلنے لگا تھا اور اس میں سے لاوا بہنے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا۔

کرنل اللہ رکھا !

اچانک اس کا سر گھومنے لگا۔ جوالا مکھی کے دہانے پر ہلچل سی ہونے لگی۔ اسے سخت تکلیف کا احساس ہوا' بہت زیادہ شدید درد ! ایک چہرے کے بعد دوسرا چہرہ اس کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ بہت سارے چہرے رو رہے تھے' چیخ رہے تھے۔ ریلوے اسٹیشن کا ماحول تھا۔ ٹرین پلیٹ فارم پر آکر ٹھہر چکی تھی۔ سیاہ انجن دھواں چھوڑ رہا تھا۔ رام نے اپنا چہرہ دیکھا' صاف اور دھلا ہوا چہرہ ! میلی بنیان اور پیلے رنگ کی دھوتی اس نے پہن رکھی تھی۔

سارے ہی چہرے رو رہے تھے۔ اس کی بہن کی لاش پلیٹ فارم پر پڑی ہوئی تھی۔ لاش پر ابھی تک کسی نے چادر بھی نہیں ڈالی تھی' لیکن اس نے دیکھا تو پلیٹ فارم پر ایک لاش نہیں تھی' بہت ساری لاشیں پڑی تھیں' زخم زخم لاشیں' ادھوری لاشیں اور کچلی ہوئی لاشیں ! اور رونے والوں میں بھی وہ ایک نہیں بہت سے لوگ تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ مرد بھی تھے۔ بوڑھے بھی' جوان بھی اور بچے بھی ! لیکن ان رونے والوں میں اس کی آواز سب سے اونچی تھی۔

"جوان !" کسی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔ "ماتم کرنے سے مرنے والوں کی روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ آنسو بہانے سے اب کیا فائدہ ؟ ان لوگوں کا پیار اور محبت چھوڑ کر جو لوگ جانا چاہتے تھے' وہ تو چلے گئے کیا تمہارا رونا ان جانے والوں کو واپس لا سکتا ہے ؟"

رام کا مرجھایا ہوا چہرہ اور آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں ایک پل کے لئے اٹھیں۔ اس نے ایک بوڑھا چہرہ دیکھا۔ یہ بوڑھا چہرہ کرنل اللہ رکھا کا تھا۔ اچانک اس کے کان کے نیچے ایک زور دار گھونسا لگا۔ ابلتے ہوئے جوالا مکھی کے دہانے کو وہ بند کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو چاہتا تھا کہ سارا لاوا ہی باہر نکل آئے اور کرنل اللہ رکھا کے ساتھ وہ تمام یادیں اس کے ذہن میں تازہ ہو جائیں' لیکن مسٹر بترا کے ایک ہی زور دار گھونسے نے اس دہانے کو پھر سے بند کر دیا اور وہ اچھل کر زمین پر گر پڑا۔ مسٹر بترا نے ایک چھلانگ لگائی۔ پھر اس سے پہلے کہ رام کھڑا ہوتا مسٹر بترا اس کے اوپر آگرے اور اس پر گھونسوں کی بارش کر دی۔

اچانک ہونے والے اس حملے سے رام بوکھلا گیا تھا۔ لیکن چند ہی منٹ کے لئے ! اپنے سینے پر بیٹھے ہوئے مسٹر بترا کے آخری گھونسے کو روک کر رام نے ان کا ہاتھ مروڑ دیا۔ مسٹر بترا اس کے سینے سے ایک طرف لڑھک گئے۔ رام فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ مسٹر بترا کھڑے ہوں' رام نے ان کے پیٹ میں ایک لات ماری۔ مسٹر بترا قلابازی کھا کر دور جا گرے۔ رام نے اپنی جیب سے ان کا ہی پستول نکال کر ان پر تان لیا اور بھاری آواز میں بولا۔ "ذرا بھی ہلنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"

مسٹر بترا دھول میں لت پت اپنی جگہ پر پڑے رہے۔ رام ان سے دو قدم کے فاصلے پر کسی دیو کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ اس کی ناک اور ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔

رام اپنی ناک سے خون صاف کرتا ہوا بولا۔ "میں بے قصور ہوں۔" مسٹر بترا کے چہرے سے نفرت کا اظہار ہونے لگا لیکن رام نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

رام کہہ رہا تھا۔ "شاید آپ کو میری بات پر یقین نہ ہو' لیکن یہ حقیقت ہے کہ میری یادداشت مہینوں پہلے کھو چکی ہے اور اب بھی میں نہیں جانتا کہ کرنل اللہ رکھا نے بینک میں میرے نام ایک لاکھ روپیا کیوں جمع کرایا تھا ؟"

"جھوٹ ! بالکل جھوٹ !" مسٹر بترا چلا کر بولے۔ "کیا تم یہ سوچ رہے ہو کہ تمہاری اس جھوٹی بات پر یقین کر کے میں تم پر رحم کھاؤں گا ! تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا! یاد رکھو آج نہیں تو کل ایک نہ ایک دن میں تمہاری جان لے لوں گا اور لے کر

ہی رہوں گا!"

"بترا صاحب!" رام صاف لہجے میں بولا۔ "میری مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس ایک بھی ثبوت ایسا نہیں جس کے ذریعے میں یہ ثابت کرسکوں کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں' وہ سچ ہے! پھر بھی آپ اپنی بیٹی سے پوچھ کر اپنا اطمینان کرسکتے ہیں۔"

"اسے تو تم نے اندھا کر رکھا ہے!" مسٹر بترا دھول میں پڑے ہی پڑے بولے۔" میں نے جب فون پر پہلی بار اس سے بات کی تو اسی وقت یہ سمجھ گیا تھا کہ تم نے میری بیٹی کو بھی نہیں چھوڑا اور اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ کرنل اللہ رکھا کی ایک ایک پائی کا حساب میں تم سے لوں گا!"

مسٹر بترا کی بات سن کر رام کو محسوس ہوا کہ زیادہ بحث کرنا قطعی بے کار ہے اور دوسری بات یہ کہ آج اسے مہاکرانسی سوامی جی پر ہاتھ ڈالنا تھا۔ اس کے بعد ہر بات خود بہ خود صاف ہو جاتی۔

"ٹھیک ہے بترا صاحب!" وہ پیچھے کی جانب سرکتا ہوا بولا۔ "آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔ مجھے امید ہے' اس وقت میرے پاس ثبوت بھی ہوگا۔ فی الحال میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ جاتے ہوئے آپ کا یہ پستول میں قلعے کے دروازے کی دیوار پر رکھتا جاؤں گا' برائے مہربانی کچھ دیر کے لئے آپ جہاں پڑے ہیں' وہیں پڑے رہیں۔ اتنا کہہ کر وہ تیزی سے چل پڑا۔ کچھ دور جاکر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ مسٹر بترا ابھی تک دھول میں اٹے ہوئے خاموش پڑے تھے۔ رام قلعے کے دروازے کی دیوار پر ان کا پستول رکھ کر باہر نکل گیا۔

○

مہاکرانسی ہی دراصل تاتیا تھا۔ وہ اس وقت بوکھلایا ہوا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنا تخت ڈگمگاتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اب اس کے اور رام کے درمیان کوئی پردہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اس وقت تک رام نے فیصلہ کرلیا ہوگا کہ مہاکرانسی کے بھیس میں تاتیا ہی چھپا ہوا ہے۔

رام کو روکے رکھنے اور اس کو ختم کر دینے کے لئے اس نے اب تک کیا نہیں

کیا تھا! وہ اپنی ساری چالیں اور اپنے سارے مہرے استعمال کرچکا تھا۔ اس نے رنگا ایسے تجربہ کار اور ہوشیار قاتل کو اس کے پیچھے کتے کی طرح لگا رکھا تھا' لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ رنگا کے سارے ساتھی رام کا نام سن کر کانپنے لگے تھے۔ رانا اور بدرو تو صرف رام کے ہی خوف سے تاتیا کو چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ اب دونوں کو تلاش کر کے انہیں سزا بھی دینا تھی۔ لیکن اس کے لئے بھی بہت وقت پڑا تھا۔ گلو اب زندہ نہیں تھی۔ **بھکو** بھی اس کے لئے اب بے کار ہوگیا تھا۔ رام کے ایک ہاتھ نے اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی تھی اور اس کا سر اس کے کندھے پر ڈھلک گیا تھا۔ اب وہ اپنا سر اٹھانے کے لائق ہی نہیں رہ گیا تھا۔

اگر بات یہیں تک رہتی تو بھی تاتیا کو افسوس نہ ہوتا۔ مس پاٹل کے قتل کے فوراً بعد ہی پولیس نے مندر کو گھیر لیا تھا۔ اطلاع کے مطابق مس پاٹل کے قتل کے الزام میں **بھکو** گرفتار ہوچکا تھا۔ اس کے لئے ضمانت کا بندوبست کرنا تھا۔ مقدمے کی پیروی کے لئے اچھے سے اچھا وکیل کرنا تھا' لیکن اس کام کے لئے بھی ابھی بہت وقت تھا۔

رام تو جیسے وقت کی حدوں سے باہر نکل چکا تھا۔ اگر اسے جلد سے جلد کچلا نہ گیا تو وہ خود ہی کچل کر رہ جائے گا۔ اب پھر وہی سوال اس کے سامنے تھا کہ آخر رام کو کس طرح کچلا جائے؟ اپنی کوٹھی ستیہ بھومی کے پوجا گھر میں بیٹھا وہ سوچ رہا تھا کہ اب تک رام نے اس کے متعلق بہت ساری معلومات جمع کرلی ہوں گی۔

اسی طرح وہ بھی رام سے غافل نہیں رہا تھا۔ اس نے بھی رام کے متعلق معلومات حاصل کرلی تھیں۔ اسے علم تھا کہ رام اپنی یادداشت کھو چکا ہے۔ اس بات پر اس کے ٹھیکے داروں کو آسانی سے یقین نہیں آئے گا کیوں کہ ان ٹھیکے داروں نے اسے لاکھ روپے دیئے تھے۔ اگر وہ ان سے کہتا ہے کہ اسے لاکھ روپے دیئے تھے۔ اگر وہ ان سے کہتا ہے کہ اسے کچھ بھی یاد نہیں ہے' اسے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ اس نے ان سے کبھی لاکھ روپے لیے تھے تو لازمی طور پر وہ اسے جھوٹ سمجھیں گے۔ انہیں یقین ہو جائے گا کہ رام ان سے دھوکا کر رہا ہے اور لاکھ روپیا ہڑپ کرنے کے لئے وہ اس اداکاری کا سہارا لے رہا ہے۔ اس حالت میں رام ڈاکٹر شاہ پور جی کی مدد

لے سکتا ہے۔ وہ ڈاکٹر شاہ پور جی کو بہ طور ثبوت پیش کر سکتا ہے۔

ان ساری باتوں کو سوچ کر ناتیا نے یہی فیصلہ کیا کہ رام کو ختم کرنے سے پہلے ڈاکٹر شاہ پور جی کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اس طرح رام کی بے گناہی کا واحد گواہ ختم ہو جائے گا۔ شاہ پور جی کی موت کے بعد رام کے قدم خود بہ خود اکھڑ جائیں گے اور وہ اپاہج ہو کر رہ جائے گا۔ شاہ پور جی کی موت کے بعد وہ اندھا ہو کر تڑپتا رہ جائے گا اور تڑپتے ہوئے پرندے کو آسانی سے پیروں تلے کچلا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ کام اب اسے خود اپنے ہاتھوں سے انجام دینا ہوگا۔ اب وہ کسی دوسرے پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ اب اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

مہاکرانتی زیادہ دیر تک سوچ نہیں سکا۔ اس کی سیکرٹری نے آکر اسے بتایا۔ ”سوامی جی! کوئی سیٹھ بنواری لال آپ کا آشیرواد لینا چاہتے ہیں۔“

”کہہ دو کہ آٹھ دن تک میں سادھنا میں ہوں، کسی کو درشن نہیں دوں گا۔“

”سیٹھ بنواری لال کپڑوں کی دو ملوں کا مالک ہے اور اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔“ سیکرٹری نے بنواری لال کے متعلق بتایا۔ اس کی خواہش ہے کہ وہ اپنی ساری دولت آپ کے آشرم کو دان کر دے۔ وہ کہتا ہے کہ اسے بھی کوئی لائق آشرم نہیں ملا ہے۔“

ناتیا کو چند لمحوں تک سوچنا پڑا۔ کوئی نیا بکرا ذبح ہونے آیا ہے، کوئی نیا شکار جال میں پھنسا ہے۔ کیا اسے حلال کیے بغیر چھوڑ دینا ٹھیک ہے؟ اور پھر کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہ بولا۔ ”ٹھیک ہے، آج شام چار بجے اسے بلا لو۔“

سیکرٹری نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا اور پھر وہ باہر چلی گئی۔ ٹیلی فون کا ریسیور ابھی تک میز پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر سیٹھ بنواری لال کو وقت بتا دیا، وہ بولی۔ ”سیٹھ! آپ خوش قسمت ہیں کہ آٹھ دن تک سادھنا میں جانے سے پہلے وہ آخری شخص یعنی آپ کو درشن دیں گے۔“

”شکریہ۔“ یہ کہہ کر را[illegible] دوسری طرف سے ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اسی نے اپنا نام سیٹھ بنواری لال بتایا تھا۔

○

رام کے انتظار میں سریتا، گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ رام ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ صرف اتنا ہی جانتی تھی کہ رام اس کے ڈیڈی سے ملنے کے لئے وٹی گیا ہے۔ وہاں سے وہ دونوں گیسٹ ہاؤس ساتھ ہی آنے والے تھے۔ دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ اور رام ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ اس نے سوچا، وٹی ہنٹرا سے کافی دور ہے، آتے آتے بھی دو گھنٹے لگ جائیں گے۔ ویسے اب وہ دونوں آتے ہی ہوں گے۔ اچانک کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔ ڈپٹی کمشنر گوتم بورا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ سریتا حیرت زدہ رہ گئی۔

گوتم اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ”سوری سریتا!“ یہ کہہ کر اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر بولا۔ ”میں مجبور ہوں۔“

”مجبور ہوتے تو مجھے دکھ نہیں ہوتا۔“ سریتا اس کے پیچھے گھسٹتی ہوئی بولی۔ ”تم لوگ اندھے ہو!“

گوتم اس سے بحث کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اسے لے کر نیچے آگیا اور فٹ پاتھ کے پاس کھڑی ہوئی جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سریتا چپ چاپ جیپ میں بیٹھ گئی اور جیپ چل پڑی۔ جیپ پولیس اسٹیشن کی طرف جا رہی تھی۔

○

ٹھیک تین بج کر پچپن منٹ پر ایک ٹیکسی ستیہ بھومی کے گیٹ پر آکر رکی۔ رام بنواری لال مارواڑی سیٹھ کے بھیس میں ٹیکسی سے نیچے اترا۔ اس نے کرایہ ادا کیا۔ اس کے سر پر پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر اس نے مارواڑی سیٹھوں کی طرح گول شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔ ناک کے نیچے سفید مونچھیں تھیں۔ داہنے گال پر ابھرا ہوا ایک سیاہ مسا تھا۔ سفید دھوتی کے اوپر اس نے لمبا سرمئی رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا۔

جیسے ہی وہ گیٹ میں داخل ہوا۔ چوکیدار تیزی سے اس کے سامنے آگیا۔ اس نے سیٹھ بنواری لال کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا۔ چوکیدار کو شاید پہلے ہی سے

اس کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ اس کے رستے سے ہٹ گیا اور رام آگے بڑھنے لگا۔

ہریالی پر چلتا' رنگین پھولوں پر نگاہ ڈالتا ہوا اور سایہ دار درختوں کے قریب سے گزرتا ہوا وہ کوٹھی کے دروازے تک آگیا۔ کوٹھی کا یہ دروازہ شیشے کا تھا۔ اندر بیٹھی ہوئی سیکریٹری سے اس کی آنکھیں چار ہوئیں۔ سیکریٹری اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی اور اس کے استقبال کے لئے دروازے کی جانب بڑھی۔ دھیرے سے شیشے کا ایک پٹ دھکیل کر رام اندر آگیا۔

"تشریف لائیے بنواری لال جی !" سیکرٹری مسکراتی ہوئی بولی اور آگے آگے چلنے لگی۔ استقبالیہ کمرے سے گزر کر سیکرٹری نے ایک اور دروازہ کھولا۔ اس کمرے میں تاتیا کے دو ساتھی کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں جسمانی طور پر کافی طاقت ور نظر آرہے تھے۔ انہوں نے رام کی تلاشی لینا شروع کی۔ رام بڑی حیرت سے سیکرٹری کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ ضروری ہے۔ سیکرٹری وجہ بتاتے ہوئے بولی۔ "گئے سال کوئی پاگل شخص مہاکرانسی کو قتل کرنے کے لئے ریوالور سمیت اندر گھس آیا تھا۔ اسی وقت سے مہاکرانسی جی کے بھگتوں نے یہ انتظام کیا ہے۔"

رام کی تلاشی سے جب کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی تو ان دونوں نے "اوکے" کا اشارہ کیا اور رام کو ساتھ لے کر سیکریٹری پھر آگے بڑھ گئی۔ سیکورٹی روم پار کرکے سیکرٹری نے ایک دروازہ کھولا اور خود اس دروازے ہی میں کھڑی رہ گئی۔ رام اندر داخل ہوگیا۔ سیکریٹری اس کے پیچھے ہی تھی اور پیچھے ایک اور دروازہ بند ہوچکا تھا۔

رام حیرت سے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ کیا یہ کمرہ ملاقات کا کمرہ ہوسکتا ہے ؟

یہ کمرہ ایک الٹے ہوئے بہت بڑے ڈبے کی طرح مگر گول تھا جس کی دیواروں پر چاروں طرف بڑے بڑے شیشے لگے ہوئے تھے۔ سنگ مرمر کے فرش سے لے کر چھت تک کمرے کے آدھے حصے میں شیشے ہی شیشے لگے ہوئے تھے۔ ہر ایک شیشے کا زاویہ ایک دوسرے سے الگ تھا۔ کوئی دو حصوں میں تقسیم تھا' کوئی آڑا لگا ہوا تھا' کوئی سیدھا تھا اور کوئی ترچھا۔ کئی شیشے تو دیوار سے باہر کی طرف ابھرے ہوئے تھے۔ کچھ شیشے مختلف زاویوں سے چھت کے اوپر سے نیچے کی طرف جھکے ہوئے تھے۔

رام بڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنا عکس ہر شیشے میں دکھائی دے رہا تھا۔ پیچھے کھڑی ہوئی اس سیکرٹری کا عکس ہر شیشے میں آدھا کٹا ہوا نظر آرہا تھا۔ سیکریٹری ایک قدم بڑھا کر آگے آئی تو رام کا اپنا عکس آدھا کٹ گیا۔ اب وہ ہر شیشے میں قدم اٹھاتی ہوئی سیکریٹری کو دیکھ سکتا تھا۔ یہ دیکھ کر اچانک اسے خیال آیا' جیسے وہ شیشے کے بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ اگر وہ جانتا نہ ہوتا کہ سیکریٹری اس کے پیچھے ہے تو شاید اتنے سارے عکس دیکھ کر اس کے لئے کہنا مشکل ہو جاتا کہ سیکرٹری کس جگہ کھڑی ہے ؟ اور اصلی سیکریٹری کون ہے ؟

اس گول کمرے کے ایک کونے میں تخت ایسی کوئی چیز تھی۔ جس کی چاروں طرف جھالر لٹک رہی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس تخت کا عکس کسی بھی شیشے میں نظر نہیں آرہا تھا۔ رام ' سیکریٹری کے پیچھے چل کر اس تخت سے کچھ فاصلے پر رک گیا۔ سیکریٹری نے اسے سنگ مرمر کے فرش پر بیٹھ جانے کے لئے کہا۔ اب وہ سائے میں تھا اور تمام شیشے ہی روشنی کی سمت میں رہ گئے تھے۔ رام فرش پر بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ اب وہ صرف عکس ہی دیکھ سکتا تھا۔

"بنواری لال !" اچانک کہیں لگے ہوئے سپیکر سے آواز ابھری۔" تمہارا استقبال کرتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی ہے۔"

رام نے چور نگاہوں سے آس پاس کے شیشوں کو دیکھ لیا لیکن اسے کسی کا بھی عکس نظر نہیں آیا۔ اس نے سوچا کہ شاید چھت کے کسی حصے میں تاتیا نے کوئی کاریگری کی ہوگی جس کے ذریعے وہ اس کمرے کو اپنے کمرے میں بیٹھ کر کلوز سرکٹ ٹی وی کے پردے پر دیکھ رہا ہوگا۔ وہ خاموش اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

"کہو تم کیا جاننا چاہتے ہو ؟" اچانک وہی آواز پھر سنائی دی۔

"مہاکرانسی !" رام دھیمی مگر صاف آواز میں بولا۔ "سنتا ہوں کہ آپ انترگیانی سنت ہیں۔ مہاراج ! آپ ماضی حال اور مستقبل میں جھانک سکتے ہیں۔ مجھے یہ جاننا ہے کہ میں کیا تھا ؟ کیا ہوں اور کیا رہوں گا؟"

فوراً" ہی اس کے سوال پر ایک سوال کیا گیا۔ "تمہیں اپنے پچھلے جنم اور حال کے جنم کے متعلق معلومات چاہئیں؟"

"نہیں' مجھے تو صرف اس ایک ہی جنم کے متعلق جاننا ہے۔" رام بولا۔

"کیا تم مجھے کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہو؟" مہاکرنسی نے پوچھا۔

"نہیں' میں صرف یہ یقین کرنے آیا ہوں کہ میں جس شخص کے چرنوں میں اپنی دولت دان کرنے آیا ہوں' وہ واقعی اس لائق ہے یا نہیں؟"

"اس کا مطلب ہے تم میرا امتحان لینا چاہتے ہو!"

"آپ کی نگاہوں میں شاید یہ امتحان ہو۔" رام سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ "میں تو صرف خود کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" اسپیکر میں سے آواز ابھری۔ "تو پھر تمہیں پہلے میں یہ بتاؤں گا کہ تم کیا تھے؟"

"کیا آپ اپنا درشن دیئے بغیر ہی یہ سب بتائیں گے؟" رام نے کہا۔

"مناسب وقت پر درشن بھی ہوں گے بلکہ تمہارے درشن کے لئے تو میں خود برسوں سے انتظار کر رہا تھا اور میرا یہ انتظار آج ختم ہوگیا۔" مہاکرانسی نے کہا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" رام حیرت سے بولا۔

"میری کنڈلی میں یہی لکھا ہوا ہے۔" اسپیکر سے آواز ابھری اور پھر یہ آواز کچھ تیز ہوگئی۔ "بنواری لال اپنی دولت نہیں بلکہ اپنی جان کا نذرانہ دینے میرے چرنوں میں حاضری دے گا۔"

رام چوکنا ہوگیا۔ اس وقت تک وہ اسی دھوکے میں تھا کہ بھیس اور چہرہ بدلنے کی وجہ سے تاتیا اسے نہیں پہچان سکے گا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور جھٹکے سے گردن گھما کر اس نے دیکھا۔ اس کی نگاہیں شیشوں سے ٹکرائیں۔ دروازہ کہیں نظر نہ آیا۔ نہ جانے کہاں تھا دروازہ؟ باہر سے دروازے کا جو حصہ نظر آتا تھا وہی حصہ اندر سے شیشے کا تھا۔ یعنی اندر کا ایک شیشہ دروازے کی طرح کھولا اور بند کیا جاسکتا تھا لیکن اتنے سارے شیشوں میں سے وہ آخر کون سا شیشہ ہوسکتا ہے؟ رام گھبرا گیا۔ اسے پریشان اور گھبرایا ہوا دیکھ کر اسپیکر سے تاتیا کے ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں اور پھر اس کے قہقہے سن کر رام کے پسینے چھوٹ گئے۔ رام کانپ اٹھا۔ وہ شیر کے پنجے

میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ شیر اس پر اب کس جگہ سے حملہ کرے گا' یہ بھی وہ نہیں جانتا تھا۔ مگر تاتیا کی ہنسی کی آواز سن کر اس نے اپنے سر کی پگڑی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اس پگڑی کے اندر اس نے ایک چھوٹا سا پستول چھپا رکھا تھا جس کے ساتھ گولیوں کی اچھی خاصی تعداد بھی تھی۔ اس نے پستول ہتھیلی کی گرفت میں لے لیا اور ٹھیک اسی وقت دیواروں پر لگے ہوئے ایک ایک شیشے میں "مہاکرانسی عرف تاتیا کا عکس دکھائی دینے لگا۔ رام کے سامنے بہ یک وقت سینکڑوں تاتیا ہاتھ میں ریوالور لیے کھڑے تھے۔

رام نے ایک شیشے میں دھیان سے دیکھا۔ چوڑی بہت بڑی پیشانی' چکنی کھوپڑی! اس کے سر پر ایک بال بھی نہیں تھا' لیکن کان کے اوپر دو چار بال ادھر ادھر نظر آرہے تھے۔ ناک لمبی تھی اور سادھوؤں کے چہرے پر جیسی ہوتی ہے۔ ویسی ہی لمبی داڑھی تھی۔ داڑھی سفید تھی اور گھنی مونچھوں کے بال اسٹیل کے تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ چمڑی کی رنگت سرخ و سفید تھی۔ جسم کسرتی اور صحت مند تھا۔ اس کے جسم پر اس وقت پیلے رنگ کا ایک لمبا کرتہ تھا۔

وہ اس کمرے میں کہاں سے داخل ہوا تھا؟ اور اس وقت کس جگہ کھڑا تھا؟ اس کا اندازہ لگانا رام کے لئے بے حد مشکل تھا۔ کون سا عکس' عکس ہے اور کون گوشت پوست کا تاتیا ہے' یہ جاننا آسان نہیں تھا۔

"رام!" اچانک اس کے کانوں سے تاتیا کی آواز ٹکرائی۔ "میں تو سوچ رہا تھا کہ تمہیں اپاہج بنانے کے لئے مجھے کھنڈالہ جاکر تمہارے بوڑھے ڈاکٹر کو سورگ کی سیڑھی دکھانا ہوگی' لیکن بھلا ہمارے سوچنے سے کیا ہوتا ہے! تمہاری موت اٹل تھی اور ڈاکٹر شاہ پور جی کے کچھ دن ابھی باقی ہیں۔"

بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ رام نہیں جانتا تھا کہ کون سے شیشے کو دروازے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے؟ یہ جاننے کا اب وقت نہیں تھا۔ جو کچھ سوچنا تھا اور جو کچھ کرنا تھا' وہ صرف اسے اس ایک ہی پل میں کرنا تھا۔ شیشے کے سارے ہی عکس اپنے ریوالور والے ہاتھ کے ساتھ اوپر اٹھے۔ اور پلک جھپکتے ہی رام نے فیصلہ کرکے چھلانگ لگا دی اور کونے میں موجود تخت کے پیچھے سرک گیا۔ گولی اس

کے سر کے اوپر سے گزرتی ہوئی تخت کے پیچھے لگے ہوئے ایک شیشے سے ٹکرائی۔ وہ شیشہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگیا اور اس کے ان گنت ٹکڑے سنگ مرمر کے فرش پر گر کر چمکنے لگے۔

ایک طرح سے یہ گولی رام کے لئے خوش نصیبی کی علامت ثابت ہوئی تھی۔ اس گولی کی وجہ سے اسے تاتیا کی سمت کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اس نے تخت کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر ایک ساتھ دو گولیاں اس طرف چلا دیں جدھر سے پہلی گولی اس پر چلائی گئی تھی۔ دو اور شیشوں کے ٹکڑے فرش پر بکھر گئے۔

تاتیا نے اپنی سمت تبدیل کی اور ایک ساتھ کئی عکس ہلنے لگے اور پھر ایک گولی رام کی طرف اچھل آئی۔ لیکن اب رام ہوشیار ہوچکا تھا۔ شیشے اور ان کا عکس صرف تاتیا کو چھپا رہے تھے' لیکن رام کے لئے مددگار بھی ثابت ہورہے تھے۔ عکس کے ہلنے سے وہ اندازہ ضرور لگا لیتا تھا۔ گولی چلنے سے پہلے وہ تخت کے پیچھے سرک جاتا۔ دوسری گولی اس کے بائیں شانے کے قریب سے ہوکر گزر گئی اور چوتھا شیشہ بھی ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اچانک رام کو خیال آیا کہ اگر اس کمرے کے ایک ایک شیشے کو توڑ کر گرا دیا جائے تو تاتیا اس کے سامنے آجائے گا' لیکن اس سے پہلے اسے ذہنی طور پر مفلوج کر دینا ضروری تھا۔ یہ خیال آتے ہی وہ چیخ کر بولا۔ "تاتیا! تمہاری آنکھیں اندھی ہوچکی ہیں۔ تمہارے ساتھیوں کو اب تم پر بھروسا نہیں رہا۔ تمہاری حکومت ڈگمگا گئی ہے۔ تمہارا تخت اب تمہارا نہیں رہا۔ تمہاری رکھیل تمہاری محبوبہ وینا....."

"نہیں!" تاتیا بہت زور سے چلایا۔ "وہ میری ہی ہے!"

"اسی لیے تو میں نے اسے ختم کر دیا۔" رام بولا اور پستول میں گولیاں بھرنے لگا۔ تاتیا کی سانس بند ہونے لگی۔ رام کہہ رہا تھا۔ "اس کی لاش اب بھی ہرمیش کے گھر پر پڑی ہوئی ہے اور تمہاری لاش یہاں گرے گی!" یہ کہہ کر اس نے اندھا دھند گولیاں چلا کر ایک ایک شیشہ توڑنا شروع کردیا۔ عکسوں کی ہلچل اور بڑھ گئی۔ عکس جیسے ناچنے لگے۔ سمت بدلنے لگی اور اچانک ایک گولی تاتیا سے لپٹ گئی۔ ایک ساتھ بہت سارے عکس اپنا داہنا ہاتھ بائیں کندھے پر رکھنے لگے۔ ریوالور جھک گیا۔ گولی کندھے میں کہیں لگی تھی۔ رام نے تین گولیاں اور چلائیں اور پھر اچانک سارے ہی

عکس غائب ہوگئے۔ ٹھیک اسی وقت باہر کھڑے ہوئے دونوں سیکورٹی گارڈز اندر گھس آئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ رام کی گولیوں کا شکار ہوگئے۔ رام تخت کے پیچھے سے نکل کر تیزی سے بھاگا جس جگہ سے سیکورٹی گارڈ اندر آئے تھے' وہاں سے وہ باہر نکل گیا۔

اس نے دیکھا' سیکورٹی روم کے سفید اور چکنے فرش پر خون کے قطرے قدم قدم کے فاصلے پر گرتے ہوئے کچھ دور تک چلے گئے ہیں۔ وہ انہی خون کے قطروں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور ایک بند دروازے کے قریب آکر رک گیا۔ یقیناً" تاتیا اسی کمرے میں چھپا بیٹھا ہوگا۔ یہ سوچ کر اس نے دروازے کو اچھی طرح سے دیکھا۔ دروازہ بے حد مضبوط نظر آرہا تھا۔ جسے کھولنا یا توڑنا آسان نہیں تھا۔ وہ واپسی کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس کے کانوں سے کسی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز ٹکرائی۔ تیز قدموں سے بھاگ کر اس نے استقبالیہ کمرے کو پار کیا اور باہر نکل آیا۔ ٹھیک اسی وقت ایک کار دھواں اڑاتی ہوئی اس کے قریب سے نکل گئی۔

رام نے اسی جگہ کھڑے کھڑے پلٹ کر گولی چلائی لیکن وہ بے کار گئی۔ وہ کار' گیٹ سے باہر نکل جانے میں کامیاب ہوگئی۔ رام بڑی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی کی آواز سن کر گیٹ کا چوکیدار بندوق سنبھالتا ہوا اپنی کوٹھری سے باہر نکلا۔ رام کے پستول سے نکلی ہوئی گولی اسکے پیر پر لگی اور وہ اچھل کر گرا۔۔۔۔ بندوق اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگری۔

رام' گیٹ سے نکل کر کچھ دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اور پھر ایک جگہ اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ جس طرف تاتیا کی کار گئی تھی اسی طرف ٹیکسی بھی چل پڑی۔ ٹیکسی ڈرائیور ہوشیار اور سمجھ دار تھا۔ رام نے اس کی گود میں سو روپے کا ایک نوٹ رکھ دیا جسے دیکھ کر وہ اور بھی مستعد ہوگیا۔

○

"اگر اب بھی آپ کو میری بات پر یقین نہیں تو کھنڈالہ جاکر اپنی تسلی کرسکتے ہیں۔" سریتا نے آخر میں کہا جو اس وقت پولیس ہیڈکوارٹر کے دفتر میں بیٹھی ہوئی

تھی۔ اس کے برابر والی کرسی پر اس کے ڈپٹی ونگ کمانڈر مسٹر بترا اور کرنل اللہ رکھا بیٹھے ہوئے تھے اور میجر بھونسلے ان کے پیچھے تھا۔ ڈپٹی کمشنر گوتم' سریتا کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ درمیان میں میز پڑی تھی۔ رام سے اپنی پہلی ملاقات سے لے کر اب تک ہونے والے تمام واقعات اس نے تفصیل سے بیان کر دیے تھے۔ رام کی بے گناہی کا یقین دلانے کے لئے اس نے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی تھی۔ اس کے لئے سریتا نے اس بات پر زور دیا تھا کہ رام اپنی یادداشت کھوچکا ہے۔ سریتا کا آخری جملہ سن کر کرنل اللہ رکھا نے مسکرا کر مسٹر بترا کی طرف دیکھا۔

مسٹر بترا نے کسی جج کی طرح اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ ”رام کے جھوٹ اور سچ کے علاوہ اس کی بے گناہی کا واحد ثبوت ڈاکٹر شاہ پور جی ہے۔ اس سے ملے بغیر ہم رام کو بے گناہ ثابت نہیں کرسکتے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے گوتم کی آنکھوں میں دیکھا اور پوچھا۔ ”آپ کیا کہتے ہیں ؟“

”میں آپ کے خیال سے متفق ہوں۔“ گوتم نے کہا۔

”سریتا کے بیان کے مطابق رام نے تاتیا کو للکارا تھا اور تاتیا کے آدمی رام کے پیچھے پڑگئے تھے۔ ٹھیک ہے ؟“ انہوں نے سریتا سے پوچھا۔

”ہاں۔“ سریتا نے جواب دیا۔

”مطلب یہ کہ ایک غنڈے نے دوسرے، غنڈے کو للکارا ؟“ گوتم بولا۔

”نہیں !“ اس بار کرنل اللہ رکھا نے جواب دیا۔ ”وہ غنڈہ نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے اسے غنڈہ بنایا ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ ہم تین فوجیوں نے مل کر اسے غنڈے کا لباس پہنایا ہے اور ہمارے ہی کہنے پر وہ ایک غنڈے کی اداکاری کرتا رہا ہے۔“

”کیا مطلب ؟“ گوتم نے حیرت سے پوچھا۔

”مطلب یہ کہ رام کا اصلی نام رام راکھا ہے۔ جسے ہم نے رام کمار ایم بنایا ہے۔“ کرنل اللہ رکھا نے جواب دیا۔

”مطلب ؟“ گوتم کی حیرت پل پل بڑھتی جا رہی تھی۔

اب کرنل اللہ رکھا نے پوری تفصیل سنانے کی ضرورت محسوس کی۔ انہوں

نے کہنا شروع کیا۔ ”اس دن رام' بوری آباد اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ ٹرین آٹھ گھنٹے لیٹ تھی۔ رام کی بہن سونل' تھری ڈاؤن سے آرہی تھی۔ شادی کے بعد پہلی بار وہ اپنے میکے آرہی تھی۔ میکے میں اگر کوئی تھا تو وہ اس کا واحد بھائی رام راکھا تھا اور رام راکھا کو اپنی زندگی میں اگر کسی سے محبت تھی تو وہ اس کی بہن سونل ہی تھی۔ ابھی پچھلے مہینے ہی اس نے سونل کی شادی غازی آباد کے ایک نوجوان اسکول ماسٹر سے کی تھی۔ اس کا سینہ اس وقت فخر سے پھول گیا تھا۔“ کرنل اللہ رکھا سانس لینے کو رکے۔

سب ان کی باتیں غور سے سن رہے تھے۔

”ساری رات اور سارا دن وہ بھنگ پی کر ناچتا رہا' اس کے اکھاڑے کے پہلوانوں نے بھی کافی دھوم مچائی تھی۔ رام راکھا بوری آباد کا نوجوان پہلوان تھا۔ بوری آباد پلیٹ فارم پر وہ اپنی بہن کے انتظار میں کھڑا تھا۔ تھری ڈاؤن دھواں اڑاتی ہوئی آرہی تھی۔ اس نے دور سے ٹرین کو دیکھا تو اس کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ شادی کے بعد کیا اس کی بہن بدل گئی ہوگی ؟ کسی جاہل دیہاتی کی طرح وہ یہ سب باتیں سوچتا رہا اور ٹرین پلیٹ فارم میں داخل ہوگئی۔ اس کا دل بے انتہا خوشی سے دھڑکنے لگا جیسے ابھی وہ سینہ توڑ کر باہر آجائے گا۔ ٹرین رک گئی۔ بہن کی تلاش میں اس کی آنکھیں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔ ساتھ ساتھ اسے یہ بھی خیال آیا کہ تھری ڈاؤن ٹرین آج کچھ چھوٹی کیوں لگ رہی ہے ؟ کیا اس کے کچھ ڈبے کہیں پیچھے چھوڑ دیے گئے ہیں ؟“ اتنا کہہ کر کرنل اللہ رکھا چند لمحوں کے لئے رکے اور پھر ایک گہرا سانس لے کر بولے۔ ”ٹرین کے ڈبوں سے ایک ایک کرکے لاشیں اتاری جانے لگیں۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ پورے دو کمپارٹمنٹ لاشوں سے بھرے ہوئے تھے اور وہ اپنی بہن کی تلاش میں ایک ڈبے سے دوسرے ڈبے تک دوڑ رہا تھا۔ اس درمیان اس نے کسی کو کہتے سنا تھا کہ یہ تاتیا کا کام ہے۔ وزیر خزانہ کے سیکرٹری کو قتل کرنے کے لئے اس نے ٹرین میں بم رکھ دیا تھا۔ اس طرح ٹرین راستے میں ہی رک گئی تھی۔ تین ڈبے بم کے دھماکے سے اڑ گئے تھے اور اس کے ٹکڑے قریب کے کھیتوں میں جا گرے تھے۔ وزیر خزانہ کے سیکرٹری کے ساتھ ستر سے زیادہ

عورتیں، مرد اور بچے بھی مارے گئے۔ ان مرنے والوں میں رام راکھا کی بہن سونل بھی تھی۔ جب ٹرین میں سے اس کی بہن سونل کی دست بریدہ لاش نکالی گئی تو وہ پاگل ہوگیا اور دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ یوں تو اس وقت وہاں موجود ہر شخص رو رہا تھا۔ دوسرے مرنے والوں کے رشتے دار بھی چیخ رہے تھے، لیکن رام راکھا کا رونا تو دل کی گہرائیوں سے ٹکرا رہا تھا۔ وہ ایک معصوم اور بے قصور بچے کی طرح رو رہا تھا۔ اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ ستیاناس ہو اس قاتل کا جس نے میری بے قصور بہن کی جان لی ہے۔ اگر وہ ایک بار میرے سامنے آجائے تو میں اس کی بوٹی بوٹی الگ کر دوں۔"

کرنل اللہ رکھا کی زبانی ان سب باتوں کو سن کر سریتا کو یاد آگیا کہ کبھی کبھی رام اس سے کہتا تھا کہ وہ بہت سے چہرے دیکھ رہا تھا۔ اگر کوئی اسے بھیا کہہ کر پکارتا ہے تو ایک ٹرین وسل بجاتی ہوئی آتی ہے اور اس کے سینے پر ٹھہر جاتی ہے اور پھر وہ بہت سے لوگوں کی رونے کی آوازیں سنتا ہے اور پھر رام نام ستیہ ہے۔ یہ راز اب اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔ وہ بڑی توجہ سے کرنل اللہ رکھا کی بات سن رہی تھی۔

کرنل اللہ رکھا اپنی بھاری اور جذباتی آواز میں کہہ رہے تھے۔ اس دن میں اسٹیشن پر اپنے دوست مسٹر بترا کو لینے گیا تھا۔ مسٹر بترا کو صحیح سلامت دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی لیکن رام راکھا کی حالت مجھ سے دیکھی نہ گئی۔ مجھے اس پر رحم آگیا۔ میں نے رام راکھا کے قریب جاکر کہا کہ جوان ہمت سے کام لو انسان کی قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے۔ اب رونے سے کیا فائدہ! رام راکھا نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور بولا کہ صاحب! سونل ایسی آپ کی کوئی بہن یا بچہ ہوتا تو آپ میرا درد محسوس کرتے۔ یہاں میرا کلیجہ پھٹ رہا ہے اور آپ مجھے چپ ہونے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ میں نے اس کی بات پر توجہ نہ دی اور اسے سمجھایا کہ بھائی رونے سے مرنے والے واپس نہیں آتے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو میں بھی آنسوؤں سے اپنا چہرہ دھو چکا ہوتا۔ رام راکھا نے یہ سن کر مجھ سے پوچھا کہ کیا اس ٹرین میں آپ کا بھی کوئی رشتے دار تھا؟ میں نے اسے بتایا کہ پچھلے سال میرا خاندان ہوائی جہاز سے دہلی آرہا تھا۔ اس وقت میں دہلی ایئرپورٹ پر اس جہاز کے انتظار میں تمہاری ہی طرح کھڑا تھا۔ اچانک مائیکروفون سے ایک اعلان ہوا کہ پورا جہاز ایک دھماکے سے

فضا میں ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بکھر گیا ہے۔ میرے خاندان میں سے کسی ایک کی لاش تو کیا اس کا نام و نشان تک نہیں ملا۔ پھر بھی میں خاموش ہوں۔ رام راکھا یہ سن کر چپ چاپ میری طرف دیکھتا رہ گیا اور کچھ دیر بعد بولا کہ کیا اس جہاز کو بھی تاتیا نے ہی اڑایا تھا؟ میں نے اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو روکنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے، ہاں، کہا اور پھر اس سے مزید بولا کہ تم جوان ہو، ہمت والے ہو، تم اگر چاہو تو سمندر کو بھی تن تنہا عبور کرسکتے ہو ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی پر بھی چڑھ سکتے ہو، تم بہت کچھ کرسکتے ہو! تم اگر چاہو تو تاتیا جیسے چوہے کو آسانی سے مسل سکتے ہو۔ یہ تمہارے لئے مشکل کام نہیں ہے۔ یہ کہہ کر میں نے رام راکھا کی آنکھوں میں دیکھا اور کہا کہ جس دن تاتیا کی لاش اسی طرح پلیٹ فارم پر آئے گی اس دن میرا خاندان تمہاری بہن اور دوسرے تمام مرنے والوں کی روحوں کو سکھ ملے گا۔ اس واقعے کے آٹھ دن بعد رام راکھا مجھ سے ملا اور پوچھا کہ صاحب آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ تاتیا ایسے خطرناک قاتل کو میں زیر کرسکتا ہوں؟ مجھے اس کا یہ سوال سن کر خوشی ہوئی تھی۔ امید تھی کہ ایک نہ ایک دن رام راکھا میرے دروازے پر ضرور آئے گا۔

لیکن وہ دن اتنی جلدی آجائے گا اس کی امید نہیں تھی۔ میں اس وقت گھر کے باہر کھیتوں کے قریب ایک چارپائی پر رام راکھا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے سوال کے جواب میں کہا کہ اس کی ایک سے زیادہ وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ تم جوان ہو اور جوانی کا گرم خون تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ دوم یہ کہ تم پوری آباد کے ایک اکھاڑے کے مالک ہو، اچھے پہلوان اور اچھے فائٹر ہو! اور تم نڈر بھی ہو۔ تیسری بات یہ کہ بہن کی موت تمہیں چین سے جینے نہیں دے گی۔ تمہارے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے، ایک لاوا ابل رہا ہے۔ جب تک تم اپنا انتقام نہیں لو گے، تمہارے دل میں ٹھنڈک نہیں ہوگی۔ چوتھی بات یہ کہ تمہیں دیکھتے ہی مجھے یہ محسوس ہوا تھا کہ اب تاتیا کا انجام قریب آگیا ہے۔ مجھے ایسا محسوس کیوں ہوا؟ یہ میں نہیں جانتا۔ بس تمہیں تھوڑی تربیت کی ضرورت ہے۔ اس نے تربیت کی وضاحت چاہی تو میں نے مزید کہا کہ تمہارے اکھاڑے کے داؤ پیچ تاتیا کے جدید داؤ پیچ کے

سامنے بہت پرانے ہیں۔ تمہیں پستول، بندوق، ریوالور اور خنجر چلانا سیکھنا ہوگا۔ نشانہ بازی میں اپنے آپ کو طاق کرنا ہوگا۔ لیکن اس کی فکر کرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں، میں تمہاری ہر مدد کے لئے تیار ہوں۔ میں نے جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ رام راکھا چند لمحوں تک خاموش رہا اور پھر اچانک اس نے اپنی مٹھی میں کھیت کی مٹی اٹھالی اور مٹی کی قسم کھا کر اس نے مجھ سے وعدہ کرلیا۔ اس طرح سب طے ہوگیا۔ رام راکھا نے اپنا اکھاڑا اپنے شاگردوں کے حوالے کرکے اپنے گھر کو تالا لگا دیا اور کچھ ضروری سامان ساتھ لے کر وہ میرے کاٹیج میں آگیا۔ اس رات میرے دونوں دوست ونگ کمانڈر تیرا اور میجر بھونسلے میرے گھر ڈنر پر آنے والے تھے۔ میں بہت خوش تھا، بے حد مطمئن اور پرسکون! ایک برس سے میں اپنے سینے پر جو بوجھ لیے گھوم رہا تھا اب وہ بوجھ اترنے والا تھا۔ ڈنر پر اپنے دونوں دوستوں کا تعارف میں نے رام راکھا سے کراتے ہوئے آپریشن تاتیا کے متعلق تمام تفصیل سے انہیں آگاہ کیا۔ یہ سن کر ونگ کمانڈر مسٹر بترا نے میجر بھونسلے کی طرف دیکھا۔ میجر بھونسلے انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مسٹر بترا نے مجھ سے کہا کہ اس نادان لڑکے پر بھروسا کرنے میں اور زیادہ خطرات ہیں۔ تاتیا کے سامنے اس کی کیا حقیقت ہے! وہ ایک ہی پل میں اسے مسل دے گا اور تمہاری چال اس کے سامنے کھل جائے گی۔ پھر تم خود تاتیا کا نشانہ بن جاؤ گے۔ سفید بنیان اور پیلے رنگ کی دھوتی میں میری کرسی کے پیچھے کھڑا ہوا۔ رام راکھا چپ چاپ ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس سے برداشت نہیں ہوا تو وہ بولا کہ بترا صاحب! تاتیا کی مجال نہیں کہ وہ کرنل صاحب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ میں اس کی ہڈیاں توڑ کر اسے زندہ دفن نہ کردوں تو میرا نام رام راکھا نہیں۔ اس کی اس نادانی پر میجر بھونسلے اور مسٹر بترا کو ہنسی آگئی۔ رام راکھا کہنے لگا کہ تاتیا اگر مرد ہے تو ایک بار وہ میرے اکھاڑے میں آکر مجھ سے لڑے۔ اسے بھی معلوم ہو جائے گا کہ موت کا دوسرا نام رام راکھا ہے۔ میں اپنے دوستوں کی باتیں سن کر خاموش رہ گیا تھا، لیکن میری یہ خاموشی صرف چند ہی گھنٹوں کے لئے تھی، کیوں کہ دوسرے ہی دن سے میں نے رام راکھا کی فوجی تربیت شروع کردی تھی۔ ہر ہر روز صبح سے شام تک میں مصروف رہنے لگا۔ نشانے بازی، جوڈو کراٹے، ہائی جمپ،

باکسنگ اور یوگا کی ورزش اس کے جسم کو چست رکھنے کے لئے یہ سب ضروری تھا۔ اس کے علاوہ کار چلانا اور گھڑ سواری بھی اسے سکھانے لگا۔" کرنل اللہ رکھا نے یہ کہہ کر طویل سانس لیا۔ پھر انہوں نے جو کچھ مزید بتایا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ صرف چار مہینے میں رام راکھا کی کایا پلٹ ہوگئی۔ کرنل کی دن رات کی محنت کا نتیجہ نکل آیا تھا۔ رام، جنگلی اور منہ زور گھوڑے سے بدل کر ایک وفادار عربی گھوڑا بن گیا تھا۔ رام راکھا نے ہر چیز کو بڑی توجہ اور محنت سے دیکھا تھا۔ اس کی پوربی اور بے تکی زبان پر بھی کرنل اللہ رکھا نے کسی حد تک کنٹرول کرلیا تھا۔ اب وہ اچھی خاصی ہندی بولنے لگا تھا۔ اب اس کا لہجہ گاؤں کے گنوار دیہاتی جیسا نہیں تھا۔ پڑھے لکھے شہری لوگوں کی طرح وہ اچھے اچھے الفاظ کا استعمال کرسکتا تھا۔ لیکن اس کے جسم میں گاؤں کے کھیتوں کی مٹی کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ کسی تجربے کار شخص کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگتی کہ وہ اصل میں کہاں کا رہنے والا ہے۔

اس کے باوجود رام راکھا میں اچھی خاصی تبدیلی آگئی تھی۔ رات کے وقت وہ کرنل سے لکھنا پڑھنا بھی سیکھتا تھا۔ اس کا ذہن بھی اس کے جسم کی طرح تیز تھا اس لئے وہ جلد ہی کام چلاؤ انگریزی بھی سیکھ گیا۔ کرنل اللہ رکھا کی یہ ساری محنت انتہائی خفیہ تھی۔ سوائے ان کے دونوں دوستوں، میجر بھونسلے اور مسٹر تیرا کے کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

ایک دن کرنل اللہ رکھا نے دونوں دوستوں کو اپنے گھر بلایا۔ رام راکھا نے ان کا استقبال کرتے ہوئے جاپانی انداز میں جھک کر کہا۔ "تشریف لائیے جناب!" وہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے حیرت سے دیکھنے لگے کہ کیا یہ وہی رام رکھا ہے جس کے ہر انداز سے گنوار پن ٹپکتا تھا۔

کرنل اللہ رکھا ان کی اس پریشانی کو سمجھتے ہوئے بولے۔ "دوستو! ابھی تم لوگوں نے رام کے کمالات نہیں دیکھے۔ اگر دیکھ لوگے تو دنگ رہ جاؤ گے۔" یہ کہہ کر انہوں نے رام کو اشارہ کیا۔ کاٹیج سے باہر نکلتے ہی رام نے ریوالور اپنے ہاتھ میں لیا۔ دوسرے ہاتھ میں اس نے سگریٹ کا ایک خالی ڈبا اٹھایا۔ اس کے پیچھے وہ تینوں بھی کاٹیج سے باہر نکل آئے۔

کھلے ہوئے میدان میں آکر رام نے سگریٹ کا خالی ڈبا آسمان کی طرف اچھال دیا اور دوسرے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور سے فائر کرکے اس سگریٹ کے ڈبے کو ہوا میں ہی بکھیر دیا۔ کرنل کے دونوں دوست بڑی حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ یہ محض ابتدا تھی۔ کرنل اللہ رکھا کی کار قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کار میں بیٹھ گیا۔ کھیت کے ایک کنارے پر پہلے ہی سے بیئر کی چند بوتلیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھی ہوئی تھیں۔ رام نے کار اسٹارٹ کر دی اور اسے بڑی تیزی سے کھیت کی دوسری جانب دوڑانے لگا اور پھر بھاگتی ہوئی کار سے اس نے فائرنگ شروع کی۔ ایک کے بعد ایک بوتل اپنی جگہ سے اچھل کر چور ہوتی چلی گئی۔ ایک بھی کارتوس ضائع کئے بغیر چلتی ہوئی کار سے اس نے ساری بوتلوں کو اڑا کر رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر کرنل کے دونوں دوست بے اختیار تالیاں بجانے لگے اور رام راکھا کے ساتھ کرنل کا سینہ بھی فخر سے پھول گیا۔

رام کار موڑ کر جیسے ہی واپس آیا تو اسی وقت سڑک کی طرف سے کوئی کسان چیختا چلاتا ہوا گاؤں کی طرف بھاگا آرہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ڈاکو آرہے ہیں' ڈاکو!"

رتنا ڈاکو یوپی اور راجستھان کی پولیس کے لئے درد سر بنا ہوا تھا۔ اس علاقے کے رہنے والے رتنا ڈاکو سے بے حد خوف زدہ تھے۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ رتنا ڈاکو کا گروہ بھی بڑا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو ہی ساتھی ہوا کرتے تھے۔ تین ڈاکوؤں کا یہ ترشول' تین سو آدمیوں کا مقابلہ آسانی سے کرلیتا تھا۔ گاؤں کے لوگ رتنا ڈاکو کا نام سن کر ادھر ادھر چھپ جایا کرتے۔ بھری دوپہر میں پورے گاؤں میں اس طرح سناٹا پھیل جاتا جیسے وہاں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔

کرنل اللہ رکھا اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ باہر چارپائی پر بیٹھے تھے۔ رتنا ڈاکو کے حملے کی خبر سن کر مسٹر بترا نے کہا۔ "کیا خیال ہے؟"

کرنل اللہ رکھا جیسے ان کا مطلب سمجھ گئے۔ وہ بولے "نہیں اپنی محنت کے پھل کو میں دھول میں نہیں ملاؤں گا۔"

"کرنل!" مسٹر بترا نے کہا۔ "یہ آخری کسوٹی ہے' پرکھ لو!"

"کرنل! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تاتیا مٹی کا بنا ہوا ہے!" میجر بھونسلے بولا۔ "اس

سے پہلے کہ رام تاتیا کو للکارے' یہ موقع اچھا ہے۔ پہلے وہ رتنا سے مقابلہ کرلے۔ یہ اس کے لئے ضروری بھی ہے۔ اس طرح یہ فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ ہمیں رام کو 'آپریشن تاتیا' کے لئے بھیجنا چاہیے یا نہیں!"

"یہ بھی مت بھولو کرنل کہ تاتیا کو ختم کرنے کے لئے تمہیں اپنے ہزاروں روپے برباد کرنے ہوں گے۔ بڑا جوا کھیلنے سے پہلے تم یہ ستا جوا کھیل لو تو بہتر ہے۔" مسٹر بترا نے بھی میجر بھونسلے کی تائید میں کہا۔

اس سے پہلے کہ کرنل اللہ رکھا کوئی جواب دیتے' رام وہاں سے جاچکا تھا۔ جس راستے سے ڈاکو آنے والے تھے' وہ خالی ہاتھ اس راستے پر کھڑا ہوگیا۔ تینوں فوجیوں کی آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

رتنا ڈاکو اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ جنگل کی طرف سے گھوڑوں کو بھگاتا ہوا چلا آرہا تھا۔ رتنا درمیان میں تھا اور اس کے دونوں ساتھی اس کے دائیں بائیں تھے۔ کھیتوں کے قریب آتے ہی ان کی نظر راستے میں کھڑے ہوئے رام راکھا پر پڑی۔ انہوں نے گھوڑوں کو روک لیا۔ رتنا کے دونوں ساتھیوں نے بندوقیں تان لیں اور رام کو نشانے پر لے لیا۔ رتنا ڈاکو ان کو ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہوا بولا۔ "آج برسوں بعد اس مٹی سے کوئی مرد پیدا ہوا ہے اور مرد کے ساتھ مرد ہی ٹکراتا ہے۔"

اس کے دونوں ساتھیوں نے اپنی اپنی بندوقیں جھکالیں۔ رتنا اپنے گھوڑے سے کود کر آہستہ آہستہ رام کی طرف بڑھنے لگا۔ رام راکھا اپنی جگہ پر چٹان کی طرح کھڑا تھا۔

رتنا ڈاکو اس سے چند قدم کے فاصلے پر آکر رک گیا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "لوگ مجھے رتنا ڈاکو کے نام سے جانتے ہیں۔"

رام اس سے مرد کی طرح ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "تم سے مل کر مجھے خوشی ...." اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔ رتنا نے اس کا ہاتھ مروڑ کر اسے زمین پر پٹخ دیا تھا۔

یہ دیکھ کر کرنل اللہ رکھا چارپائی سے کھڑے ہوگئے۔ وہ رام راکھا کی مدد کو

دوڑنے ہی والے تھے کہ مسٹر بترا نے انہیں روکا۔ کرنل کی کلائی پر مسٹر بترا کی گرفت بے حد مضبوط تھی۔

رام راکھا چند لمحوں کے لئے چپ چاپ زمین پر پڑا رہا۔ کرنل کے دوستوں کو لگا جیسے اب وہ دوبارہ اٹھ نہیں سکے گا۔ اچانک رام راکھا پلٹا۔ اپنے سر کو ایک جھٹکا دیا اور ڈگمگاتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ پھر یکایک وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور اس کے دونوں پاؤں بہت زور سے رتنا کے سینے سے ٹکرائے۔ اب رام پھر زمین پر مضبوطی سے کھڑا کہہ رہا تھا۔ "میرا نام رام ہے!"

رتنا نے اس کے الفاظ صاف طور پر نہیں سنے۔ وہ اچھل کر دس فٹ دور جاگرا تھا۔ اچانک رام پھر ہوا میں اچھلا۔ اس بار وہ گیند کی طرح گول ہوگیا تھا۔ رتنا اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ رام اس پر گرا۔ رتنا پھر زمین پر اوندھا ہوگیا اور رام پلٹ کر پھر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ رتنا کے دونوں ساتھی اب بھی گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ درمیان میں رتنا کا خالی گھوڑا کھڑا تھا۔ رتنا دھول سے اٹا ہوا پڑا تھا۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرتا لیکن خود ہی گر جاتا۔

رام راکھا دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے اس سے پوچھ رہا تھا۔ "بندوق، خنجر، یا خالی ہاتھ؟ کہو کس چیز سے لڑو گے؟"

جواب میں رتنا نے اپنی کمر سے پستول نکال کر داہنی طرف پھینک دیا اور اپنے خنجر کو بائیں جانب! وہ جانتا تھا کہ رام خالی ہاتھ اس کے سامنے کھڑا ہے۔ پھر دونوں اکھاڑے کے پہلوانوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے آگئے۔ دونوں ایک دوسرے کو گرفت میں لینے کے لئے اپنی اپنی چال چلنے لگے۔ اس بار رتنا اپنی جگہ سے اچھلا اور زمین سے تقریباً چھ فٹ اوپر اٹھ گیا، پھر سیدھا رام کے سر پر آیا۔ اسی لمحے رام نے اس پر بمپر باؤلنگ کی طرح زوردار ضرب لگائی۔ رتنا دوسری جانب جاگرا لیکن فوراً ہی کھڑا ہوگیا۔ رام نے دوسرے حملے کا اسے موقع ہی نہیں دیا۔ رتنا کے پیٹ پر ایک زبردست لات پڑی اور وہ دوہرا ہوگیا۔ اس نے پھر سیدھا ہونا چاہا تو رام کا فولادی گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی اور وہ

زمین پر گرتا چلا گیا۔ رتنا کے دونوں ساتھیوں نے یہ دیکھ کر بندوق کی نالیں اونچی کیں، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ رام راکھا اکیلا نہیں تھا۔ تینوں فوجی چھلانگ مار کر رام کے پیچھے آگئے۔ تینوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ رتنا ڈاکو کے دونوں ساتھی سمجھ گئے کہ کھیل اب ختم ہوچکا ہے۔ اس مٹی سے واقعی ایک مرد پیدا ہوگیا ہے۔ انہوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کا رخ موڑا اور ساتھ میں رتنا ڈاکو کے گھوڑے کو لے کر جنگل کی جانب بھاگ نکلے۔

رتنا ڈاکو اب بھی زمین پر پڑا تھا۔ اس کی ناک اور منہ سے خون بہہ کر چہرے پر جم گیا تھا۔ میجر بھونسلے نے اس کے خنجر اور پستول کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

"اب؟" رام راکھا نے پوچھا۔

"رتنا کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔" کرنل اللہ رکھا نے کہا۔ "یہ واقعی مرد ہے۔ اب یہ منہ دکھانے کے لائق نہیں رہا۔ شاید یہ خودکشی کرلے یا یہ دھندا چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے کہیں اور چلا جائے۔"

رام راکھا بھی اپنے مشن پر جانے کے لئے بے چین تھا۔ آخری کسوٹی پر وہ پورا اترا تھا۔ تینوں فوجیوں کو اس نے دکھا دیا تھا کہ اس میں طاقت بھی ہے اور ہمت بھی! دنیا کی کوئی طاقت اب اسے نہیں روک سکتی۔

تینوں فوجیوں نے آپریشن تاتیا کے متعلق اسے سب کچھ سمجھا دیا۔

رام راکھا نے بوری آباد سے اپنی اداکاری کی ابتدا کردی۔ یہاں اسے چھوٹی موٹی چوریاں کرنا تھیں، دو ایک مسافروں کو تنہا پاکر لوٹ لیا تھا اور پھر بھاگ کر بمبئی چلا جانا تھا۔ جہاں جیب کترے کی حیثیت سے اسے ایک نئی زندگی کی ابتدا کرنا تھی۔ اس طرح وہ بمبئی کا دادا کہلانے والا تھا۔ دادا ہونے کے بعد وہ اپنا گروہ بھی بنا سکتا تھا، پھر جرائم کی دنیا میں مشہور ہوکر وہ تاتیا کو للکار سکتا تھا۔ یہ کام چھوٹا نہیں تھا۔ تاتیا کے مقابلے میں اپنے گروہ کو کھڑا کرنے کے لئے اچھی خاصی رقم کی ضرورت تھی۔ یہ رقم کہاں سے آئے گی؟ یہی ایک سوال اب درپیش تھا۔

کرنل اللہ رکھا کے پاس پچیس ہزار روپے تھے اور رام کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت تھی۔ کرنل نے اپنے کھیت بیچ دیے۔ اس طرح ایک لاکھ کی رقم پوری

ہوگئی۔ لاکھ روپے یونائیٹڈ بینک ہی کے ذریعے اسے بمبئی میں مل جاتے۔ ایمرجنسی اور احتیاط کے طور پر کرنل نے ایک ٹیلی فون نمبر بھی رام کو اور بینک میں لکھوا دیا تھا۔ یہ مینٹل ہاسپٹل کا فون نمبر تھا۔ کرنل اللہ رکھا چونکہ ریٹائر ہوچکے تھے۔ اس لئے تین چار گھنٹے وہ اس ہاسپٹل میں مریضوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر رام مینٹل ہاسپٹل کا نمبر ملا کر کرنل اللہ رکھا سے بات کرسکتا تھا۔

"اوہ!" کرنل اللہ رکھا کی طرف دیکھتی ہوئی سریتا حیرت سے بولی۔" رام نے آپ سے رابطہ قائم کرنے کے لئے میرے سامنے ہی نمبر ملایا تھا۔ لیکن یہ نمبر پاگل خانے کا ہے' یہ سن کر اسے حیرت ہوئی تھی کیوں کہ آپ کا نام اسے یاد نہیں تھا۔"

"مجھے یقین ہے ایسا ہوا ہوگا۔" کرنل اللہ رکھا نے کہا۔ کیوں کہ رام ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو ایک لاکھ روپیا دیکھ کر اپنی قسم توڑ دے۔ اس نے وطن کی مٹی اٹھا کر قسم کھائی تھی اور مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک وہ تاتیا کو ختم نہیں کر دے گا' چین سے نہیں بیٹھے گا۔"

ڈپٹی کمشنر گوتم بورا خاموشی سے کرنل اللہ رکھا کی باتیں سن رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد کرنل اللہ رکھا نے اس سے پوچھا۔ "اب تو آپ کو یقین ہوگیا کہ رام کو ہم لوگوں نے غنڈہ بنایا تھا؟"

"ہاں۔" گوتم بولا۔ "بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ بھگوان' رام کی طرح کچھ غنڈے اور پیدا کردے جو سچ کی خاطر اپنی جان بھی خطرے میں ڈالنے سے نہ گھبرائیں۔ مجھے تو آپ کی باتوں سے ہی اطمینان ہوگیا کرنل' لیکن اب بھی آپ کے دونوں ساتھی مطمئن نظر نہیں آرہے ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" مسٹر بترا بولے۔ "ابھی ہمیں ایک ثبوت کی ضرورت ہے اور سریتا کے کہنے کے مطابق وہ ثبوت کھنڈالہ کے نزدیک کہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ڈاکٹر شاہ پور جی سے مل کر یہ معلوم کرلینا چاہیے کہ کیا واقعی رام اپنی یادداشت کھو چکا تھا؟ آپ کیا کہتے ہیں مسٹر گوتم؟"

اچانک میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ گوتم نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری جانب سے خفیہ پولیس کا ایک انسپکٹر کہہ رہا تھا۔" ہیلو سر! ابھی کچھ

دیر قبل میں نے مہاکرانسی سوامی جی کو بڑے خطرناک انداز سے اپنی کار چلا کر کھنڈالہ ہائی وے کی سڑک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے پیچھے ایک ٹیکسی بھی تھی۔ میرا خیال ہے اس میں رام ہی تھا۔"

گوتم نے ریسیور رکھ دیا اور کرسی سے کھڑا ہوگیا۔

"کیا بات ہے؟" سریتا نے اس سے پوچھا۔

"ڈاکٹر شاہ پور جی سے ملنے ہمیں اسی وقت جانا ہوگا۔" گوتم نے جواب دیا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر کے باہر گوتم کی جیپ تیار کھڑی تھی۔ جیپ میں گوتم کے ساتھ سریتا اور وہ تینوں فوجی سوار ہوگئے۔ جیپ کھنڈالہ کی جانب چل پڑی۔

رام صحت یاب ہوکر جب سے بمبئی چلا گیا تھا' ڈاکٹر شاہ پور جی پھر سے شراب میں غرق رہنے لگا تھا۔ جس شراب سے شریمن نے اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق اپنے بوڑھے باپ کو دور رکھا تھا' وہی شراب نہ جانے کیسے کاٹیج کے اندر خود بہ خود آنے لگی تھی۔ اب تو وہ یہ بھی جان سکتی تھی کہ یہ بوتلیں کہاں سے آتی ہیں' کہاں رکھی جاتی ہیں اور کہاں غائب ہو جاتی ہیں؟ شریمن صرف اتنا ہی جانتی تھی کہ جس دن کسی مریض کو دیکھنے یا شاپنگ وغیرہ کے لئے وہ کھنڈالہ یا لوناوالا جاتی تھی تو اس کی غیر حاضری میں شراب کی بوتلیں دوڑتی ہوئی گھر میں گھس آتی تھیں۔ بوڑھا ڈاکٹر شاہ پور جی' شریمن سے چھپ کر شراب کی بوتلیں منگوانے لگا تھا۔ خالی بوتلوں کو وہ موقع پاکر پچھلے جھرنے میں پھینک دیتا تھا۔ جھرنے کا پانی خالی بوتلوں کو بہا کر بہت دور کہیں چھوڑ آتا تھا۔

شریمن اپنے ڈیڈی کی یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں ڈرنے لگی تھی۔ اس نے باپ کی ساری ذمے داریاں خود سنبھال لی تھیں۔ کیوں کہ ڈاکٹر شاہ پوری جی اب تقریباً" شراب ہی میں مدہوش رہنے لگا تھا۔ کبھی کبھی تنہائی میں بیٹھ کر شریمن اپنے متعلق سوچتی تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ وہ اکیلی تھی' جوان تھی اور غیر شادی شدہ تھی اور اس کی چاروں طرف جنگل تھا۔ کیا اس کی تقدیر میں یہی لکھا ہوا ہے؟

کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ وہ اپنے ڈیڈی کو سمجھائے لیکن وہ جانتی تھی کہ بوڑھا ڈاکٹر اب سمجھانے کی حدوں سے بہت دور نکل گیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید رام کے جانے کا بوڑھے پر کچھ زیادہ ہی اثر ہوگیا ہے' لیکن رام تو ان کا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ تو ایک اجنبی کی طرح آیا تھا اور اجنبی کی طرح چلا بھی گیا۔ لیکن اب وہ سوچ رہی تھی کہ ایک بار اگر رام یہاں آجائے تو شاید ڈیڈی سے شراب چھوٹ جائے۔ سوال یہ تھا کہ وہ رام کو کہاں تلاش کرے؟ وہ جب سے گیا تھا' اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ صرف ایک بار اس نے ڈاکٹر کے نام پانچ ہزار روپے بینک کے ذریعے بھیجے تھے اور اس طرح اس نے ڈاکٹر کی فیس ادا کرکے اپنا فرض ادا کردیا تھا۔

اچانک کسی کار کی آواز سن کر وہ دوڑتی ہوئی کاٹیج کے باہر نکلی۔ کار دروازے کے قریب آکر رکی جس میں سے مہاکرانسی عرف تانتیا باہر نکلا۔ شرمین ایک سادھو کو دیکھ کر اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ سادھو کے پیلے لبادے میں یہ لمبا چوڑا شخص کون ہوسکتا ہے؟ وہ سوچنے لگی۔ یہاں یہ سادھو کیوں آیا ہے؟

شرمین ابھی اس کے متعلق کچھ سوچ بھی نہیں پائی تھی کہ تانتیا اس کے قریب آگیا اور اپنی سرخ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر دیکھنے لگا۔ شرمین نہیں جانتی تھی کہ اس کے سامنے اس وقت ملک کا سب سے خطرناک ترین شخص تانتیا کھڑا ہے جس کی آنکھوں میں جادو ہے' جو ہپناٹزم کا ماہر ہے۔ چند ہی لمحوں میں شرمین اپنی سدھ بدھ کھو چکی تھی۔ تانتیا نے اسے ٹھیک سے کھڑا کرکے سوال کیا۔ "لڑکی! تمہارے پتا جی کہاں ہیں؟"

"اندر۔" شرمین بے اختیار بول اٹھی۔

"کیا رام کا علاج انہوں نے ہی کیا تھا؟" تانتیا نے پوچھا۔

"نہیں۔" شرمین نے جواب دیا۔

یہ سن کر تانتیا پریشان ہوگیا کیوں کہ جس شخص کو وہ رام کے نام سے جانتا تھا اسے ڈاکٹر اور اس کی بیٹی شرمین' رستم کے نام سے پہچانتے تھے۔ یادداشت کھو دینے کی وجہ سے رام اپنا نام بھی بھول گیا تھا۔ اور رام کو نیا نام اس نے ہی دیا تھا۔

شرمین کا چہرہ اپنی جانب گھما کر تانتیا نے پھر اس کی آنکھوں میں گہرائی تک

جھانکا اور پھر وہی سوال دہرایا' لیکن اس بار بھی شرمین نے انکار میں ہی جواب دیا۔

تانتیا کو اپنے علم کی طاقت پر پورا بھروسا تھا۔ پل بھر میں اس نے سوچ لیا کہ کہیں یہ بھی رام کی کوئی چال نہ ہو۔ چھ مہینے تک کسی دوسری وجہ سے وہ گم ہوگیا ہو' لوگوں اور پولیس کو دھوکا دینے کے لئے اس نے یادداشت کھونے کا بہانہ بنایا ہو۔ اس نے سوچا کہ رام کے اسی دھوکے میں پھنس کر وہ خود بھی بے وقوفوں کی طرح یہاں آگیا ہے۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا' لیکن غصے کے اظہار کے لئے اس کے پاس وقت نہیں تھا کیوں کہ رام اس کے پیچھے لگ چکا تھا۔ رام بھی یہاں آنے والا تھا کیوں کہ وہ جان گیا تھا کہ تانتیا' ڈاکٹر شاپور جی کو قتل کرنے یہاں آئے گا۔ یہ بات اس نے رام کو خود ہی بتائی تھی۔ ڈاکٹر شاپور جی اس کی بے گناہی کا واحد ثبوت تھا۔

تانتیا یہ موقع کھونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ رام کو اسی جگہ ختم کردینے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس نے چھپنے کے لئے کسی محفوظ جگہ کی تلاش میں اپنی نظریں ادھر ادھر ڈالیں۔

شرمین نے پوچھا۔ "مہاراج! آپ یہاں کس لئے آئے ہیں؟" وہ ہپناٹزم کے اثر سے باہر نکل آئی تھی۔

تانتیا نے اسے پھر اپنے بس میں لانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اپنے پیلے رنگ کے لبادے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں سی آئی ڈی کا آدمی ہوں اور ایک قاتل کی تلاش میں بھیس بدل کر یہاں آیا ہوں۔"

شرمین اس کی بات سن کر حیرت میں پڑگئی اور سوچنے لگی کہ اس شخص کی آنکھوں میں دیکھتے ہی اس پر کپکپاہٹ کیوں طاری ہو جاتی ہے؟ کیا یہ شخص واقعی سی آئی ڈی کا آدمی ہے؟

اسے خاموش دیکھ کر تانتیا نے کہا۔ "ایک آدمی تمہارے باپ کی جان لینا چاہتا ہے۔"

"لیکن کیوں؟" شرمین نے چونک کر پوچھا۔

ٹھیک اسی وقت دور سے آتی ہوئی کسی کار کی آواز دونوں نے سنی۔

ناتیا جلدی سے بولا۔ "لڑکی! تمہارے سوالوں کا جواب میں بعد میں دوں گا' پہلے مجھے اس قاتل سے اپنا حساب برابر کر لینے دو۔" یہ کہہ کر اس نے شرمین کی طرف دیکھا۔

"آپ اندر چلے جائیں۔" آنکھیں چار ہوتے ہی شرمین جلدی سے بولی۔ پھر وہ بھی اندر چلی گئی۔

رام نے دور سے ہی ناتیا کی پیلی کار کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے ٹیکسی دور رکوا دی۔ ٹیکسی ڈرائیور کو وہ مزید کچھ نوٹ دے کر پیدل ہی کاٹج کی جانب بڑھنے لگا۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت تک تو ناتیا بوڑھے ڈاکٹر شاہ پور جی کو ختم کر چکا ہوگا اور اب وہ کسی محفوظ جگہ چھپ گیا ہوگا۔ یا ممکن ہے وہ کار اسی جگہ چھوڑ کر پیدل نکل بھاگا ہو' لیکن کچھ بھی ہو۔ اسے بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔

وہ کاٹج کے سامنے والے دروازے کو چھوڑ کر جھاڑیوں کے اندر رینگ گیا۔ جھاڑیوں کے اندر چھپتا چھپاتا وہ لومڑی کی طرح کاٹج کے پچھلے حصے کی طرف آگیا۔ اس نے کھڑے ہو کر پچھلی دیوار کی کھڑکی میں لگے ہوئے شیشے سے اندر جھانکا۔ بوڑھا ڈاکٹر نشے میں چور پڑا تھا اور شرمین اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہوش میں آئیں ڈیڈی! موت ہمارے دروازے تک آگئی ہے۔ کوئی تمہاری جان لینے آرہا ہے ڈیڈی!"

بوڑھا ڈاکٹر یہ سن کر ہنسا اور بولا۔ "مردے کو کوئی قتل نہیں کرتا۔" پھر وہ زور زور سے ہنستا ہوا مزید بولا۔ "تم بے کار کی فکر کر رہی ہو' جاؤ اپنا کام کرو۔"

شرمین اس سے ناامید ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر اس نے اپنا ریوالور ہاتھ میں لے لیا۔ اچانک اس کی نظر کھڑکی کے شیشے پر پڑی۔ وہاں ایک چہرے کو دیکھ کر وہ کانپ گئی۔ وہ اسے دیکھتی ہی رہی اور پھر جیسے وہ اسے پہچان کر بھاگتی ہوئی پچھلے

دروازے کی طرف آگئی۔ دروازہ کھلتے ہی رام اندر آگیا اور اپنے پیچھے اس نے دروازے کو اندر سے پھر بند کر لیا۔

"رستم!" شرمین سرگوشی کے انداز میں بولی۔ "رام دھیرے سے ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔ "کہاں ہے وہ؟"

"کون؟" شرمین نے حیرت سے سرگوشی کی۔

"قاتل۔" رام بولا۔

"اسے تم نے نہیں دیکھا؟" شرمین بولی۔

"لیکن تمہیں کس نے بتایا کہ تمہارے ڈیڈی کا خون ہونے والا ہے؟"

"سادھو کے بھیس میں وہ سی آئی ڈی والا تھا۔"

"کیا اس نے تمہارے ڈیڈی کو قتل نہیں کیا؟" رام نے دھیرے سے پوچھا۔

شرمین کو اب اور زیادہ حیرت ہونے لگی۔ وہ رام کے اور زیادہ قریب آکر بولی۔ "وہ کون ہے؟"

"قاتل!" رام دھیرے سے بولا۔ "لیکن اس نے تمہارے ڈیڈی کو اب تک کیوں قتل نہیں کیا' یہ عجیب الجھن کی بات ہے۔"

شرمین نے جب اسے ناتیا سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا تو سب کچھ اس کی سمجھ میں آگیا۔ اس کے دو ناموں کی وجہ سے ناتیا زبردست دھوکا کھا گیا تھا۔ لیکن وہ تھا کہاں؟ وہ کس جگہ چھپا ہوا تھا؟ یہ شرمین ہی بتا سکی اور نہ ہی رام سمجھ سکا۔

"آگئے!" اچانک بوڑھا ڈاکٹر آدھی آنکھیں کھول کر بولا۔

رام اس کے پاس آگیا پھر اس کے دونوں کاندھے پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے بولا۔ "ڈاکٹر!... ڈاکٹر آج آپ کو بھی اپنے ہاتھ میں بندوق لینا پڑے گی۔"

"بندوق!" ڈاکٹر نے کھڑے ہونے کی کوشش کی اور ادھر ادھر جھومتے ہوئے بولا۔ "ڈاکٹر لوگ تو جان دیتے ہیں اور جو کسی کی جان لے وہ تو قاتل کہلاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" رام بولا۔ "لیکن اگر کوئی قاتل کسی ڈاکٹر کی جان لینا چاہے تو

آپ کا کیا فرض ہے ؟"

بوڑھا ڈاکٹر اب سر جھکائے بڑے اطمینان سے سوچ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" کچھ دیر بعد وہ بولا۔ "تم کہتے ہو اس لئے ہاتھ میں بندوق بھی لوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے صوفے پر رکھی ہوئی شراب کی بوتل اٹھالی اور ایک گھونٹ حلق کے نیچے اتار کر رام سے بولا۔ "کہاں ہے میرا قاتل ؟" پھر وہ جوش میں آگیا اور دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ دیوار سے رائفل اتار کر ڈاکٹر نے اسے کھول دیا۔ پھر اس کے اندر کارتوس بھر کر وہ کسی فوجی جوان کی طرح قدم اٹھاتا ہوا رام کے سامنے آگیا۔

رام نے بوڑھے ڈاکٹر شاہ پور جی کو پچھلے دروازے کی اوٹ میں کھڑا کر دیا اور خود سامنے والے دروازے کی طرف آکر باہر نگاہیں دوڑانے لگا' لیکن اسے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

کیا تاتیا کسی اونچے درخت پر چڑھ کر بیٹھا ہے ؟ رام سوچنے لگا۔ کافی دیر بعد اس نے وہی پرانی ترکیب آزمائی۔ جب وہ یہاں تھا تو چھپی ہوئی ایک جنگلی بلی کو باہر نکالنے کے لئے اس نے ہوائی فائر کیا تھا۔ جنگلی بلی ڈر کر باہر نکل آئی تھی لیکن اس کی دوسری گولی نے اسے ہمیشہ کے لئے سلا دیا تھا۔

اس بار بھی اس نے یہی کیا۔ اس کے ریوالور سے ایک زور دھماکہ ہوا۔ تاتیا باہر کے شیڈ میں گھاس کے ڈھیر کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک گھوڑا اور گائے بندھی ہوئی تھی۔ یہ گھوڑا دھماکا سن کر ہنہنانے لگا اور گائے ڈکرانے لگی۔ مرغیاں اور بطخ بھی اپنے ڈربے میں چیں چیں کرنے لگیں اور اپنے پر پھڑپھڑانے لگیں۔

تاتیا گھبرا گیا۔ کیا رام کو معلوم ہوگیا ہے کہ میں کہاں چھپا ہوا ہوں ؟ اس نے سوچا رام نے دوسرا فائر اتفاق سے اسی سمت کیا اور جواب میں تاتیا نے پہلا فائر کیا۔ اس کی گولی کاٹج کے دروازے میں سوراخ کر گئی۔

اب رام باخبر ہوگیا کہ تاتیا کہاں ہے۔ اس نے شرمین کو اشارہ کرکے اپنی نئی چال سمجھا دی۔ شرمین کھڑکی سے ہٹ کر کچن کی جانب بھاگی۔ جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی۔ ایک لکڑی کے سرے پر اس نے کپڑا باندھ

کر مشعل تیار کی تھی۔ کھڑکی کے پاس واپس آکر اس نے مشعل کو سیدھا گھاس کی طرف اچھال دیا۔ جلتی ہوئی مشعل سوکھی ہوئی گھاس کے ڈھیر پر گری اور گھاس کا ڈھیر دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ آگ دیکھ کر تاتیا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اب یہاں سے نکل بھاگنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا' لیکن اس سے پہلے بوڑھا ڈاکٹر پچھلے دروازے سے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہی باہر نکل آیا۔ اب وہ اسی طرف آرہا تھا۔

ٹین کے شیڈ سے پچھلی طرف کھسک کر تاتیا نے ایک ستون کا سہارا لیا۔ ٹھیک اسی وقت بوڑھے ڈاکٹر نے اسے دیکھ لیا۔ اس کی بندوق سے ایک گولی چلی اور یہ گولی تاتیا کے اس ہاتھ میں لگی جس میں اس نے ریوالور تھام رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ لہولہان ہوگیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ نیچے جھک کر ریوالور اٹھانا اور بھی خطرناک تھا۔ اس کے علاوہ وقت بھی نہیں تھا۔ دوسری گولی اس کی جان لے سکتی تھی۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی اور قریب کے ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا' لیکن سامنے دروازے پر کھڑے ہوئے رام کی نظر اس پر پڑگئی۔ اس نے شرمین کو اشارہ کیا۔

اب ایک طرف سے بوڑھا ڈاکٹر بندوق لے کر آگے بڑھ رہا تھا اور دوسری طرف سے شرمین اور رام۔ درمیان میں کافی فاصلہ رکھ کر وہ تاتیا کو گھیرنا چاہ رہے تھے۔ تاتیا بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

پیچھے گھاس کا ڈھیر بھڑک رہا تھا جس کی گرمی سے بے زبان بندھے ہوئے جانور بے چینی محسوس کرکے چلا رہے تھے۔ اچانک دھوئیں سے گھبرا کر گھوڑا اپنی جگہ سے اچھلا اور کھونٹے سے اس کی رسی ٹوٹ گئی۔ وہ پیچھے کی جانب بھاگا اور یکایک صورت حال بدل گئی۔ گھوڑا جیسے ہی تاتیا کے قریب آیا' تاتیا نے فوراً ہی چھلانگ لگا دی اور اس پر سوار ہوگیا۔ اسی لمحے شرمین کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور تھوڑی دور جاکر تاتیا گھوڑے کی پیٹھ سے نیچے گر پڑا۔

گولی اس کے پیر میں لگی تھی مگر اس کے باوجود وہ لنگڑاتا ہوا بھاگا۔ اس بار رام نے گولی چلائی تھی جس کا نشانہ خطا نہیں ہو سکتا تھا۔ گولی تاتیا کی کھوپڑی میں لگی اور وہ چکر کھا کر وہیں گر پڑا۔

شرمین ٹین کے شیڈ میں لگی ہوئی آگ کو بجھانے پیچھے دوڑ گئی تھی۔ رام اور بوڑھا ڈاکٹر شاپور جی تاتیا کے لہولہان پڑے ہوئے جسم کے پاس کھڑے تھے۔ ڈاکٹر نے جھک کر اس کی کلائی پر اپنی انگلیاں رکھ دیں۔ نبض ابھی چل رہی تھی۔

"رستم!" بوڑھا ڈاکٹر رام سے مخاطب ہوا۔ "اب یہ میرا مریض ہے۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے مجھے اپنا فرض ادا کرنا ہے۔"

رام چپ چاپ کھڑا ہوا تاتیا کے چہرے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ جو بے ہوشی کی حالت میں شاید اپنی آخری سانس لے رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت گوتم کی جیپ وہاں آکر رکی۔ ڈپٹی کمشنر گوتم کے ساتھ سریتا اور وہ تینوں فوجی بھی تھے۔

مہاکرانسی سوامی جی کے پیلے مگر خون آلود لبادے کے اندر تاتیا کا بے ہوش جسم ان کے سامنے پڑا تھا۔

بوڑھے ڈاکٹر شاہ پور جی نے اپنی بندوق پھینک کر اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھانے کی کوشش کی لیکن یہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔ تاتیا کافی صحت مند اور لمبے چوڑے جسم کا مالک تھا۔ رام، ڈاکٹر کی مدد کے لئے بڑھا اور پھر وہ دونوں تاتیا کو اٹھا کر کاٹج کی طرف بڑھنے لگے۔ شرمین اب بھی شیڈ کی آگ بجھانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ لیکن ابھی تک اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر اپنے ڈیڈی کی طرف دیکھا۔ بوڑھا ڈاکٹر تاتیا کو ٹانگوں کی طرف سے اٹھائے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک شرمین کو کچھ خیال آیا اور وہ اس آگ کو چھوڑ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ رام کے ہاتھ سے اس نے تاتیا کے بے ہوش جسم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پھر وہ دونوں باپ بیٹی، کاٹج کے اندر داخل ہوگئے۔ آپریشن کی ساری تیاری شرمین کو ہی کرنا تھی۔

رام آگ پر دو تین بالٹی پانی ڈال کر اب گوتم اور کرنل اللہ رکھا وغیرہ کے پاس آکر کھڑا ہوگیا تھا۔

ڈپٹی کمشنر گوتم بورا کہہ رہا تھا۔ "ابھی تک مجھے اس بات پر یقین نہیں آتا کہ مہاکرانسی کیا واقعی تاتیا ہی تھا!"

رام نے اشارے سے اقرار میں جواب دیا اور اپنا ریوالور اس کے حوالے کر

دیا۔ اس کا مشن پورا ہوچکا تھا۔ اور "آپریشن تاتیا" میں وہ پوری طرح کامیاب ثابت ہوا تھا۔

"رام راکھا!" کرنل اللہ رکھا نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور مسکراتے ہوئے بولے۔ "مجھے پہچان رہے ہو؟"

رام نے ان کی طرف دیکھا اور پھر اچانک وہ ان سے لپٹ گیا۔ تاتیا کے انجام کے ساتھ ہی سب دھندلاہٹ دور ہوگئی تھی۔ سارے پردے ہٹ گئے تھے۔ وہ کون تھا؟ کیا تھا؟ سب کچھ اسے معلوم ہوچکا تھا۔ اب وہ اپنے ماضی سے واقف تھا۔

بوڑھا ڈاکٹر شاہ پور جی شرمین کے ساتھ کاٹج سے باہر نکلا تو سب لوگ بے چینی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ڈاکٹر بولا۔ "آپریشن کامیاب [illegible] ہے۔"

"اسے ٹھیک ہونے میں کتنے دن لگ جائیں گے [illegible] نے پوچھا۔

"کم سے کم تین مہینے۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر سر جھکا کر [illegible] گیا اور پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "لیکن اب وہ تم لوگوں کے لئے بیکار ہے۔"

"کیوں؟" گوتم کے ساتھ سب کی آنکھوں میں [illegible] تھا۔ [illegible] کیوں کہ مجھے شک ہے..." بوڑھے ڈاکٹر نے کہا۔ "اس کی یادداشت جا [illegible]

سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ [illegible] باوجود ان کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔

ختم شد